اُردو کا کلاسیکی ادب

تذکرہ

گلستانِ سخن

جلد دوم

از

مرزا قادر بخش صابر دہلوی

مرتبہ

خلیل الرحمان داؤدی

مجلسِ ترقیِ ادب ○ لاہور

طبع اول : جون ، ١٩٦٦ع

تعداد : ٢١٠٠

ناشر : سید امتیاز علی تاج ستارۂ امتیاز
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : شفیق پریس لاہور

مہتمم : ایس۔ ایم شفیق

سرورق: ریڈنگ پرنٹنگ پریس ، لاہور

بعونِ صناعِ مکین و مکان بفضلِ خلاقِ زمین و زمان

٦٦

اُردو کا کلاسیکی اَدَب

تذکرہ

گلستانِ سخن جلد دوم

مؤلفہ

مرزا قادر بخش صابر دہلوی

ناشر

مجلسِ ترقیِ اَدَب ۲۔ نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست عنوانات

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

باب الطاء المہملہ ۱۷۷ تا ۱۸۳

صفحه

صفحہ

صفحہ

باب الغین المعجمہ ۲۴۷ تا ۲۶۳

باب الفاء ۲۶۴ تا ۲۹۱

صفحہ

باب القاف ۲۹۲ تا ۳۱۵

صفحہ

باب الکاف التازی ۳۱۶ تا ۳۱۸

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

باب النون ۴۰۳ تا ۴۶۲

صفحہ

صفحه

باب الواو ۳۶۳ تا ۳۷۲

باب الها ۳۷۳ تا ۳۸۶

صفحه

باب الیاء ۳۸۷ تا ۳۹۳

صفحه

تذکرہ گلستان سخن

(حصہ دوم)

باب السین المہملہ

سالک

سالک تخلص ، سالک مسالک ارشاد و ہدایت ، مرزا خجستہ بخت مغفور ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہ ۔ خلفاے قدوۃ السالکین ، زبدۃ العارفین ، سید عمادالدین المعروف بہ میر مہدی قدس سرہ العزیز کی سلک میں منسلک ، اور باوجود ناز و نعم شاہزادگی کے مجاہدہ اور ریاضت نفس میں منہمک ۔ طریقۂ سخن گستری میں حضرت احسان غفران مآب سے ارشاد طلب ہوئے تھے۔ یہ شعر تیمناً مرقوم ہوا :

مت دیکھ حقارت سے مرے گریے کو ظالم
یہ اشک مسلسل نہیں ، موتی کی لڑی ہیں

سالک

سالک تخلص ، قربان علی ۔ مرد اشراف اور نیک نہاد ، صاحب طبع اور خاندان نجبا سے ہے ۔ پہلے اپنے نام کی مناسبت سے قربان تخلص اور مومن خان مومن تخلص مرحوم سے

مشورۂ سخن کرتا تھا ، اب کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کی شاگردی کی راہ میں سلوک کرتا ہے ، تخلص سالک مقرر کیا ۔ یہ چند شعر اُس کے مرقوم ہوتے ہیں :

جلوے سے اُن کے رہا صبح تلک میں بے ہوش
اُن سے اس طرح ہوا وصل کہ گویا نہ ہوا

مت پوچھ سبب گریے کا ، اے شیخ حرم میں
یہ گھر بھی کبھی غیرت بت خانۂ چیں تھا

یوں عمر گذاری تری فرقت میں کہ ہر دم
جینے کا گماں تھا مجھے مرنے کا یقیں تھا

آج اُس کا یہ عالم ہے کہ لب تک نہیں آتا
وہ نالہ کہ کل رخنہ گر چرخ بریں تھا

قتل قاصد پر گلا کیا اس جفا کردار کا
خون ناحق روز ہو رہتا ہے واں دو چار کا

کیا کہا ہے میں نے حال دل کہ ہو کر بے دماغ
آپ کہتے ہیں غم ایام کا دفتر کھلا

کیجیے کیا ناتوانی مانع پرواز ہے
ورنہ دروازہ قفس کا رہ گیا اکثر کھلا

یہی طول شب غم ہے تو سالک
قیامت ہم پہ گذرے گی سحر تک

منتیں اپنی وصل میں ہے ہے
اور کہنا ترا کہ آج نہیں

اے لالہ پردہ ہاے فلک پھونک دے تمام
کچھ تو ادھر کا راز بھی ہووے عیاں مجھے

ترک عشق اور میں غلط سالک
کون پکڑے زبان خلقت کی

سپہر

سپہر تخلص دوست صادق الوداد، راسخ الاتحاد، سرمایۂ سرور دل و جان، باعث مسرت قلب و جنان، مقبول انام، شتاب خاں کہ راقم تذکرہ سے رشتہ محبت کو محکم اور قواعد الفت کو مستحکم رکھتا ہے۔ جادۂ اخلاص میں گرم رفتار اور دعوئ صداقت میں راست گفتار۔ شائستگی ایک خلعت ہے اس کے قامت احوال پر راست اور اہلیت ایک نقد ہے اس کے گنجینۂ[1] اوضاع میں بے کم و کاست۔ راستئ فکر اور سلامت طبع اور دور گردئ خیال کے اوصاف کا بیان زبان خامۂ چرب گفتار کی مجال سے باہر ہے۔ اصلاح شعر صابر دل سوختۂ محبت سے لیتا ہے۔ اگر تلمذ کی نسبت میرے ساتھ درست نہ رکھتا تو میں کہتا کہ اس کا کلام فرط شیرینی سے صفحۂ قرطاس کو کلہ قند اور لب اعتراض کو بند کرتا ہے۔ اور اس کا سخن کثرت ملاحت سے مذاق جان احباب میں لذت رساں اور زخم دل اعدا پروگیان پر نمک فشاں۔ ابیات عرائس معنی کے لیے شبستان، اشعار مضامین کے واسطے ایوان۔ یہ چند شعر لکھ کر اس کے محاسن کلام سے آگاہ کرتا ہوں:

کیا ہوا گر دھن یار نے چھڑکا نمک
دل تنگ ظرف کا شرمندۂ احسان نہ ہوا

---

(۱) نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ: 'اس کے' اور نسخہ دوم (ص ۲۶۸) میں 'اس کو'۔

بخت کی برگشتگی دیکھو کہ کہتے ہیں وہ آج
آتے آتے غیر کی خاطر سے اُلٹا پھر گیا

اے شور حشر جا کہ مجھے آ گئی تھی نیند
کیوں تو نے غل کیا کہ میں بیدار ہو گیا

مے کے پینے سے خدا کا میں گنہہ گار رہا
محتسب تو مرے کیوں درپۓ آزار رہا

خون ہو ہو کے بہا دل تو بلا سے لیکن
سرخ رو تجھ سے تو اے دیدۂ خوں بار رہا

نام کا بھی نہ ذرا پاس کیا ہاے سپہر
چرخ میرے ہی سدا درپۓ آزار رہا

ناتوانی میں بڑھا سودا ترے دل گیر کا
دیکھیے اُٹھتا ہے کیوں کر بوجھ اب زنجیر کا

دیکھیے تھے جوں ہلال عید مشتاقان قتل
ایک جھلکا سا ہوا تھا کل تری شمشیر کا

ہے ترا بند قبا یا دل ہے غیروں کا کہ یوں
کام سے جاتا رہا ناخن مری تدبیر کا

اس برے لکھے کی گر ہوتی خبر مجھ کو تو میں
تھام لیتا ہاتھ اپنے کاتب تقدیر کا

ہو غریق رحمت حق وہ عجب انسان تھا
مے کدے کی پہلے جو موجد ہوا تعمیر کا

حسن کی نیرنگیاں دیکھو کہ ہم صحبت تھے اور
زلف کافر ہو گئی اور رخ مسلماں ہو گیا

ٹھہرتا گر کوئی دم تو مجھے چین آ جاتا
ہائے افسوس کہ چارہ مرے دل کا نہ ہوا

اس کو ظالم جو کہا میں نے تو ہنس کر یہ کہا
تجھ کو ظالم بھی میسر کوئی مجھ سا نہ ہوا

تیرہ بختی بھی عجب شے ہے کہ سائے کی طرح
میں کسی روز جدا تجھ سے خود آرا نہ ہوا

میں نے مانگا دل تو یوں بولا پٹک کر ناز سے
یہ دل صد چاک تیرا کس کو یاں درکار تھا

کیا تماشا ہے کہ پہنچا تیرے دل تک وہ غبار
تیرے دامن تک پہنچنا جس کو اک دشوار تھا

آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا اس نے نرگس کی طرف
جو کہ اے بے دید تیری چشم کا بیمار تھا

کیوں رنج دیا تونے عبث آنکھ ملا کر
گر دل کا ملانا تجھے منظور نہیں تھا

رکھا یاد تم نے مرے بھولنے کو
عجب لطف کا ہے یہ نسیاں تمہارا

نیم بوسے پر لیجے جان و دل کہ اس میں تو
فایدہ تمہارا ہے اور ہے زیاں اپنا

نہ پھرا لے کے اب تلک کوئی
رفتگان رہ عدم سے جواب

ہم تم سے بے خبر ہوں تو کیا کچھ کرو سپہر
غفلت میں دو گھڑی کی تو کھو بیٹھے جان آپ

ظالم یہ تبز تیز نگاہیں تری مدام
کھٹکے ہیں دل میں تیر کے پیکاں کی طرح

ہوا ہے کس کا کہ ہوگا تمہارا اب وہ سپہر
عبث نہ کیجیے آپ اپنی زندگانی تلخ

روتا ہوں جس کے سامنے کہہ کر میں ہائے دل
بے حوصلہ سمجھ کے وہ ہنستا ہے اے سپہر

کھلے نہ ہجر میں لب وصل کی دعا پہ سپہر
بتوں کو مانگتے ناداں خدا سے کیوں کر ہم

دل ہو تو خار و گل سے ہو کچھ ربط کی ہوس
اب ناتوانیوں کا ہمیں تو گلا نہیں

کیوں ان کی بندگی کو دل اب جانتا ہے فرض
یہ بت بھی آدمی ہی تو ہیں کچھ خدا نہیں

اس بندگی پر اپنی وہ نا آشنا مزاج
ملتا ہے ہم سے یوں کہ ذرا آشنا نہیں

کچھ یہ بھی شوخیاں ہیں کہ رفتار سے تری
ہے کون سی جگہ کہ قیامت بپا نہیں

ساغر کشی سے ہاتھ اٹھاؤں میں کس طرح
زاہد نہیں ، میں شیخ نہیں ، پارسا نہیں

حیران ہوں کہ کیا ہے ترا حال اے سپہر
ہے کون سی بلا کہ تو اس میں پھنسا نہیں

اپنا جو گذارا ہو تو کس طرح ترے پاس
وہ بزم نہیں جس میں کہ اغیار نہیں ہیں

تکلیف نماز اور ہمیں زاہد سے عجب ہے
بیٹھے ہوئے کچھ ہم بھی تو بیکار نہیں ہیں

اتنا تو نہ کر ہم سے تغافل کہیں کہ ہم
اے نرگسِ فتّاں ترے بیمار نہیں ہیں

دس غیروں میں آ بیٹھے اگر ہم بھی تو کیا ہے
ایسے تو کچھ ان لوگوں میں ہم خوار نہیں ہیں

بھکو نہ سپہر اتنے کہ خو اس کی ہے نازک
کچھ آپ ابھی ایسے تو سرشار نہیں ہیں

بے کاریوں میں نالہ کریں یا بکا کریں
یہ بھی نہ ہم کریں تو کہو اور کیا کریں

ہوتا ہے کیوں تلاش بتاں میں خراب دل
چل اپنے گھر میں بیٹھ کے یاد خدا کریں

دنیا سے کام رکھیں نہ عقبیٰ سے ہم سپہر
کب تک ادھر ادھر کے یہ قصے سنا کریں

بجھا دے گا ہمارا دامنِ تر اس کی آتش کو
جہنم سے نہیں کچھ خوف رندانِ قدح کش کو

برا دود جگر کا ہو شب مہتاب میں جس نے
اندھیرے میں بٹھایا بزم میں خوبان مہوش کو

کرتا ہے ذبح ہم کو تو اپنے ہی ہاتھ سے
تیری جفا بتا کہ نہ کیوں کر پسند ہو

لائے گا اک جہان پہ تو آفت اے سپہر
ڈرتا ہوں تیرے لب سے نہ نالہ بلند ہو

ہم لطف سے تو گذرے ، پہ تیرا جفا شعار
یہ بھی بڑا ستم ہے کہ ہم پر ستم نہ ہو

لینا ہے امتحان تو اب لے کہ پھر کہیں
تو آئے تیغ کھینچ کے اور مجھ میں دم نہ ہو

فلک دکھائے تھا اک شعبدہ نیا مجھ کو
پر اب دکھا کے تجھے کیا دکھائے گا مجھ کو

بتوں کے ہاتھ سے یہ تنگ ہوں کہ تا دم مرگ
گلی میں اُن کی نہ لے جائے پھر خدا مجھ کو

ملا ہوں جب سے کہ تجھ بے وفا سے اے بے مہر
برا ہی کہتے ہیں سب دوست آشنا مجھ کو

کچھ آج کل مرے دل میں گزرتے ہیں اغیار
کھلا نہ آنے کا یاں اُن کے مدعا مجھ کو

سپہر گریہ و زاری کا کیا سبب ہے مدام
تو اپنے حال سے آگہ تو کر ذرا مجھ کو

جب کہ کوچے میں ترے باد صبا جاتی ہے
آ کے گلشن میں نیا گل وہ کھلا جاتی ہے

سحاب

سحاب تخلص، کنور گوپال سنگھ خلف الصدق راجا سالک رام شاگرد غلام مولیٰ عرف مولا بخش قلق تخلص۔ نوجوان سعادت مند، اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ میں یگانہ[۱]۔ باوجود کم مشقی کے لطف زبان اور دل چسپیٔ طرز خدا داد ہے۔ یہ دو شعر کہ مذاق طبیعت میں خوش گوار ہیں،

۱۔ نسخہ دوم (ص ۲۶۳) "یگانہ ہے"۔

مرقوم ہوئے :

شمع رو رو کے سر بزم یہ کہتی تھی کہ ہائے
خاک کرتی ہے مری گرمیٔ بازار مجھے

اے دل رفتہ مگر جان پہ کچھ آن بنی
چارہ گر اب نظر آتے ہیں عزادار مجھے

سحر

سحر تخلص ، سخن ور شیریں زباں ، احمد علی خاں ابن کرم علی خاں ۔ نوجوان خوش اسلوب ، سعادت منش ، کتب درسیۂ فارسی جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سے پڑھیں ہیں ۔ ہرچند شعر ریختہ میں کسی سے اصلاح نہیں ہے بلکہ اظہار سخن کم تر وقوع میں آتا ہے ، لیکن بزور استعداد اور حسن طبیعت سے کلام با مزہ و لذیذ ہے ۔ یہ دو شعر اس کے طبع زاد ہیں :

تسخیر نہ ہوں کیوں کر سحر اپنے یہ آتش رخ
سیکھا ہے فسوں ہم نے اس نرگس فتّاں سے

ہوئے زخمی مژہ کے اور نگاہ چشم دل بر کے
نہیں محتاج ہم نوک سناں و آب خنجر کے

سرور

سرور تخلص ، اعظم الدولہ ، نواب میر محمد خاں خلف ارشد نواب ابوالقاسم خاں ۔ امرائے مشہور اور رؤسائے معروف

حضرت شاہجہان آباد حرسہا اللہ عن الشر والفساد سے تھا ۔ علوم ضروری سے آگہ اور فن شعر میں صاحب دست گاہ ، تہذیب اخلاق سے بہرہ ور ، سخن پرور معنی گستر ۔ استعداد علمی کی نیرو سے شعر کو سنجیدہ اور سخن کو فہمیدہ کہتا تھا ۔ مشق شعر محمد جان بیگ سامی سے کی تھی اور تحصیل علم علماے نامی و فضلاے گرامی سے ۔ ایک دیوان ریختہ اور ایک تذکرۂ شعراے ریختہ گو کا ، اس سے صفحۂ روزگار پر یادگر ہے ۔ ایام مشاعرہ میں ہمیشہ شاہ نصیر مرحوم کے مکان میں وارد اور شعر خوانی میں شعراے خوش سخن کے ساتھ شریک ہوتا تھا ۔ راقم تذکرہ اسی مشاعرے میں اس والا مرتبت کی ملاقات سے بہرہ یاب اور کلام نیک سر انجام سے کام یاب ہوا ۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے مرقوم ہوئے :

درون سینہ اب تو سانس نشتر سی کھٹکتی[۱] ہے
بیاں تقریر سے باہر ہے اپنی خستہ جانی کا

رخصت نہیں ہے جنبش لب کی بھی اب مجھے
وہ بھی زمانہ تھا کہ جواب و سوال تھا

مانع امید وصل ہوئی ورنہ ہجر میں
قصہ ہی زندگی کا یہ سب انفصال تھا

واں کش مکش تھی پنجۂ شانہ سے زلف کو
یاں پیچ و تاب رشک سے جینا محال تھا

---

۱ ۔ نسخۂ اول و دوم میں ''کھٹکی'' ہے جس سے مصرع ساقط الوزن ہو جاتا ہے (فائق) ۔

یہ ٹھہر چکی تھی کہ کبھی اس سے نہ ملیے
اس بات پہ لیکن دل بے تاب نہ ٹھہرا

سر ہر خار ہے خون کف پا سے رنگیں
کون یہ دشت میں ہے آبلہ فرسا پھرتا

صبح ہوتی نظر نہیں آتی
شب ہجراں ہے روز محشر کا

تشنہ کامی تجھے نوید کہ ہے
آب دار آہن اس کے خنجر کا

ہے طور یہ نرالا اس شوخ بے وفا کا
بیگانے سے ہے الفت دشمن ہے آشنا کا

اس ناتواں کو شاید پہنچائے واں اڑا کر
رہتا ہوں منتظر میں ہر صبح دم صبا کا

ساقیٔ گل فام جام مے نہ دینا بس مجھے
تیری گردش سے نگہ کی کام میرا ہو گیا

قاتل سے کرے دعویٔ خوں روز قیامت
ایسا یہ گنہ سرور رسوا سے ہوا کیوں کر

دیوانے ہم نہیں ہیں جو فصل بہار میں
کہنے سے ناصحوں کے گریباں رفو کریں

ھجر میں چشم کو ہم اشک سے دولاب کی طرح
کرتے خالی ہیں کبھو اور کبھو بھرتے ہیں

پھرتی ہے مضطرب سی باد صبا چمن میں
بلبل بتا مجھے بھی کیا گل کھلا چمن میں

دیر و حرم میں اس کا نہ پایا سراغ کچھ
کیجیے تلاش گوشۂ دل میں یہیں نہ ہو

رہوں دیوانہ ہو کر شہر میں کیا مجھ کو سودا ہے
کفایت اس گریباں چاک کو دامان صحرا ہے

سُرور

سرور تخلص ، شاہ زادۂ با تمکین ، مرزا عزیز الدین ۔ اولاد امجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ اور داماد حضرت ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ ، اور تلمیذ شیخ ابراہیم ذوق ہے ۔ مروت و اخلاق میں بے مثل اور اہلیت و سعادت میں بے مانند ۔ یہ دو چار شعر اس بلند مرتبت کے نتائج طبع سے ہیں :

شمع رو تو نہ ہو بے پردہ کہ پروانہ صفت
دیکھ محفل میں ابھی رشک سے جل جاؤں گا

تقدیر سے تو وہ بھی جفا کار ہی نکلا
جس پر کہ بھروسا تھا ہمیں مہر و وفا کا

ہوتے ہیں آپ چیں بہ جبیں بات بات پر
یہ ڈھنگ ہے تو ہو چکی صورت نباہ کی

یہ بھی سرور ترک کیا چاہتے ہیں وہ
صحبت جو ہم سے آن سے ہے یہ گہ گاہ کی

سرور

سرور تخلص ، مرزا فضل علی بیگ ، برادر حقیقی مرزا نیاز علی بیگ نکہت ۔ جوان وجیہ ، خوش ترکیب تھا ۔ مزاج میں ساز و باز اور طبیعت میں سوز و گداز ۔ شاہ نصیر مرحوم سے فن سخن میں تلمذ رکھتا تھا ۔ یہ شعر اس کے نتائجِ طبع سے ہے :

آج آتی نہیں ہے بانگ درا
'ہمرہوں' نے کہیں مقام کیا

سُرور

سرور تخلص ، لچھمی رام پنڈت ، ساکن بلدۂ لکھنؤ ۔ ہمیشہ عہدۂ نیابت میر منشی سرکار اودھ سے سرفراز رہا ۔ زبان فارسی میں فکر شعر کرتا تھا ۔ یہ چند بیتیں اس کے افکار سے مرقوم ہوئیں :

بے تو جاں برلبم و ذوق طپیدن باقی ست
یک نفس فرصت و صد نالہ کشیدن باقی ست

غنچہ ساں بے تو بسے خونِ جگر خوردم و آہ
چوں گل از دست غمت جامہ دریدن باقی ست

شبے کسے بہ در او طپید و ہیچ نہ گفت
چہ نالہا کہ ز دل برکشید و ہیچ نہ گفت

ہلاک شیوۂ آں سرکشم کز استغنا
مرا طپاں بہ سر راہ دید و ہیچ نہ گفت

سحر شنید ز بلبل چو وصف روے تو گل
بخون طپید و گریباں درید و ہیچ نہ گفت

ز درد دل بہ درش دوش زار نالیدم
فغاں کہ آں بت بدخو شنید و ہیچ نہ گفت

زد از دہان تو حرفے بہ غنچہ باد صبا
ز شرم سر بہ گریباں کشید و ہیچ نہ گفت

وفائے سرور شیدا نگر کہ در عشقت
ہزار جور و جفاہا کشید و ہیچ نہ گفت

سُرور

سُرور تخلص، رجب علی بیگ، متوطن شہر لکھنؤ، شاگرد نوازش حسین خاں نوازش ۔ ایک قصۂ رنگین و دل چسپ مسمٰی بہ 'فسانۂ عجائب' زبان اردو میں جو بالفعل کارپردازان مطبع لکھنؤ کے اہتمام سے رواج تمام رکھتا ہے، اس صاحب طبع رسا کے قلم رنگیں رقم کا کارنامہ ہے ۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائجُ فکر سے جو بہم پہنچے، مرقوم ہوئے :

نسیم صبح ہوں یا بوے گل یا شمع سوزاں ہوں
میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں

وہ بھی ہو گا کوئی امید بر آئی جس کی
اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے

نہ لگا اس کو، مری بات کو تو مان سرور
دل کا لگنا نہیں اے یار ضرر سے خالی

سعید

سعید تخلص محمد سعیدالدین ، خلف رشید مولوی محمد اساس الدین ابن سر کردۂ ارباب کمال ظاہری و باطنی حافظ ابوالموید خان مرحوم اسکنه الله فی الجنان الخلود ۔ ہر چند وطن قدیم سر زمین بدایوں ہے لیکن عرصۂ دراز سے شاہ جہاں آباد فیض بنیاد میں قیام کی صورت جلوہ گر ہے ؛ گویا اب یہی گل زمین وطن ہوگئی ہے ۔ بس کہ خاندان عالی سے ہے ، اہالیٔ شہر کی نظر میں عزت و آبرو کے ساتھ زیست کرتا ہے ۔ سنہ اس کی عمر کے سکندر کے برابر کہ قول مشہور کے موافق اٹھائیس ہیں اور کمالات وہبی و مکتسبی عمر خضر سے زیادہ ۔ فن سخن میں نواب زین العابدین خاں مرحوم عارف تخلص سے استفادہ کیا ہے ۔ یہ چند شعر اس کے طبع زاد لکھے جاتے ہیں :

اندام صاف یار میں موے کمر نہیں
اس آئنے میں بال کا ہرگز اثر نہیں

ہے برق کا خواص شب وصل یار میں
یعنی اُدھر سے لحظے میں آئے ادھر نہیں

ان روزوں بے خودی مری کم ہے، ذرا مدد
اے ساکنان کنج خرابات ، چاہیے

گو لامکاں تلک تو رسائی ہے آہ کی
پر کیا ہے گر بتوں ہی کے دل میں نہ راہ کی

سعید

سعید تخلص ، میر سعادت علی ، ساکن بلوچ پورہ کہ ایک محلہ ہے محلات اکبر آباد سے ۔ اول مدرسے میں عہدۂ مدرسی رکھتا تھا ، اب مولوی سید محمد امیر علی شاہ جاگیر دار و رئیس اکبر آباد کی سرکار میں تحصیل دیہات و سرانجام امور ضروریٔ رئیس موصوف پر مامور ہے اور عہدۂ قضا بھی اُس کی ذات سے متعلق ہے ۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائجِ طبع سے ہیں :

آنسو ٹپکا کیے تارے سے شب اُس مہ رو بن
ٹوٹا اشکوں کا نہ فرقت کی شب تار میں تار

یار بن آنکھوں میں اپنی خار ہے گل باغ میں
ہے نمک پاش جراحت شور بلبل باغ میں

اس کے کوچے میں رقیب روسیہ کا ہے گزر
زاغ اب رہنے لگے ہیں جائے بلبل باغ میں

کوچ کے ہیں فکر میں آرام کی نوبت کہاں
ہر گھڑی بانگ جرس ، ہردم صدائے کوس ہے

سکندر

سکندر تخلص ، سکندر خاں ، ساکن شاہ جہان پور ۔ طالب علمی کی تقریب سے چند سال شاہجہان آباد میں قیام کیا ، اب چند مدت سے لکھنؤ میں تحصیل علوم میں ساعی ہے ۔ جب یہاں تھا گاہ گاہ شعر ریختہ بھی کہتا اور مومن خاں سے

اصلاح لیتا تھا - ایک روز اس شعر میں آستاد سے مباحثہ کیا :

دم لینے میں ہے مجھ کو تو آئینے کا لحاظ
اور یار یہ سمجھتے ہیں مجھ میں ہی دم نہیں

مومن خاں اس شعر کو بے معنی بتاتے تھے اور وہ معنیٔ شعری کو کرسیٔ لفظ پر بٹھاتا تھا - جب آن کی طرف سے اس شعر میں مبالغہ حد سے گزر گیا ، آس نے ترک مشورہ کیا - بعد اس کے اپنے کلام میں آپ حک و اصلاح کر لیتا تھا - یہ تین شعر اس کے نتائجٔ افکار سے ہیں :

ہوش کھوئے ترے نظارے نے ایسے کہ سحر
آئینہ اپنی بھی حیرانی پہ حیراں نہ ہوا

کس کا نام آس کے لبوں پر تھا کہ اس نفرت پر
حرف ناصح سے دماغ اپنا پریشاں نہ ہوا

ہے وہ کیا قتل سکندر کہ خجل ہو اس سے
جب کہ خوں ریزیٔ اعدا سے پشیماں نہ ہوا

سلطان

سلطان تخلص نو نہال گلشن عمر و شگوفۂ باغ زندگانی لخت دل و پارۂ جگر سلطان شاہ طال عمرہ ، خلف میرزا جمعیت شاہ بہادر ماہر تخلص - باوجود اس کے کہ ہنوز چمن عمر میں تازہ خرام اور گلشن ایام میں نونہال ہے ، لیاقت نشست و برخاست اور شائستگیٔ کردار و گفتار اور تیزیٔ فہم اور جودت طبع ، استعداد ذاتی و ملکۂ خدا داد پر دال ہے -

اول پدر مشفق کو سرگرم سخن سنجی و معنی گستری دیکھ کر حفظ اشعار و ضبط ابیات کی طرف التفات ہوئی اور ادب آموزیٔ شوق سے کے ہزار شعر گنجینۂ حافظہ میں فراہم آئے - من بعد رہ نمائیٔ ذہن رسا اور تائید سخن آفریں نے قافلۂ کلام کو جادۂ موزونی پر پہنچا دیا - یہ وقت اقتضا کرتا ہے کہ اگر مساعدت لطف الٰہی شامل اور اسباب کسب کمال آمادہ رہیں تو اس کا کمال خلوت استعداد سے جلوہ گہ ظہور میں نقاب کشا اور منصۂ وقوع میں چہرہ نما ہو جائے - یہ تین چار شعر اُس کے نتائج طبیعت سے درج تذکرہ ہوتے ہیں :

اے فلک طفلی میں کیا سمجھوں میں رسم عاشقی
مجھ کو اس سن میں یہ دینا عشق کیا درکار تھا

بن جلائے دل و جگر جل جائے
کیا بری آگ ہے محبت کی

آتے آتے وہ پھر گئے گھر کو
یہ بھی خوبی ہے اپنی قسمت کی

عہد طفولیت بھی نہیں سلطنت سے کم
سلطان شاہ کیوں نہ کہے اک جہاں مجھے

سلیم

سلیم تخلص ، فخر دودۂ گورگنی ، گوہر افسر سلطانی ، مرزا سلیم بہادر مرحوم ، خلف اکبر شاہ بادشاہ ثانی انار اللہ برہانہ ، کہ فرزندان بادشاہ مغفور میں بیشئی امتیاز سے

سرفراز اور کثرت اعتبار سے ممتاز تھا ۔ جیسے وہ بادشاہ کیوان جاہ ، حسن صورت و سیرت میں سلاطین سلسلۂ تیموریہ سے گوے سبقت لے گیا تھا ، یہ اشرف اخلاف ان دونوں صفت میں شاہزادگان والا شان سے امتیاز رکھتا تھا ۔ اس مقام میں بلندئ شان اور رفعت مکان اور شوکت شاہی اور حشمت والا پایہ گاہی اور دبدبۂ اقبال اور طنطنۂ جاہ و جلال کے اوصاف میں زبان قلم کو گویا کرنا ایک امر زاید ہے ، کہ صدا اس کوس کی فلک اور صیت اس اجلال کی مُلک تک بلند ہے ۔ قدرے سلطنت معنوی کا حال لکھا جاتا ہے کہ جناب مغفرت مآب میر محمدی مرحوم سے ، کہ اس روزگار میں اس صفائ باطن کے ساتھ درویش خدا آگاہ رباط عالم میں کم مشاہدہ ہوا ہے ، شرف بیعت حاصل کرکے مجاہدات اور ریاضات کے ذریعے سے مدارج کمال کے ارتقا اور مسند سعادت آخروی کے تمکن سے مشرف ہوا ۔ جو کہ اس مخدوم حور و غلمان کے بغیر قصور فردوس ۔ آرایش تھے ، بادشاہ غفران پناہ کے عہد حیات میں دنیاۓ دوں سے دل اٹھا کر روضۂ رضوان کی گل گشت اور باغ جنان کی تفرج کے واسطے راهی هوا ۔ یہ دو شعر کہ خلاصۂ مطالب متصوفہ پر اشتمال رکھتے ہیں ، اس مرجع مآرب ملائک اور زبدۂ ”متکئین فیہا علی الارائک“ کے افکار گوھر نثار سے ہیں :

جھگڑے سے جب دوئی کے فراغت ہوئی ہمیں
کثرت میں سیر عالم وحدت ہوئی ہمیں

ہے کوی اپنا خانۂ دل بھی عجب مکاں
جس میں نصیب یار سے صحبت ہوئی ہمیں

سلیمان

سلیمان تخلص ، مرزا سلیمان شکوہ ، خلف رشید حضرت شاہ عالم بادشاہ ۔ ان کے محامد ذات و حماید صفات اندازۂ تقریر سے زائد اور حوصلۂ قیاس سے خارج ہیں ۔ یہاں خاموشی عین مدح اور اعتراف عجز و قصور ، کمال ستایش ہے ۔ مدت تک لکھنؤ اور بیش تر مستقر الخلافت آگرے میں تشریف فرما رہے ۔ ایک دفعہ راقم کی یاد میں حضرت شاہ جہان آباد میں رونق افروز ہوئے تھے ، پھر سرزمین اکبر آباد میں تشریف لے جا کر قیام کیا اور بعد مدت کے اسی گلشن فیض سے گل زار جنان کی طرف کوچ فرمایا ۔ شعرا کو ان کی قدردانی سے همیان حرص پر زر تھی اور دامن امل پراز گوهر ۔ جو کہ فکر شعر خاندان تیموریہ کا ذاتی ہے ، شعر گوئی کی طرف بیشتر متوجہ تھے ۔ یہ چند شعر ان کے افکار گوهر نثار سے زیب صفحۂ تذکرہ ہوتے ہیں :

لبوں پہ نالہ جو آ کر نہ ہٹ گیا ہوتا
تو آسمان و زمیں سب اُلٹ گیا ہوتا

جنازہ تیرے دیوانے کا اس توقیر سے اٹھا
کہ شور نالہ ہر اک خانۂ زنجیر سے اٹھا

رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب
یوں ترے کوچے سے میں بے سروساماں نکلا

تیرے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہے کہ اب
جو گیا اس کی خبر کو سو وہ گریاں نکلا

یہ کس کے دست حنا بستہ یاد آئے تھے رات
کہ تا بہ صبح مرے دل کو اک فشار رہا

شب فراق میں میں کیا کہوں سلیماں آہ
کہ کس طرح سے دل اپنا یہ بے قرار رہا

کشتے کو تیرے در سے افسوس لے گئے کل
اور تو نہ اک قدم بھی اے یار گھر سے نکلا

کچھ تو اثر کیا ہے دل کی ترے کشش نے
پڑھتا جو وہ سلیماں اشعار گھر سے نکلا

کبک رفتار اپنی بھول گئے
دیکھ اس کے خرام کا عالم

اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
شب ہجراں کی شام کا عالم

شب دل سے مرے آہ کا شعلہ جو اٹھا گرم
منقل کی طرح تا بہ سحر سینہ رہا گرم

گالی نہ دیا کرو کسی کو
بس بس اپنی زباں سنبھالو

یہ طفل اشک، آنکھوں سے نکل کر
مری چھاتی سے پہروں لگ رہے ہے

سوز

سوز تخلص ہے سلالۂ خاندان شرافت، زبدۂ دودمان نجابت، سبک، روح گراں حلم، قلیل السن، کثیرالعلم،

شیریں مقال ، بسیار کمال ، صاحب طبع سلیم ، مولوی عبدالکریم ، خلف رشید استادی و مولائی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کا ۔ ہر چند سن عمر کے اعتبار سے کہین پسر حضرت استاد ہے ، لیکن کثرت علم اور افزونیٔ دانش کی جہت سے گویا اکبر اولاد ہے ۔ سال عمر اس نونہال چمنستان کمال کے ہنوز انیس بیس سے متجاوز نہیں ہوئے ، لیکن کشور فضل و کمال کی منازل ہزار سے زیادہ طے کی ہیں ۔ یہ شعر جس نے اپنی شان میں کہا ہے ، غالباً اسی فخر خاندان کی زبان سے لے لیا ہے :

مراست از ندب فضل ہفت حصل و ہنوز
میان نوزدہ و بست می کنم تکرار

واہب بے صفت نے اپنے فضل واحسان کا دروازہ بے دریغ کھولا اور اس زبدۂ اہل رشد کے دست سعی کو فراخی کا مژدہ دیا ۔ اس سن و سال میں اپنے پدر بزرگ وار کی خدمت میں زانوے ادب تہ کر کے سب کتب درسی فارسی کی تحصیل سے خواہ نظم ، خواہ نثر ، فراغت کلی حاصل کی اور اس فن میں شب و روز افادۂ طلبائے مدرسۂ کمال میں مصروف ہے ۔ گویا تخفیف تصدیع جناب ممدوح مدنظر ہے ۔ اور علوم عربیہ میں سے صرف اور نحو اور معنی و بیان و بدیع کو نہایت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ پڑھ کر تحصیل منطق اور تکمیل فن طبابت میں مشغوف ہے ۔ کتب درسۂ طب سے کچھ قلیل مقدمات باقی رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ مدت عمر میں

نسخۂ اول (ص ۲۷۸) میں لفظ پڑھا نہیں گیا (فیض کا ؟)
نسخۂ دوم (ص ۲۶۹) میں ''فراخی'' ہے (فائق) ۔

افزائش کرے اور ترقیٔ کمالات کی ایسی توفیق دے کہ ہر فن میں یک فنی ہو جائے۔ جو ناظم دیوان کائنات نے سرو کے مانند جامۂ موزونی اس کے قامت استعداد پر قطع کیا ہے، اس سن میں پایہ شاعری کا مسلم ہوگیا اور نقد سخن محک تحسین اہل انصاف پر پہنچ گیا۔ بسیارگوئی اور خوش‌گوئی ایک نعمت ہے کہ موایدِ انعام منعام حقیقی سے جس کے نصیب میں ہو، اسی کو ملتی ہے۔ کثرت سخن اس مرتبہ کہ مشاعرے کے روز معہود تک اس کے گنجینۂ فکر سے اکثر اہل مذاق کو کہ ہنوز استعداد شعرگوئی نے ان کو مرد میدان مشاعرہ نہیں کیا، صدہا شعر عطا ہو جاتے ہیں۔ ہر چند وہ اشعار اس کے متاع سخن کی زکوۃ ہیں، لیکن خود اس طرح نصاب کمال کو پہنچے ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے مستحقین کرامت زکوۃ لے جائیں تو عجب نہیں، اور خوبی کا یہ حال کہ اگرچہ وہ اس کے باغ طبیعت کا فضلہ ہیں لیکن اوروں کے نخل استعداد کے ثمرۂ نفواد سے بہتر۔ پاکیٔ زبان اور شستگیٔ عبارت اور روح افزائیٔ معنی اور دل آویزیٔ مضمون اور تازگئی طرز اور متانت تراکیب، کس کس چیز کی تعریف کی جائے کہ کثرت خوبیوں کی بند زبان تقریر ہے اور مانع جرأت تحریر۔ علم عروض قافیہ کی مہارت کا تو کیا کہنا ہے، کہ یہ اپنی ہی دوکان کی متاع اور اپنے ہی خزینے کا نقد ہے۔ طرفہ یہ ہے کہ ان کمالات پر مزاج میں خلق اور طبیعت میں اُنس ایسا ہے کہ دو لب گویا کتاب ”اخلاق المحسنین“ کی دو سطر اور سخن ”نفحات الانس“ کا ایک باب ہے۔ گل کی طرح خندہ پیشانی لیکن ریش خند سے بیزار۔ سوسن کی مانند دہ زبان مگر

زیادہ گوئی سے ننگ و عار ۔ اگر صفتیٔ الفاظ کر بیان کیجیے
موج نفس صبح کے روبرو ہمسری کا دم بھرے اور اگر
رنگینئی معنی کا مذکور ہو تو ہوائے کلام شفق کے ساتھ برابری
کرے ۔ مبالغۂ شاعرانہ اور اغراق منشیانہ سے قطع نظر توصیف
اس نونہال جوانی کی فی الواقع حیز تقریر سے خارج ہے ۔ ہر چند
اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام میں مہارت حاصل ہے
لیکن تخمیس غزل خصوصاً قطعہ لاسیماً اس قطعے کے کہ
ابیات کثیرہ پر مشتمل ہو ، جیسے اس سر کردۂ سخن سنجان
روزگار سے صورت پذیر ہوتی ہے ، کہن مشقان کامل استعداد
اس میں عاجز ہیں ۔ اب چند روز سے یوں ہی دیکھا جاتا ہے
کہ کمیت توجہ کی عنان مخمس کرنے کی طرف بہت منعطف
ہے ۔ اہل انصاف اس سخن سنجی کی داد دیتے ہیں اور اس
کلام کو سخن وری کا معجزہ قرار دے کر بجان و دل مانتے
ہیں ۔ یہ سب کمالات ایک طرف ، تاریخ گوئی ایک نعمت
عظمیٰ ہے کہ منعم بے منت اور فیاض بے ضنت عمت
آلاؤہ و جلت نعماؤہ ، نے خوان الوان کرم سے اس کو عطا کی ۔
ماہران فن خوب جانتے ہیں ، کہ التزام کسی چیز
کا لطف سخن کو حد کمال تک پہنچنے نہیں دیتا ۔
بلکہ بسا اوقات ان قیود کی شامت سے شاہد کلام
زیور معنی سے معرا ہو جاتا ہے ، اور تاریخ گوئی میں عدد
خاص کی قید سے تو دائرہ سخن سنجی کا ایسا تنگ ہوتا ہے
کہ قدرت انشاء کو نیم گام اٹھانا دشوار ہے ۔ اس شہ سوار
کمال کی مطلق عنانی ، عرصۂ تنگ تاریخ میں تماشائیان انصاف
دوست پر واضح اور لائح ہے ۔ اس التزام پر فصاحت الفاظ
اور جدت معنی اور تازگیٔ تشبیہ اور نزاکت مضامین بہ پایہ

رکھتی ہے کہ اگر سامع کو متنبہ نہ کریں تو آیانی٬ سباق اور روانی٬ طرز اور بے تکلفی٬ تراکیب سے قید تاریخ کی طرف وہم کو گذر نہ ہو ۔ شیخ ابراہیم ذوق کی تاریخ وفات کا قطعہ کہ اس کے ترجمے میں مسطور ہے ، دیدہ وران منصف کو قطع نظر اس سے کہ مذاق سخن فہمی کو لذت بخش ہوا ، کس قدر برسر انصاف لایا ہوگا کہ دعوے داران ہنر اس نظم بے عدیل کے سامنے بجز اس کے کہ فرق لاف کو فرو اور زبان گزاف کو بند کریں ، کیا چارہ ہے ؛ ہاں اے مدعی٬ ہرزہ سرا! اگر اعتساف و کجی سے تیری طبیعت ناراست دامن انصاف ہاتھ سے چھوڑ کر بیہودہ میدان یاوہ درائی میں خواہ مخواہ سرگرم جولان ہے ، بسم اللہ ''اینک گوی و اینک میدان ۔'' محاسن ذاتی اور صفاتی جدا دامن گیر ہے اور محبت صمیمی اور الفت دلی جو مجھ کو اس مجمع مفاخر کے ساتھ ہے ، علاحدہ متقاضی ہے کہ قلم کو تحریر سے اور زبان کو تقریر سے باز نہ رکھوں ، اور جہاں تک حد بشری ہو ، اظہار محامد میں کوتاہی نہ کروں ۔ اور میں خود بھی اپنے شوق سے سخن سرائی میں سرگرم ہوتا ہوں ۔ لیکن ان باتوں کی حلاوت لب کو بند کیے دیتی ہے ۔ ناچار چند شعر آن کے کلام گوہر نثار سے انتخاب کر کے نظر ارباب ذوق سے گذرانتا ہوں ، اور عجیب یہ ہے کہ ہنگام انتخاب ہر شعر کا یہی تقاضا ہے کہ اگر مجھ کو نہ لکھا ، کیا لکھا ؟ :

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

لیکن اطناب سخن کے خوف اور اختصار کلام کی رغبت کو

ایک حیلہ معقول سمجھ کر گریز پائی کو بدرقہ بنا لیا اور چلتے چلتے جس پر قلم کا ھاتھ پڑگیا ، غنیمت سمجھا اور اس کو درج قرطاس میں درج کیا :

ہوتے ھی ہوگا اثر اس نالۂ شب گیر کا
راہ پر آنا کوئی آساں ھے چرخ پیر کا

جاں کو راہ فنا میں ھو گیا چلنا محال
بس کہ ھر ھر گام ھے کشتہ تری شمشیر کا

میرے دل میں حسرتیں ھیں کارواں درکارواں
کم نہ ھو جائے کہیں پیکاں تمھارے تیر کا

سوز یاروں نے تو چاھا تھا کہ وہ تجھ سے ملے
پر نہ وہ آئے تو یہ لکھا تری تقدیر کا

کوئی افسانۂ غم دل کے برابر نہ ہوا
لکھے سو حرف پر اک حرف مکرر نہ ھوا

مے کے دینے میں یہ صرفہ ھے تجھے اے ساقی
کہ ستم گر مرا دامن بھی کبھی تر نہ ھوا

تربیت کے بھی لیے اھل ھیں درکار کہ یاں
اشک قطرہ ھی رھا اور کبھی گوھر نہ ھوا

ھم تو ھر رنگ میں پہچانتے ھیں تجھ کو ولے
کم نگاھوں سے یہ پردہ ترا بہتر نہ ھوا

”انزوا“ واسطے ناقص کے ھے اکسیر کمال
قطرہ آیا نہ صدف میں تو وہ گوھر نہ ھوا

دور سے توڑے ھے مژگاں تری سو تودۂ دل
شکر صد شکر کہ ناوک میں ترے پر نہ ھوا

یہ دل کے جانے کا ماتم مگر ہے جان حزیں
کہ ایک شور ہے سینے میں ہر زماں ہوتا

چمن سے جاتی ہے اس طرح سے بہار اور ہائے
کسی طرح نہیں صیاد مہرباں ہوتا

ہم اور بیٹھے پریشانیاں یہاں کھینچیں
تم اور بیٹھے بنایا کرو سنگار اپنا

تو مر نہ جائے کہیں سوز غم میں رک رک کر
ذرا تو حال کہا کر کسی سے یار اپنا

فکر میں تھے انتہائے عشق کی مدت سے ہم
بارے یہ عقدہ ہمیں آ کر تہ خنجر کھلا

صبا رقیب سے رکھتی تھی راہ کچھ ورنہ
ستم یہ کیوں مرے مشت غبار پر ہوتا

یہ سب ہے وسعت دامان رحم سے ورنہ
جزا کا کام نہ موقوف حشر پر ہوتا

خدا ہی جانے کہ کیا سوز دل پہ آن بنی
کہ آج صدمے پہ صدمہ ہے جان پر ہوتا

عالم کو چین دیتی نہیں شوخیاں تری
اور اضطراب میرے دل بے قرار کا

ساقی ہوا نہ موسم گل میں تو مہرباں
اور اب جو مہرباں ہے تو موسم ہے خار کا

میرے جنوں سے اور ترے حسن شوخ سے
اب کی کچھ اور رنگ ہے ظالم بہار کا

دھوکے میں غیر کے مجھے ساقی نے دی شراب
مجھ کو ہوا گماں کہ ہے کچھ ڈھنگ پیار کا

ظالم ترے تشنوں کا گلہ تر نہیں ہوتا
جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہیں ہوتا

کچھ ترا شہرہ ہوا کچھ میری رسوائی ہوئی
رفتہ رفتہ یوں ہی ظاہر راز پنہاں ہو گیا

عشق میں ہو ہی چکے تھے ہم تو بے ساماں مگر
حسرتیں بڑھ بڑھ کے پھر کچھ جمع ساماں ہو گیا

کھل گیا سب راز کم ظرفی سے دم میں جوں حباب
میں تو اتنا ضبط بھی کر کے پشیماں ہو گیا

سوز نے اچھی نباہی ابتدا میں تو ولے
انتہا پر آن کر ناداں ہراساں ہو گیا

میں بڑا بول جو بولا تھا شب وصلت میں
سو وہ آگے مرے ہنگام سحر آ ہی گیا

نہ وہ تم ہو نہ وہ ہم ہیں نہ وہ باتیں پہلی
تفرقہ تھا جو مقدر میں نظر آ ہی گیا

ابھی دل میں ابھی آنکھوں میں ابھی دامن پر
اشک میں بھی تری شوخی کا اثر آ ہی گیا

دل جوں ہی کعبے سے اچٹا تو لگایا نہ گیا
کر کے بت خانے کا ناچار سفر آ ہی گیا

اب کوئی سوز سے نبھنے کی نکالو صورت
خیر تقصیر ہوئی اب تو ادھر آ ہی گیا

انقلاب دھر کو کب تک کوئی روئے کہ یاں
کیا سے کیا کچھ ھو گیا اور کیا سے کیا ھو جائے گا

آہ میں ہر چند اثر ھونا تو ھے دشوار لیک
ایسی مایوسی میں کچھ تو آسرا ھو جائے گا

سوز گو بے گانہ ھے پر بزم میں رھنے تو دے
رفتہ رفتہ یہ بھی ظالم آشنا ھو جائے گا

وائے قسمت کہ خزاں میں رھے گل زار کے پاس
اور بہار آئی تو صیاد جفا کار کے پاس

پاس آنے میں نہ کشتوں کے لگے دیر کہیں
لے لیا موت نے گھر ھی تری دیوار کے پاس

ناتوانی سے جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
کچھ نہیں یہ ھے کہ بیٹھیں مری دیوار کے پاس

ناتواں گو ھیں پہ بے تابیٔ دل یہ ھے تو بس
ایک دن آ ھی رھیں گے تری دیوار کے پاس

اللہ اللہ تری صیاد تغافل کیشی
کہ جو بھولے سے بھی آئے نہ گرفتار کے پاس

ھائے رے جذبۂ صیاد کہ بھاگے بھی جو صید
پھر پھرا آن رھے ھے اسی خوں‌خوار کے پاس

سوز خستہ ھی نہ ھو جلد خبر لے ظالم
اک جواں سا ھے تڑپتا تری دیوار کے پاس

اے سوز ابتدا ھی میں بگڑا ھوا ھے حال
آگے کو رنگ دیکھیے کیا کیا دکھائے دل

لگ چلنے کو کسی کے دامن سے تو بلا ہیں
گو دیکھنے کو ظاہر مشت غبار ہیں ہم

بدعہدیوں کی تیرے کیا کیجیے شکایت
جب آپ ہی جہاں میں ناپائدار ہیں ہم

جتنا جتنا روکا ان کو وتنے ہی بپھرے اور
طفل تو ہیں یہ اشک ابھی پر کتنی شرارت رکھتے ہیں

یہ تو یقیں تم ہم میں ہی ہو پر یہ نہیں کھلتا کس جا ہو
دل میں تمنا سینے میں ارماں جان میں حسرت رکھتے ہیں

یوں ہی آئی عمر اور یوں ہی گئی
ہم خدا جانے رہے کس دھیان میں

سوز تھا آخر کو پھر ناکردہ کار
ظلم سے گھبرا گیا اک آن میں

کثرت حجاب کی ہمیں مانع ہے ورنہ یاں
وہ کون سی جگہ ہے کہ تو جلوہ گر نہیں

ناحق بتوں کے سجدے میں اوقات کی تلف
پتھر ہیں ان میں کچھ بھی تو ہوتا اثر نہیں

بوسے پہ اس دھن کے کہ جس کا نہیں سراغ
ہلتی تری زباں یت بے داد گر نہیں

ارماں ہے کون سا کہ سویدائے دل نہ ہو
امید کون سی ہے جو داغ جگر نہیں

ایک مژگاں کے تصور سے ترے اے کافر
خار سے خار تھے سینے میں کہ کھٹکے لاکھوں

سیکڑوں ہیں تری اس سادہ مزاجی پہ نثار
اور قربان ہیں ظالم تری ہٹ کے لاکھوں

مجھ کو ہر کھٹکے پہ گذرا ترے آنے کا خیال
اور شب وعدہ میں ہوتے رہے کھٹکے لاکھوں

جان سینے میں ، نظر آنکھوں میں ، دم ہونٹوں پر
اک نہ آنے سے ترے کام ہیں اٹکے لاکھوں

الفت میں تری ہائے میں اس طرح سے اجڑوں
اور خانۂ اغیار ہو آباد غضب ہے

ہم نے نہ کبھی چین سے کی سیر گلستاں
جب فصل بہار آئی تو صیاد غضب ہے

سن سن کے دماغ اپنا تو ہوتا ہے پریشاں
اے سوز تری زاری و فریاد غضب ہے

چرخ کو آبادیٔ دام و قفس منظور ہے
ایک اجڑا تھا کہ بنتا آشیانہ اور ہے

کھچ گیا شاید تغافل کچھ ترا مانی سے جو
کھچتے کھچتے یہ تری تصویر آدھی رہ گئی

رحم بھی آیا تو کب آیا تجھے قاتل کہ یاں
حلق میں کٹ کر رگ نخچیر آدھی ر گئی

اس کے حلقوں میں ہے ضعف پا سے سرمے کا اثر
جو صدائے نالۂ زنجیر آدھی رہ گئی

ہم نے کچھ ہمت تو کی تھی پر کریں کیا لب تلک
آتے آتے آہ کی تاثیر آدھی رہ گئی

آج یاں رسوا ہوا ، کل واں خرابی میں پڑا
یوں ہی گھٹ گھٹ کر مری توقیر آدھی رہ گئی

اللہ اللہ شوخیاں تیری کہ تیرے ناز کی
لوح دل پر جب بنی تصویر ، آدھی رہ گئی

اس نے چشم قہر سے بھی ہم کو رکھا بے نصیب
ہم یہ سمجھے جرم کی تعذیر آدھی رہ گئی

سوز اس کو دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا
کہتے کہتے زیر لب تقریر آدھی رہ گئی

تو بھی دے چاہے جس انداز سے آزار مجھے
میں بھی دیکھوں کہ ترے ساتھ ہے کیا پیار مجھے

جی نے چاہا تو گیا بیٹھ کسی کوچے میں
اور نہ چاہا تو ہے پھرنے سے سروکار مجھے

اس کو ہے شوق ستم مجھ کو ستم کی خواہش
میں ستم گار کو درکار ، ستم گار مجھے

اور وہ کون سا عقدہ ہے کہ آسان ہوگا
ایک ملنا تھا تمہارا سو ہے دشوار مجھے

سوز ہے کچھ تو تمنا کہ پڑے پھرتے ہو
کیوں یہ کہتے ہو نہیں اس سے سروکار مجھے

ہیں تو چمن کے اندر پر جور باغباں سے
آوارہ پھر رہے ہیں گم کردہ آشیاں سے

حیرت نے ہم کو غنچہ تصویر کا بنایا
اس پر بھی ڈر رہے ہیں بیدادئ خزاں سے

صیاد پھینک دیوے یا برق پھونک دیوے
اب ہاتھ اٹھا لیا ہے ہم نے بھی آشیاں سے

دیکھا عجب تماشا طرفہ کیا نظارہ
گزرا جو صبح گاہاں میں صحن گلستاں سے

یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخ گل پر
رنگ چمن دوبالا تھا اس کی داستاں سے

جوں سوز سوز در دل اشعار میر برلب[1]
گویا وہ خبر دیتی تھی سوزش نہاں سے

اس کے سخن میں ہم دم کیا کچھ بھری تھی گرمی
گویا کہ آتش دل تھی شعلہ زن زباں سے

گہ نالہ و فغاں سے عالم کو پھونک دینا
گہ دل ہی دل میں جلنا آہ شرر فشاں سے

گہ فصل گل سے شاداں کوتاہ بینیوں سے
گہ پیش بینیوں سے غم گیں تھی وہ خزاں سے

اس کو سمجھ کے اپنا ہم درد و ہم مصیبت
پوچھا یہ میں نے اس سے تو کہہ تو کچھ زباں سے

کیا حال ہے کہ تیرے وہ زمزمے نہیں ہیں
اندوہ گینیاں ہیں ظاہر تری فغاں سے

کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتیں ہیں
سو گفتنی نہیں ہیں کیا فائدہ بیاں سے

---

۱ - نسخۂ دوم (ص ۲۷۵) ''برلب'' نسخۂ اول (ص ۲۸۳) میں صرف ''لب'' ہے جو ساقط الوزن ہے (فائق) -

لیکن نہیں مناسب بالکل بھی چپکے رہنا
اب راز دل چھپاؤں اور تجھ سے راز داں سے

میری یہ ہے حقیقت میرا یہ ماجرا ہے
یعنی کہ خستہ دل ہوں اور تنگ اپنی جاں سے

نے بیٹھنے کی جا ہے، نے رہنے کا ٹھکانا
آزردہ ہوں زمیں سے آشفتہ ہوں زماں سے

ان کے تو جور سہتے اک عمر ہو گئی ہے
صیاد سے گلہ ہے شکوہ نہ باغباں سے

اب تو اک اور تازہ آفت ہے سر پہ نازل
یعنی بقول میر دل خستہ، آسماں سے

جب کوندتی ہے بجلی تب جانب گلستاں
رکھتی ہے چھیڑ میرے خاشاک آشیاں سے

لالہ اور اس طرح سے چھاتی پہ داغ رکھے
سب ڈھنگ اڑا لیے ہیں یہ سوز خستہ جاں سے

مخمس

پروانے ہی کی جان نہ کچھ شمع پر گئی
کچھ شمع ہی جلا کے نہ جان و جگر گئی
میری ہی جاں پر نہ یہ آفت گزر گئی
تو ہی کچھ اپنے سر پہ نہ یاں خاک کر گئی

شبنم بھی اس چمن سے صبا چشم تر گئی

ہیں قمریاں سو سرو پہ دل کو فدا کریں
اور سرو ہیں سو سب سے وہ آزاد ہی رہیں
اب آگے بلبلیں ہیں سو وہ گل پہ جان دیں
دیوانہ کون گل ہے ترا جس کو باغ میں
زنجیر کرنے موج نسیم سحر گئی

بھکی ہی بھکی پھرتی ہے ہر شام وہر پگاہ
نے چرخ پر گزار نہ دل میں کسی کے راہ
تو کر کے اس کی بیکسیوں پر ذرا نگاہ
کیجو اثر قبول کہ تجھ تک ہماری آہ
سینے سے ارمغاں لیے لخت جگر گئی

ہر جا پہ لڑ ہی جاتی ہے کیا ماجرا کہوں
جب یہ ہوں آس کے ڈھنگ تو کیوں کر بھلا کہوں
کہتا نہیں میں دل کو کہ کیوں کر برا کہوں
خانہ خراب دل تو ہے لیکن میں کیا کہوں
جیسی بلائے جان ہے یہ آنکھ گھر گئی

اول تو دیکھتا ہی نہ تھا گہ ادب سے میں
اپنی نظر کو روکے ہی رہتا تھا سب سے میں
بالفرض اب جو آکے کسی کے سبب سے میں
نظارہ باز بزم بتاں کا ہوں جب سے میں
تو ہی نظر پڑا مری جیدھر نظر گئی

منظور گر تلافیٔ مافات ہو تو خیر
کچھ درد اپنا روئیں بھی پھیلا کے خوب پیر
اورگر بھرے ہیں دل ترے میں وہ ہی اگلے بیر
مت پوچھ یہ کہ رات کٹی کیونکہ مجھا[1] بغیر
اس گفتگو سے فائدہ پیارے گذر گئی

جوں سوز اس کو کچھ نہ دیا روزگار نے
اور کچھ دیا تو رنج دیا بد شعار نے
جب دے دیا جواب شکیب و قرار نے
سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے
جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر گئی

اور یہ سنا کہ صبر نہیں ہے اسے ذرا
سمجھا وہ یہ کہ راز نہ ہو جائے برملا
ناچار اس نے اس کی تسلی کو یہ لکھا
سن اے فغاں جہان میں عاشق جو ہو گیا
معشوق سے اسی روش اس کی گزر گئی

عاشق ستم اٹھاتے ہی آئے ہیں بیش تر
معشوق ظلم کرتے ہی آئے ہیں سر بسر
تو اپنے آپ سوچ کے انصاف دل میں کر
شیریں نے جور کب نہ کیا کوھکن کے سر
مجنوں پہ کیا جفا ہے کہ لیلیٰ نہ کر گئی

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۹ء (ص ۲۴۶) : تجھ -

نالوں کا قمریوں کے رہا غل چمن کے بیچ
کھائے دل و جگر پہ نہ کیا گل چمن کے بیچ
اور آگے کیجیے جو تامل چمن کے بیچ
کل ہی پڑی سسکتی تھی بلبل چمن کے بیچ
ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

دل عاشقوں کے شب کو یہاں تک گلے کہ صبح
آنکھوں سے کوئی نالے سے نالے چلے کہ صبح
ظاہر نہ تھی کہ شام ہے آنکھوں تلے کہ صبح
پروانے رات شمع سے اتنے جلے کہ صبح
خاکستر ان کی لے کے صبا دوش پر گئی

ان کے ستم اٹھانے کو ہیں جانتے سبھی
ان کی ستم گری سے بھی واقف ہے ہر کوئی
آئی قدیم سے بھی یہی رسم ہے چلی
کچھ تازہ میں کیا ہے کہ بدنامی کو مری
آواز آہ و نالہ تری گھر بہ گھر گئی

سوزش سے تیری نام کو باقی نہیں تری
پھرتی ہے تیری آہ سے بجلی ڈری ڈری
شور و فغاں سے چرخ بھی بھولا ستم گری
حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری
رونے سے تیرے آبروئے ابر تر گئی

تو نے بہا کے دل کا لہو چشم تر کی سرخ
دامن پہ تیرے بوندیں ہیں خون جگر کی سرخ
پائے فگار سے یہ زمیں سر بسر کی سرخ
لوھو[1] سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ
آنکھوں سے موج خوں تری بیروں در گئی

عاشق ہے لائے جس کا جگر تاب درد ہجر
رکھیے ہمیشہ مد نظر تاب درد ہجر
جاں کو گنوائیے، لائے مگر تاب درد ہجر
دل کو ترے نہیں ہے اگر تاب درد ہجر
تو کار عشق سے تو مری جان کر گئی

اور ایسا ایسا اور لکھا نکلے جس سے بیر
جس میں کہ شر ہی شر ہو نہ ہو کچھ بھی بوئے خیر
جیسے کلام غیر سے کرتا ہے کوئی غیر
القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے لکھا کہ خیر
تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی

کیا جانیے کہ تیری ہی خاطر کو کیا ہوا
دل میں نہ تیرے رحم نہ کچھ عادت وفا
شیریں نے کوہکن پہ ستم گر کیا کیا
شیریں کی ایک میں نہ کہوں ورنہ بارہا
لیلیٰ جدھر تھی وادیٔ مجنوں ادھر گئی

---

۱ - "لوھو" بجائے لہو (اتباع قدما) ۔

آخر پھری ہے اس کے تجسس میں جا بجا
جوہا ہو جیسے معنیٔ از یاد رفتہ کا
معنی کی طرح جان کے اک حرف مدعا
یاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا
اس اتحاد سے انہیں باہم بسر گئی

واں رنگ اڑ گیا رخ گل گوں سے وقت فصد
طاقت یہاں گئی دل محزوں سے وقت فصد
رنگین واں تو ہاتھ ہوا خوں سے وقت فصد
جاری ہوا ہے خوں[1] رگ مجنوں سے وقت فصد
لیلیٰ کے پوست مال اگر نیشتر گئی

تیرے ہی عہد میں ہے کہ عاشق تو ہو ہلاک
معشوق اس کے سوگ میں ہووے نہ درد ناک
مرجاؤں جب بھی تجھ کو تو ہووے نہ رنج خاک
ظالم کڑوڑ گل کا گریباں ہوا ہے چاک
ایک عندلیب گر اجل اپنی سے مر گئی

عاشق کو اپنے آپ جلاتی ہے گو کہ شمع
روشن ہے اس پہ ظلم وہ کرتی ہے جو کہ شمع
پر اپنے سوز دل سے ہے آگاہ جو کہ شمع
پروانہ کون سا نہ جلا شام کو کہ شمع
رونق ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی

---

۱ - نسخہ مطبوعہ دہلی (ص ۲۸۶) ۱۲۷۱ھ میں ''جوں'' غلط ہے ، نسخہ دوم میں ''خوں'' صحیح -

اب کب تلک یہ روؤں ترے آگے ماجرا
بیٹھا ہوا کلام کو دوں طول تا کجا
کب تک کہا کروں کہ یہ اچھا ہے یہ برا
یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے تجھ کو کیا
مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت اگر گئی

میں نے ہی خون دل سے یہ ہے چشم تر کی سرخ
دامن پہ میرے بوندیں ہیں خون جگر کی سرخ
میں نے ہی اپنے پا سے زمیں سر بسر کی سرخ
میرے لہو سے ہے مرے دیوار گھر کی سرخ
میرے ہی موج خون کی بیرون در گئی

رویا تھا میں ہی میں نے ہی پھر پاک کر کیا
تو نے تو ہاتھ آنکھ پہ میری نہیں رکھا
دامن بھرا تو میرا بھرا اس سے تجھ کو کیا
شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستیں مرے لوہو سے بھر گئی

سوزان

سوزان تخلص، شاہزادۂ والا تبار، مرزا امام بخش المعروف بہ مولوی کلو۔ درویش مزاج اور میاں رحیم بخش قدس سرہ کے خلفا میں شمار کیے جاتے تھے۔ جناب غفران مآب حافظ عبدالرحمان خان احسان سے تلمذ رکھتے تھے۔ یہ چند

شعر اس معرفت کوش کے تحریر ہوئے :

کبھے کوئی خاک اس سے راز نہفتہ
نہیں سامنے اس کے یارا کسی کا

پھر دام سے زلفوں کی تا حشر نہ چھوٹے گا
اے دل تو کہیں اس کے پھندے میں نہ آ جانا

میں خون دل پیوں اور ہنگام بادہ نوشی
بوسہ یہ جام لیوے اس کے لب و دہاں کا

جسے تو چاہتا ہے اس کو یہ رکھتی ہیں نظروں میں
دلا قائل ہوں میں آنکھوں کی اور تیری رقابت کا

سوزش

سوزش تخلص زبدۂ جہان حافظ عبدالرحمن ۔ شاہجہان آباد میں نقد کمال کی تحصیل کے واسطے وارد ، اور علوم عربیہ میں کما ینبغی مستعد ۔ مقدمات علمی حاضر اور قوت مطالعہ معین ۔ یقین ہے کہ مدت قلیل میں تحصیل کمال سے فراغ بہم پہنچ جائے ۔ ہر چند لباس طالب علمی جامۂ جہالت ہوتا ہے لیکن اس صاحب اخلاق نیک نہاد میں انکسار اور تواضع کا ذخیرہ ایسا فراہم ہے کہ درویشان خاکی نہاد اگر اس کے دریوزۂ فیض کے واسطے کاسۂ گدائی ہاتھ میں لیں تو کیا عجب ہے ۔ یہ نعمائے غیرمترقبہ خوان سالار حکمت بالغہ کے قبضے میں ہیں ، جس کو چاہتے ہیں دیتے ہیں :

این دولت سرمد ہمہ کس را نہ دہند

ہر چند مقدمات علمی کا توغل توجہ شعر سے مانع ہے ، لیکن موزونیٔ ذاتی کے اقتضا سے اس شغل دل پذیر سے، گزیر نہ ہوا اور اس سلسلے میں ابراہیم ذوق کو شیخ وقت پا کر پیر طریقت قرار دیا اور بہت فیض اٹھایا ۔ اکثر مشاعرے میں تشریف لا کر حاضرین بزم کو کبھی اپنے کلام سے شاد کیا اور کبھی ان کے سخن کی داد دی ۔ یہ اشعار اس کے نتائجُ افکار سے ہیں :

اس قدر ضعف ہے بیٹھوں ہوں تو اٹھنا ہے محال
ناتوانی سے اٹھا بھی تو گرا جاتا ہوں

واعظا آ کے بزم رنداں میں
کر نہ روز حساب کی باتیں

ہوا منظور میرا رشک جو اس شوخ پرفن کو
تصور میں بھی ساتھ اپنے لیے آیا وہ دشمن کو

کوئی بجھتی ہے دل میں عشق کی آتش پس مردن
نہیں پانے کے تم ٹھنڈا کبھی سوزش کے مدفن کو

بند مخمس

یہ کیا ہے غم کہ ترے عشق نے مجھے مارا
دل و جگر کو کیا پارہ پارہ ہے سارا
سری تو خواہش دل ہے یہی کہ یک بارا
جگر ز ہجر تو صد پارہ با دو ہر پارا

ہزار ذرہ و ہر ذرہ در ہوائے تو باد

سہراب

سہراب تخلص ، مرزا سہراب بیگ ، متوطن شاھجہان آباد ۔ مرد معمر صاحب اخلاق حمیدہ و اوصاف پسندیدہ ۔ علم رسل میں دستگاہ تمام اور استخراج احکام میں قدرت مالا کلام ۔ خط نسخ سے یاقوت کی آبرو کو خاک پر گرا دیا ھے اور جو کہ گوھر رقم اس کے خطاب مستطاب کا جزو ھے ، اس نسبت سے گوھر کا وقار بڑھا دیا ھے ۔ فن سخن کی مشق شاہ نصیر مرحوم سے کی ھے ۔ اس فن میں فکر رسا اور تلاش بلند رکھتا ھے ۔ یہ چند شعر اس کے مرقوم ھوتے ھیں ۔

اشعار فارسی

الم بسلسلۂ زلف یار در بند است
چہ گویم آہ کہ این قصہ چند در چند است

دارم بیاد زلف او ہرلحظہ سودائے دگر
من خود بجائے دیگر و دل ھست در جائے دگر

اشعار ریختہ

صبح دم دیکھ کے نقشہ تری پیشانی کا
آئینہ فرد بنا دفتر حیرانی کا

ھم سے اک بار لگ چلے وہ صبا
پھر تو لگ چلنے کو ھوا ھیں ھم

ھے ظہور آپ ھی میں مثل حباب
اپنی ھی ذات میں فنا ھیں ھم

دریا ہے موج زن مری چشم پر آب میں
بحر محیط بند ہوا ہے حباب میں

طپش دل کی فرو ہوتی ہے چشم تر کی دولت سے
رہے جاری اگر یہ رات دن ناصور بہتر ہے

سیارہ

سیارہ تخلص مرزا فخر الدین پسر متوسط مرزا معز الدین ثابت ، ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہ ۔ جوان عالی طبع ، خوش وضع ، صاحب فکر بلند و طبع ارجمند ، نیک خو ، کشادہ رو ، خندہ پیشانی ، شگفتہ خاطر ۔ رسائیٔ تدبیر سے ہر کار کے انتظام کا سلیقہ بہت خوب اور کمال ذکا سے اکثر فنون خصوصاً ستار کے بجانے میں دست گاہ معقول ہے ۔ راقم کے ساتھ مرتبۂ دوستی کو اخویت کی حد سے آگے بڑھایا ہے اور فن شعر میں حضرت احسان علیہ الرحمۃ والرضوان سے فیض اٹھایا ہے ۔ عاشق پیشگی پسند مزاج اور اختلاط گل رویان سمن اندام سرمایۂ ابتہاج ۔ روز و شب ایک نہ اک معشوقۂ راست قامت و کج ادا سے ہنگامۂ صحبت گرم رھتا ہے ۔ گلشن حیات کی تازگی اور گل زار زندگی کی سیرابی ، حدیقۂ حسن کی گلگشت کو ، اور خواب راحت کا افسانہ خوبان دل‌ربا کی سرگذشت کو سمجھنا ایک امر طبیعی ہے ۔ یہ ثمرھاے خوش مزہ اس کے حدائق افکار سے لذت بخش مذاق اھل سخن ہوتے ہیں :

واہ ری شدت گریہ کہ تری دولت سے
کہیں دریا ، کہیں نالا ، کہیں تالاب بنا

شوق پابوس بھی ہے تو پس قتل دلا
لوٹتا پاؤں ۔ پہ قاتل کے مرا سر ہوگا

لگائے آنکھوں سے میں نے جو اضطراب میں پاؤں
یہ ضد تو دیکھو کہ پھروں ہیں دھوئے آب میں پاؤں

خدا کے واسطے جا کر کہو اس آفت جاں سے
کہ وقت نزع ہے رخصت تو ہو بیمار ہجراں سے

سید

سید تخلص میر غالب علی خاں ، میر منشئی سرکار گردوں مدار ، حضرت شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برہانہ ۔ تاریخ گوئی میں یدطولیٰ رکھتا تھا ۔ مردھہ (؟) اکرام کے سرائے کی تاریخ کہال آب و تب کے ساتھ اس کے نتائج طبع سے مشہور اور السنۂ خلائق پر مذکور ہے ۔ تقریباً اس جگہ اس تاریخ کا لکھنا لازم ہوا :

''یک شب کرہے کن یہ سرائے اکرام''

اور اس کی وفات کی تاریخ بھی اس صاحب طبع کے نتائج فکر سے اور اس مرحوم کی قبر کے حجر کی پیشانی پر جو کہ پایان مزار پر انوار حضرت امیر خسرو دہلوی قدس سرہ العزیز واقع ہے ، کندہ ہے ۔ وہ بھی مشتاقان سخن پسند کی نذر نگاہ کی جاتی ہے :

''اکرام بیاسود بپائے خسرو''

یہ چند شعر اس سخن سنج معنی یاب کے افکار سے ہیں :

سبب کیا پوچھتے ہو مجھ سے میرے زار رونے کا
کسی کو کچھ مرض[1] ہے مجھ کو ہے آزار رونے کا

نے غازہ نہ گل‌گونہ نہ ہے رنگ حنا تو
اے خوں شدہ دل تو تو کسی کام نہ آیا

روکش اندوہ ہجراں شب دل بے تاب تھا
تاب کا پا، جگر، طاقت کا زہرا آب تھا

دکھ مداوا[2] کا مرض سے بیشتر پیدا ہوا
مجھ کو صندل گھستے گھستے درد سر پیدا ہوا

میں اور ترک عشق یہ امکاں ہی نہیں
ناصح کے پند سننے کو یاں کان ہی نہیں

مو کمر کو تری سب ہیچ مداں کہتے ہیں
تو بھی کہہ منہ سے کہ کیا اس کو میاں کہتے ہیں

جب نہ تب شکل بتاں اس میں نظر آتی ہے
دل کو اللہ کا کس رو سے مکاں کہتے ہیں

یارو مری بالیں سے نہ اٹھو نہ جدا ہو
حالت مری اچھی نہیں، کیا جانیے کیا ہو

---

۱ - نسخہ مطبوعہ دہلی (۱۲۷۱ھ) ص ۲۸۹ میں 'غرض' غلط ہے - نسخہ دوم (ص ۲۸۱) میں 'مرض' صحیح -
۲ - نسخہ مطبوعہ نول کشور (۱۲۹۹ھ) میں 'دیکھ' غلط -

سید

سید تخلص میر علی نقی ، کہین برادر میر ابوالقاسم محب ، برادر زادۂ میرنظام الدین ممنون ۔ جوان متین و خوش اخلاق ہے ۔ علم ضروری سے آگاہ اور ریختہ گوئی میں صاحب دست گاہ ۔ یہ چند شعر اُس کے درج تذکرہ ہوئے :

قربان سادگی کے لگا کہنے غیر سے
کیا جانے آج کیا تھا کہ سید خفا گیا

کس سے پوشیدہ ہو حال زار سید ہمدمو
اور کچھ باتیں کرو ، جانے دو ان افکار کو

کھلے بال ، شاید کوئی خوب رو ہے
صبا کی لپٹ میں جو عنبر کی بو ہے

نہ چاہوں بھلا کیوں کہ ایسے کو سید
ہر اک بات میں جس کی شوخی کی بو ہے

عجب انداز سے کچھ ان دنوں میلے کچیلے ہو
غضب دل کش ادا ہے ، دشمنوں کی سوگواری کی

سید

سید تخلص ، زبدۂ سادات کرام ، عمدۂ نجبائے کرام[1] ، میر سید علی ولد سید محمد علی کہ یہ خلف عالی وقار تھے نواب افتخارالدولہ مکرم الملک سید فیض الدین علی خاں عرف میرجھبو ولد نواب جعفرخاں کے ، کہ سادات صحیح النسب

۱ ۔ نسخہ دوم (ص ۲۸۱) میں 'عظام' ہے ۔

شیعی مذاهب اور اولاد امجاد حضرت موسیٰ کاظم علیہ التحیۃ والثنا سے تھے ۔ نواب جعفر خان مغفور کے جد امجد خاک ایران دیار سے وارد گل زمین شاہجہان آباد اور مورد عنایات سلطانی ہو کر عہدۂ وزارت سے ممتاز ، اور میر جہبو مبرورعہدۂ قلعہ داری سے سر فراز ہوئے ۔ میر سید علی موصوف حقوق سابقہ کی وساطت اور سوابق خدمت کے ذریعے سے ہنوز عطیات خسروانی کے ساتھ اختصاص رکھ کر عزت و آبرو سے بسر کرتے ہیں ۔ باوصفے کہ عین ایام شباب اور گلشن عمر تازہ شاداب ہے ، خلق و مروت اور تواضع و آدمیت ایسی ہے کہ گویا یہ جامہ انہیں کی قامت استعداد پر قطع کیا ہے ۔ ہر چند طبیعت موزوں اور توجہ سراپائے اشعار کی تتطبع کی طرف مصروف ہے ، لیکن آئمۂ کرام کے اعتقاد کی عناں کشی سے دل صفا منزل فاطبۃً مرثیہ و سلام سے مشغوف ہے ۔ ہر ماہ مسالمے کی تقریب سے اُن کے دولت خانے میں مومنین پاک اعتقاد ، محبین صافی نہاد سے مجلس منعقد ہو کر مستمعان فہیم کی طبیعت ، لطف کلام سے شگفتگیٔ بہار کا ذخیرہ فراہم کرتی ہے ۔ جو کہ سخن کی یہ صنف بھی اقسام شعر سے ہے ، ایک دو بیت صفحۂ بیان پر مرتسم کر کے اوراق کتاب کو رنگینیٔ الفاظ سے روضۂ ارم اور سوز معنی سے بزم ماتم کرتا ہے :

حر یہ کہتا تھا شہ کے قدموں پر
سر فدا اس غلام کا ہوگا

تشنگی شہ کی آئی جب کہ یاد
دیدہ پر آب جام کا ہوگا

باب الشین المعجمہ

شاد

شاد تخلص میر یار خان ، ساکن قصبۂ میرٹھ - پلٹن انگریزی میں علاقۂ منشی‌گری پر مامور اور مرد خوش خلق و پسندیدہ اطوار ، ذہین و تیز طبع ہے - مشق شعر ہنوز بے اصلاح ہے - اگر ارشاد استاد دلیل ہو تو راہ پر پیچ سخن اس تیز قدم پر آسان ہو جائے - بحسب اتفاق ایک دفعہ وارد شاھجہان آباد ہوا تھا اور استادی مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں راقم سے ملاقات ہو گئی اور چند شعر بھی ذخیرۂ گوش ہوئے - یہ شعر یاد رہ گیا تھا کہ ان اوراق میں مرقوم ہوا :

زلف صنم ہے مشک بو ، سارے جہاں میں قاصدا
آہوئے چیں جہاں ملے ، جانیو یار کی گلی

شاد

شاد تخلص شیو[1] پرشاد ، شاگرد سید عالی میر حسین تسکین غفراللہ لہ - مرد فہیم اور صاحب ذہن سلیم ہے -

---

۱- نسخہ اول (ص ۲۹۱) میں "شو" ہے اور نسخۂ دوم میں "شیو" صحیح -

تراکیب سخن دل چسپ اور برجستگیٔ معانی ناخن بدل زن۔
یہ شعر اس کا یاد تھا :

جا کے قاصد بھی وہاں غیروں میں شامل ہو گیا
اور اک کانٹا نکل آیا مری تقدیر کا

شاعر

شاعر تخلص شیخ خدا بخش ، متوطن سہارن پور۔
شرافت ذات و حسن صفات میں بے عدیل ہے ۔ یہ چند شعر اس
کے افکار سے مرقوم ہوئے :

رہ گیا عیسیٰ بھی اپنا زخم خنداں دیکھ کر
ہنس پڑا شور جراحت کو ، نمک داں دیکھ کر

ماہ تو دیکھیں نہ ہم ، ابروے جاناں دیکھ کر
سنبل تر کو نہ چھوئیں زلف پیچاں دیکھ کر

اس کے لعل لب سے کس کو دیجیے نسبت کہ ہیں
خون دل ہے دل میں اپنے لعل و مرجاں دیکھ کر

خود بخود گردن ڈھلی جاتی ہے اپنی اس طرف
ہاتھ میں اس صف شکن کے تیغ عریاں دیکھ کر

دہان تنگ دیکھ اس سرو قامت کا گلستاں میں
چھپایا شرم سے غنچوں نے منھ اپنا گریباں میں

یہ کیا انصاف ہے اے چرخ نا انصاف سچ بتلا
زلیخا خوش ہو عشرت‌گہ میں اور یوسف ہو زنداں میں

کیا غمزے نے آخر کار اپنا ایک چشمک میں
بلا ھی آبداری تھی ، میاں اُس تیغ براں میں

اٹھایا لطف دنیا میں سبھوں نے عشق خوباں سے
رھا شاعر ھی لیکن حسرت و افسوس و حرماں میں

شاکی

شاکی تخلص ، مرزا بختاور شاہ بہادر ' خلف الصدق حضرت ظل الٰہی محمد سراج الدین بہادر شاہ خلد اللہ ملکہ ۔ عمر پندرہ سولہ برس کی اور خلق خوش اور اطوار گزیدہ اور تلمذ حافظ قطب الدین مشیر سے ھے ۔ یہ دو شعر اُس کے نتائجِ طبع سے مسموع ھوئے :

لائے اے آہ جگر تو اَسے ، یا نالۂ دل
کون دونوں میں کرے جلد اثر ، دیکھیں تو

ایک پر ھے زخم ایک پر ھے داغ
دل تو وہ کچھ ھے ، اور جگر یہ کچھ

شاہ

شاہ تخلص ، درویش خدا آگاہ ، ذاکر لاالہ‌الااللہ ، درویش محمد شاہ ۔ ایام جوانی میں مشق سخن کمال کو پہنچی تھی ۔ اب کہ عمر شریف قریب ستر برس کے پہنچی ، اگرچہ کثرت عبادت سے اور طرف کم تر متوجہ ھوتے ھیں لیکن موزونیٔ ذاتی گاہ گاہ گلگشت سر زمین سخن کی طرف کھینچ

لے جاتی ہے ۔ یہ دو شعر جو ان دنوں میں زبان گوہر بیان سے سنے گئے ، مرقوم ہوئے :

کیا بھروسا خوب رویان سمن اندام کا
ان پہ مرنا ہاتھ سے کھونا ہے ننگ و نام کا

روزیٔ اغیار ہی ہووے گا مےخانہ تمام
اور بھی ہے مستحق کوئی سبو و جام کا

شاہی

شاہی تخلص ، مرزا نور الدین ، نبیرۂ مرزا سلیمان شکوہ ، ابن شاہ عالم بادشاہ ۔ ایک عرصۂ دراز سے شہر لکھنؤ میں ساکن اور اُس خطۂ لطافت بنیاد میں[1] مشاہیر شعرا سے مستفید ہے ۔ عرصہ دو سال کا ہوا کہ کسی تقریب سے حضرت شاہ جہان آباد میں پہنچ کر چرب زبانی کے وسیلے سے مزاج سلطانی میں دخل پایا اور سخنان بے فروغ کو آب و نان[2] کی تحصیل کا ذریعہ ٹھہرایا ۔ اسی ایام میں دربار عام میں گیتی خداوند کے ارشاد سے محفل انشاد اشعار آراستہ ہوتی تھی اور راقم بھی حاضران بزم سے ہوتا تھا ۔ اُس محفل میں اس کے کلام کو بہ‌تکرار سنا اور اس کے نیک و بد پر بہ تفصیل مطلع ہوا ۔ یہ شعر اُس کا یاد تھا کہ لکھا گیا :

مژدہ باد اے مےپرستو مے کدے کا در کھلا
خم سر شیشہ کھلا شیشہ سر ساغر کھلا

نسخہ دوم (ص ۲۸۳) میں ''میں'' ہے ، نسخہ اول میں نہیں ۔

۲- نسخہ اول (ص ۲۹۲) میں ''کا'' زائد ہے ۔

شایق

شایق تخلص ، شیخ عبداللہ ، ساکن سہارنپور ۔ اس کے اشعار میں کوئی شعر دل چسپ بلکہ مربوط نہ پایا ، ناچار یہ شعر کہ گویا ان اشعار کا فذلک دفتر تھا ، لکھا گیا :

لگ لے اور سے پروانہ لو پروا نہیں اس کو
جلا دے گی محبت جو کہ ہے شمع شبستان میں

شتاب

شتاب تخلص ، مرزا غلام عباس ، پسر مرزا آغا جان مضطر مرحوم ؛ اولاد امجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ سے ہے ۔ نوجوان خوش وجاہت اور شعر گوئی کی طرف چند روز سے ملتفت ، اور مرزا رحیم الدین حیا سے مستفید ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

دست بردار ہوئے تم کسے لکھوں کاغذ
آرزو کس کی کروں اور کسے بھیجوں کاغذ

شجاع

شجاع تخلص ، مرزا کریم الشجاع ، خلف مرزا دارا بخت بہادر مرحوم ولی عہد سابق ابن حضرت ظل سبحانی دام ظلہ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر ۔ یہ شعر اس کا طبع زاد ہے :

کیسے شجاع مضطر نالے بھرے ہے آ کر
کوچے میں اس کے گھر گھر مذکور ہے تو یہ ہے

شرر

شرر تخلص ، میر حافظ نام ، نواسۂ صوفی خدا آگاہ حافظ اشرف حافظ تخلص مرحوم - دو امر اس مرحوم خدا جو کے خاندان میں جاری و ساری ہیں ، حفظ قرآن اور خاک ساری - سو یہ دونوں اس نیک نہاد میں جمع ہیں - اہل دل خم تواضع کی بدولت ، مثل ابرو اس کو قبلۂ دعا ٹھہراتے ہیں ، اور نیکوان عالم افتادگی کی برکت سے کاکل کی طرح اس کو سر پر بٹھاتے ہیں - جو کہ شعر گوئی اس کے خاندان میں ارثی ہے ، قافیہ پیمائی اور موزونیٔ سخن کی طرف متوجہ ہے اور اصلاح کے واسطے صرف اپنے بزرگان سلف کی روح کو مددگار اور اپنی طبیعت کو استاد وافی ہدایت تصور کرتا ہے - یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں :

نہ تاب جاں میں رہی ہے کہ آفتیں سہویں
نہ حال دل میں رہا ہے ستم اٹھانے کا

شرر کا پردہ ہی پوشیدہ ہونا خوب ہوا
خدا ہی جانے وہ رسوا کہاں کہاں ہوتا

یہ بے خودی ہے شرر کو کہ جانتا ہی نہیں
زمین ہوتی ہے کیسی اور آسماں کیسا

تم جانتے تو تھے کہ مروت نہیں ذرا
مرنا تمھیں بتوں پہ شرر کیا ضرور تھا؟

یہاں تک داغ کھائے میں نے دل پر
کہ سینہ بن گیا رشک گلستاں

اللہ اللہ ترے ابرو کا نشانہ قاتل
سر عشاق گرے بزم میں کٹ کے لاکھوں

آج وہ جوش جنوں ہے کہ نکل کر گھر سے
منہ اٹھائے ہوئے صحرا کو چلا جاتا ہوں

اللہ اللہ رے[1] سجدے کی تمنا مجھ کو
اس کے ہر نقش کف پا پہ جھکا جاتا ہوں

تیری تقدیر میں ہونی تھی اسیری ورنہ
ساتھ لے کر تجھے ہم اے دل مضطر آتے

شرر

شرر تخلص، منسا رام، قوم کایتھ - جوان متین، صاحب خلق پسندیدہ، اطوار برگزیدہ، ذہن معدن علم، طبع کان حلم - علم فارسی و عربی جناب مستطاب مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ سے تحصیل اور فن شعر بھی انھیں کی خدمت سراسر افادت سے کسب کیا ہے - یہ چند شعر فارسی اس کے مرقوم ہوئے:

شانہ گردانی کند کے از کمند زلف او
الفت زنجیر دارد شوق بے پروائے ما

تاز شوخیہائے او مشق رمیدن کردہ ایم
سرمۂ چشم غزالاں گشتہ خاک پائے ما

---

[1] نسخہ مطبوعہ نول کشور (۱۲۹۹ھ) میں "یہ ہے سجدے کی" درج ہے -

صحبتے داریم با داغ دل از جوش جنوں
گل هم آغوشی کند بابلبل شیدائے ما

ما که سوز عشق را در سینه پنهاں داشتیم
بخیه از کار افگند ایں آه شیون زائے ما

چرخ سرگشته غبارے که ز داماں برخاست
مہر رخشنده شرارے که ز افغاں برخاست

گو جنوں هم ره ما باش که در جادهٔ عشق
نوک هر سبزه بصد خار مغیلاں برخاست

زلف پیچاں و عذار تو به گل زار چو دید
سنبل آشفته و گل چاک گریباں برخاست

شرر

شرر تخلص ، مرزا غیاث الدین ، خلف مرزا قمر الدین شیدا تخلص ، نبیرهٔ شاه عالم بادشاه نور الله مرقده ۔ نوجوان خوش طبع ، ظریف مزاج ، جامهٔ اهلیت اس صاحب مروت کی قامت پر قطع هوا ۔ گه گه فکر شعر کرتا اور استفادهٔ سخن شیخ ابراهیم ذوق غفر الله له سے کیا هے ۔ یه چند شعر اس کے طبع زاد لکھے جاتے هیں :

تجھے دکھا دوں تماشا میں بے وفائی کا
یه کیا کروں که مجھے منھ هے آشنائی کا

نگه ناز ستم گر هے تیر سے سیدھی
ولیک شیوه هے کافر میں کج ادائی کا

شرر خدا سے تو ڈر کل تھے سجدۂ بت میں
اور آج تم کو یہ دعوی ہے پارسائی کا

لاکھ پردے میں وہ پوشیدہ رہا پر ہم نے
دیکھا جب دل کی نگاھوں سے نظر آ ہی گیا

روز کے ظلم و ستم آٹھ نہ سکے اے ظالم
تنگ آخر ترے ھاتھوں سے شرر آ ہی گیا

چشم دریاے خوں ہے یا طوفاں ؟
کیا بلا ہے یہ ماجرا نہ کھلا

گھر کے گھر بند رہ گئے ظالم
کس پہ دست جفا ترا نہ کھلا

دل میں تجھے رکھ لیجے کہ آنکھیں تجھے دیکھیں
تو ایک ہے اور شوق ہے کیا کیا نہیں ہم کو

ہر جفا کو تری وفا کہیے
یہ نہ کہیے تو اور کیا کہیے

اور سے کہیئے یا نہ کہیئے پر
اے شرر ہم سے مدعا کہیے

دلا کچھ بھی ہے ناز و غمزے کی حد
تجھے کیا بت ملائیں گے خدا سے

شرر ہیں جبہہ سا بت خانے میں آج
نظر آتے تھے کل تو با خدا سے

ہم کریں اب وفا کسی سے کیا
ہم سے بھی کی وفا کسی نے ہے

شرر

شرر تخلص ، مرزا جعفر ، کہین برادر مرزا محمد عشق تخلص ، باشندۂ شاہجہان آباد ۔ مدت ہوئی کہ حیدر آباد میں جا کر عالم باق کا سفر کیا ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

اے عشق جگر سوز شرر کی تجھے سوگند
اک شعلۂ جاں سوز کہ مشتاق فنا ہوں

شرم

شرم تخلص ، تہور بیگ نام ؛

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

کبھی اصلاح شعر کی حافظ اشرف اور کبھی شاہ نصیر سے لیتا تھا ۔ کسی نے اس سے خوش طبعی سے کہا کہ آپ شرم ہیں اور آپ کا دولت خانہ شرم گاہ ، نہایت غضب سے تلوار کھینچی ۔ بارے لوگوں نے متوسط ہو کر راہ صلح کو وا کیا ۔ یہ شعر اس کا مشہور ہے :

تری محفل میں جانے کی مجھے رخصت اگر ہوتی
برنگ شمع قوت پاؤں کی بھی صرف سر ہوتی

شریر

شریر تخلص ، منشی کریم الدین ، مرد پنجاہ سالہ اور سوداگران پنجابی کٹرہ سے ہے ۔ اور یہ ایک محلہ ہے

محلات شاہ جہان آباد لطافت بنیاد سے کہ مسکن بل مسقط الراس مشاہیر تجار دولت مند کا ہے ۔ یہ شعر اس کے نتائجِ افکار سے یاد تھا ، لکھا گیا :

ہم کو خالق نے کیا بے سر و سامان پیدا
نہ تو دامن ہے میسر نہ گریبان پیدا

ششدر

ششدر تخلص ، مرزا روشن الدولہ ابن مرزا آغا جان مضطر مرحوم ، ابن مرزا سلیمان شکوہ ، نواسۂ عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ ۔ حلیم مزاج ، متواضع ، نیک اخلاق ، پاک طینت ، نجیب الطرفین ، بہ سبب طلاقت لسان اور فصاحت بیان کے داستان طرازی اور افسانہ گوئی کو سرحد کمال تک پہنچا دیا اور سلیقہ شعاری کی بدولت اس حرف پا در ہوا کو براسہ ایک فن بنا دیا ۔ فن شعر میں نسبت تلمذ کی مرزا رحیم الدین حیا کے ساتھ رکھتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے نتائجِ فکر سے صحیفۂ کاغذ پر ثبت ہوئے :

کام تو کچھ بھی نہیں ہے حشر میں اپنا مگر
آن نکلیں گے تری خاطر اگر آنا ہوا

جنوں پہ دست درازی کی ہے عبث تہمت
کہ اپنے ہاتھ گریباں ہے تار تار کیا

ناتوانی کا برا ہو کہ اٹھانے نہ دیا
ایسا کیا بوجھ بہت طوق گلوگیر میں تھا

الٰہی کس کی مژگاں کا تصور ہے یہ ششدر کو
کہ جوں نشتر کھٹکتا ہے نفس ہر دم رگ جاں میں

ستم کا یہ مزہ ہے دل کو الفت میں کہ اے ظالم
لیے پھرتے ہیں ہم سر پر سدا گردوں سے دشمن کو

ششدر

ششدر تخلص ، مرزا حاجی قادر بخش ، خلف مرزا بلند بخت ، ابن حضرت عرش آرام گہ ، معین الدین اکبر شاہ بادشاہ مرحوم ۔ مرد صاف باطن ، خدا آگہ ہے اور درویش حقیقت پناہ ۔ عبید شاہ سے فیض باطن اور فن سخن کو کسب کیا ہے ۔ یہ دو شعر اُس تقدس سرشت کے مسموع ہوئے :

پھر فصل بہار آئی شاید کہ گلستاں میں
آباد جو دو دن سے زنداں نظر آتے ہیں

دیکھ کر اس غزال رعنا کو
مجھ کو وحشت ہوئی زمانے سے

شفقت

شفقت تخلص ، زبدۂ خاندان نجابت ، اسوۂ دودمان شرافت ، موسس اساس نیک نہادی ، بانئی بنائے والا نژادی ، مظہر سعادت نشانئین میر محمد حسین ، متوطن قصبۂ گلاوٹھی ۔ کہ سال ہائے دراز سے کسب کمالات کے شوق میں قدم بہار توام سے گل زمین شاہ جہان آباد کو رشک ارم کیا ہے ۔

روز و شب علوم درسی کی تحصیل میں ساعی ہو کر
تکمیل مراتب وفاق اور تتمیم مکارم اخلاق سے تہذیب
نفس کا ساز و سامان مہیا اور گزیدگئی اطوار اور پسندیدگئی
کردار کے اسباب مستوفی رکھتا ہے۔ زبان فارسی کی
شستگی سے گلشن ایران کی بلبلوں کے ساتھ ہم نوا اور
روزمرۂ اردو کی صفائی سے شکرستان ہند کی طوطیوں کے
مقابل زمزمہ پیرا ۔ سلک نظم کو عقد ثریا سے ہم سری
اور جواہر نثر کو آب و تاب نثرہ سے برتری ۔ بلندیٔ
مدارج کمال کو اوج عرش سے ہم دوش کیا اور کیفیت
سخن کو بادۂ طہور کا سرجوش ۔ رسائیٔ طبع سے تلاش
معنیٔ بلند میں آمادہ اور حضرت استاذی استاد الانامی
زبدۂ کملاے نامی مشہور فی الاطراف مستغنی عن الاوصاف
علم افزاء عرصۂ یکتائی ، مولانا و مخدومنا مولوی امام بخش
صہبائی کی جناب سامی و خدمت گرامی میں سرگرم استفادہ
ہے ۔ اگر خوبان دل ربا کے دھن کا وصف لکھے ، صفحۂ
اوراق پر بال عنقا سے مسطر کرے اور اگر شاھدان رعنا
کی رفتار کا حال تحریر کرے ، حرکت قلم کو فتنۂ محشر
سے ہم سر کرے ۔ بہاریہ میں نقاط حروف خوردۂ گل اور
نوک خانہ منقار بلبل اور رزمیہ میں زبان قلم دم شمشیر
اور صریر کلک نعرۂ شیر ۔ قصد اختصار کی دراز دستی ،
وصف طرازیٔ شوق کی عناں گیر ہو کر متقاضی ہے کہ
اب نقد اوقات کو ایجاز کلام کے معاملے میں خرج کرے اور
چند شعر اُس عندلیب گفتار کے اوراق تذکرہ میں درج کرے :

نہیں ہے تو تو ہے محفل میں ایک حشر بپا
فغان صور ہے گویا کہ نالہ بلبل کا

کیا بہار نے تیرے چمن میں کار خزاں
کہ دیکھتے ہی آڑا رخ سے رنگ ہر گل کا

چل اب کہ آئے گی کس کام پھر مسیحائی
لبوں پہ دم ہے ترے کشتۂ تغافل کا

کروں جو یاد میں اس چشم سرمہ‌سا کی فغاں
چمن میں بند ہو دم نغمہ ہائے بلبل کا

اگر ملے تو میں جاں تک بھی دے کے لے لوں ص۔۔
کہ درد و رنج میں ساماں ہو کچھ توکل کا

تغافل اے بت نا آشنا کہاں تک اب
نہ ہم ہی وہ ہیں نہ یہ وقت ہے تامل کا

وہ چشم مست ہیں ساقی کی جن کی گردن پر
بغیر جرم ہے خوں لاکھ شیشۂ مل کا

شوخی سے جس کو ایک جگہ پر نہ ہو قرار
نقشہ جو کھینچے کوئی تو کیا اس نگار کا

جاتی ہے اپنی جان سحر کی آمید میں
آفت ہے کوئی طول شب انتظار کا

صحرا کو چل کہیں دل وحشی کہ اب کی سال
آتا ہے کیا ہی دھوم سے موسم بہار کا

پانی ہو آب خضر جو آ جائے نام لب
شرمندہ ہو مسیح سنے گر کلام لب

کاش اس کے ایک بوسۂ لب سے ہوں کامیاب
قند و نبات دونوں ہیں جس کے غلام لب

کیا کیا نہ حسرتیں ہوئیں خوں دل میں پر کبھی
نکلا نہ اپنا اس لب شیریں سے کام لب

اس فتنہ گر کے قامت رعنا کی یاد میں
شور و فغاں سے حشر بپا ہو تو کیا عجب

وہ دن گئے کہ خواہاں تھے وصل کے اور اب تو
اک لطف کی نگہہ کے امیدوار ہیں ہم

بوالہوس چشم حقیقت میں تری نور نہیں
ورنہ ہر سنگ یہاں جز حجر طور نہیں

بے طرح آج جان کو کچھ اضطراب ہے
سینے میں دیکھنا کہ کہیں دل تپاں نہ ہو

شکل نگاہ گرم رواں رہ فنا
چلتے ہیں اس طرح کہ قدم کا نشاں نہیں

جوں شمع یاں کٹے گا سر اک ایک بات پر
شفقت عبث تو بزم میں آتش زباں نہ ہو

ترے بیمار کی کہتے ہیں حالت آج ابتر ہے
لبوں پر جان ہے اب کوئی دم کا اور مہماں ہے

مرنے کے بعد بھی اثر انتظار سے
نرگس کے دستے آگتے ہیں اپنے مزار سے

چلتی ہے جب تو میری ہی جانب ہے التفات
کیا دشمنی صبا کو ہے میرے غبار سے

کس کس سے میں بچاؤں دل ناتواں کو آہ
س فتنہ گر سے یا فلک بدشعار سے

داغ فراق جاتے ہیں سینے میں ہم لیے
اب کام کیا رہا ہمیں شمع مزار سے

برنگ خاک ہیں ظاہر میں گرچہ افتادہ
پہ یہ دماغ ہے گویا کہ عرش پر سر ہے

شفقت

شفقت تخلص ، میر بشارت علی ، ساکن قدیم شاہ جہان آباد اور گردش تقدیر اور انقلاب روزگار سے تلاش معاش میں ہم پائے گرد باد ہے۔ بالفعل خاک حیدر آباد میں مقیم اور وجہ معاش سے فارغ دل ہے۔ یہ ایک شعر اسی کے کتب خانے کی ایک کتاب کے حاشیے پر نظر میں آگیا تھا ، سو درج کیا :

دل میں بستا ہے حسینان پری رو کا خیال
بند کی ہم نے ہے افسوں سے پری شیشے میں

شفق

شفق تخلص اختر ـ مثالی ، گوہر درج بے ہمالی ، فرماں روائے کشور اقبال ، حاکم محاکم جاہ و جلال ، سرلوحۂ نسخۂ کام گاری ، بیت القصیدۂ نظم بختیاری ، انور الدولہ ، سعید الملک نواب سعد الدین خاں بہادر صولت جنگ ، خلف نواب احمد بخش خاں بہادر بیتاب تخلص ، ابن نواب ناصر الدولہ بہادر ناصر تخلص ، ولد وزیر الملک نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر نظام تخلص ۔ بنائے دولت و اقبال کو ان کے بخت کام گار کی معماری سے بلندی

ہے اور مراتب جاہ و جلال کو ان کے طالع ہمایوں کی سعادت سے ارجمندی ۔ فن سخن میں سیادت مآب ، نجابت انتساب ، کلیم کلام ، مسیح پیام ، شاعر فصیح زبان ، ناظم بلیغ بیان ، سید امجد علی قلق سے استفادہ کیا ہے ۔ خاک لطافت بنیاد کالپی کو ان کے قدم بہار توام سے گلستان ارم پر ناز ہے اور اس خطۂ مینونظیر کی نسیم ان کے ہوائے انفاس کی بدولت باد مسیحا سے ممتاز ہے ۔ شعر ان کا شعریٰ سے ہم پہلو اور نظم ان کا ثریا سے دوبدو ۔ بام عرش تلاش فکر کا رہگذر اور صحرائے قدس جولان خیال سے بے سیر ۔ رنگینئی معنی سے قلم شاخ گل اور کیفیت مضامین سے سواد سطور موج مل ۔ چند شعر ان کے کلام بلاغت نظام سے انتخاب ہو کر نذر تماشائیان کمال ہوتے ہیں :

پرکالہ ایک میرے دل پاک باز کا
سرمایۂ دکاں ہے ہر آئینہ ساز کا

شب جو دل گرم فغاں یاد بت پر فن میں تھا
نالۂ ناقوس کا عالم مرے شیون میں تھا

ٹھوکریں کھاتا ہے میرا کاسۂ سر خاک میں
بعد سر کٹنے کے بھی اک درد سر پیدا ہوا

بعد مردن بھی نہ دیکھا اوج میری خاک نے
ربط ہوتے ہی ہوا سے ابرتر پیدا ہوا

کریں امید وفا خاک اہل محفل سے
صراحی مے کی جو رونے لگی ایاغ ہنسا

آرزو دل کی نہ اے شوق شہادت نکلی
سخت جانی سے مری خنجر قاتل ٹوٹا

کس نے روے آتشیں دھویا ہے اپنا آب میں
شعلۂ جوالہ کا عالم ہے ہر گرداب میں

کیوں فریب زندگی میں کھا کے آفت میں پھنسا
مجھ کو آنا تھا سمجھ کر عالم اسباب میں

بگولے لیتے دیں تعلیم مجھ سے ہرزہ گردی کی
کہ آندھی ہوں میں صحراے جنوں کی خاک اڑانے میں

یاد ہے چشمۂ خنجر کی روانی مجھ کو
کہ دیا نزع میں کس لطف سے پانی مجھ کو

ہم سبک رفت چلے جانب گل زار عدم
سیر ہستی کی مبارک ہو گراں جانوں کو

آرزو اتنی ہے میری ساقیٔ ایام سے
جب مرا پیمانہ پر ہو منہ لگا ہو جام سے

اک دل تھا سو وہ لے چکے آئے کہاں سے اور
پہلو مرا دکاں نہیں آئینہ ساز کی

چتون ہے سحر اس پری کی
آنکھیں استاد سامری کی

شفق

شفق تخلص دولت رام گل فروش ۔ فرش دکن اس کی بہار اخلاق کی گل افشانی سے رشک چمن اور بزم احباب اس کی رنگینیٔ صحبت سے غیرت گلشن ۔ گہ گہ شعر کا فکر کرتا ہے ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

پس از مردن بھی گردش ہے زبس اپنے مقدر میں
بگولے کی طرح رہتی ہے میری خاک چکر میں

شفیق

شفیق تخلص ، تلسی رام ، شاگرد منشی کیول رام ھشیار تخلص ۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے :

ترے رخسار میں جو ہے طراوت
گل گل زار میں اتنی کہاں ہے

کہوں کیوں کر قمر عارض کو تیرے
تفاوت از زمیں تا آسماں ہے

مرے سینے کی سوزش کا بیاں کیا
فلک آہوں کا میری اک دھواں ہے

شکیبا

شکیبا تخلص ، غلام حسین نام ، شاگرد میر تقی میر ۔ خوش فکر و شیریں سخن اور پائے تخت حضرت اکبر بادشاہ خلف شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہما کے شعرا میں تھا ۔ سوا ان اشعار کے اور کچھ اس کے کلام سے گوش آشنا نہ ہوا :

نیم بسمل اس نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں
پر یہ غم ہے اعتبار دست قاتل اٹھ گیا

ہمیں قتل تم نے کیا کیا نہیں کہتے ہم کہ برا کیا
یہ بھلا کیا کہ[1] کہو گے کیا جو کوئی کہے کہ یہ کیا کیا

چنگا ہوں میں طبیب یہ امکان ہی نہیں
تو نبض دیکھتا ہے یہاں جان ہی نہیں

فقط جیسے تمھارے ہو رہے ہیں
مخالف سب ہمارے ہو رہے ہیں

۱۔ نسخۂ دوم (ص-۲۹۰) ''پھر''

ری چین جبیں ہے موج طوفاں
اسی سے ہم کنارے ہو رہے ہیں

نہ پوچھو ماجرا ہجراں کی شب کا سخت آفت ہے
مہ تاباں بھی میرے سر پہ خورشید قیامت ہے

شوق

شوق تخلص ، عنایت اللہ نام ، متوطن فرید آباد ۔ نجابت نسب اور شرافت حسب کو اس کی نسبت سے افتخار اور سعادت و اہلیت کو اس کی اوضاع پسندیدہ سے اعتبار ۔ آبا و اجداد اس کے ہمیشہ مساعدت روزگار سے اوقات عمر کو فراغ بالی سے گزارتے تھے ۔ فارسی و ریختہ میں مولوی امام بخش صہبائی سے استفادہ کیا ۔ بالفعل روزگار کی تقریب سے ملک پنجاب میں خوش حالی کے ساتھ بسر کرتا ہے ۔ سخن اس کا علو معنی[1] سے آفتاب اور تازگیٔ تراکیب سے گل شاداب پر ناز کرتا ہے ۔ یہ چند شعر اس کے نتائجٔ طبع سے لکھے جاتے ہیں :

بہ ترک دوست مفرمای بعد ازیں ناصح
نہ ماندہ بر دل خود ہیچ اختیار مرا

من و طپیدن دل از غمت بہ کنج قفس
اسیر دام تو ام با چمن چہ کار مرا

ز ضبط نالہ نیارم بلب ولے ترسم
کز اہل درد نیارند در شمار مرا

۱- نسخۂ دوم (ص ۲۹۱) میں 'جلوہ' اور نسخۂ اول (ص ۲۹۹) میں مٹا ہوا ہے ۔ 'علو معنی' پڑھا گیا ۔ (فائق)

از تماشاے چمن طرف نه بندم که مرا
سینه از چاک بود رشک گلستانے چند

دوش دیدم خالی از مینا و ساغر مے کده
شد کجا ساقی هجوم مے گساراں را چه شد

غم نوروز و شب اے دوست هم نشیں دارم
ز درد، چشم تر و خاطر حزیں دارم

چه نقش خدمت مسجد نشیندم بر دل
که گرد سجدهٔ اصنام برجبیں دارم

نمی نالم ز درد بے کسی کز شعلهٔ آهم
گیاهے کز مزارم رست شد شمع مزار من

مرو دامن کشاں از تربتم ای آفت جانها
که شور صد قیامت خیزد از مشت غبار من

شبے میخواهم ای شوق ار کند بختم مددگاری
که تنها من بخلوت باشم و باشد نگار من

ریخته

شوق کا مل کے بیٹھنا سب میں
روتے هیں یاد کر کے سب احباب

نه پوچھتا هے کوئی جب تو اپنے حال کو دیکھ
میں آپ هی کہتا هوں هے یه کیا هوا مجھ کو

کروں میں شکوۂ اغیار کس طرح جب شوق
ملا هو یار هی قسمت سے بے وفا مجھ کو

وه چشم جو که رهی تھی مدام محو جمال
هے ربط اب اسے داماں و آستیں کے ساتھ

وہ دن گئے کہ جو تھی تاب ضبط اور اب تو
طپش ہے برق کی ہر آہ آتشین کے ساتھ

شاعری کچھ نہیں شعار اپنا
کہہ دیا دل کا ماجرا ہے یہ

ایک عالم کو ہے آرام کی خواہش پر دل
نہیں معلوم غم و درد کا خواہاں کیوں ہے

نظر قہر سے بھی دیکھتے گر میری طرف
آپ کا عین کرم عین عنایت ہوتی

شوق

شوق تخلص ، حافظ غلام رسول ، شاگرد شاہ نصیر مرحوم - عہد طفولیت سے اب تک باوجودے کہ سنین عمر ستر کے قریب پہنچے ، مشق سخن میں مصروف ہے - مشکل زمینوں میں بیش تر گام زن اور قوافیٔ تنگ میں اکثر گرم سخن ہے - جو کہ اشعار عاشقانہ و دل چسپ یا تشبیہ و تمثیل ایسی کہ مذاق شاعری میں گوارا ہو ، اس کے نتائج طبع سے کم کیا کہ مطلق مسموع نہیں ہوئے ، ناچار یہ ایک شعر کہ بہ نسبت اور اشعار کے فی الجملہ حلیۂ صفا سے محلی تھا ، مرقوم ہوا :

رونگٹے پاؤں میں چبھتے ہیں نزاکت کے سبب
فرش مخمل پہ وہ گل رو جو قدم رکھتا ہے

شوکت

شوکت تخلص ہے زبدۂ جوانان موزوں طبع ، میر حسن علی نام کا ۔ سعادت اور اہلیت میں یگانہ ، تہذیب اخلاق میں مشہور زمانہ ۔ ابروے خوباں نے وضع تسلیم اس سے وام لی ، نرگس محبوباں نے طرز حیا اس سے یاد کی ۔ علوم رسمی سے بہ قدر ضرورت آگہ اور فن سخن میں صاحب دست گاہ ۔ الفاظ کی طرح اہل معنی سے آشنا اور معنی کے مانند نا اہل سے بے گانہ ؛ مثل زبان سخن وری میں یکتا اور مانند نگاہ دیدہ وری میں یگانہ ۔ کمال متانت سے خوب رویوں کی شوخیٔ ناز ناسطبوع اور نہایت تمکین سے غمزے کی بے باکی میں حسینوں سی عذر دل ربائی نا مسموع ۔ مدت تک حاکم انصاف کیش ، داور عدل اندیش ، نصف آئین ، مفتی محمد صدر الدین خاں سلمہ الرحمان کے محکمۂ عدالت میں عہدۂ نظرت پر مامور رہا اور شیوۂ کارگزاری اور آئین ہوشیاری میں مشہور ۔ اب انقلاب ادوار اور گردش فلک دوار سے خانہ نشیں اور کنج عزت میں گوشہ گزیں ہے ۔ فکر با وصف تیز عنانی کے حلم طبعی[1] کے تقاضے سے آہستہ خرام اور مشغلۂ سخن میں پاس انفاس کے لحاظ سے احتیاط تمام ۔ بعد فراغ امور ضروری کے اخواہ احبا کا تقاضا باعث ہو ، خواہ موزونیٔ طبیعت کا اقتضا ، گاہ گاہ گل گون طبیعت کی عنان گلشن معنی کی طرف منعطف ہوتی ہے اور 'شب دیز' قلم کی زمام عرصۂ سخن وری کی جانب منصرف ۔ حق یہ ہے کہ باوجود کم مشقی کے خوبیٔ تراکیب اور

۱۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ : علم طبعی

رشاقت اسلوب ان کے اشعار کی دل پر ناخن زن ہے ۔ یہ چند شعر بہ طریق یادگار مرقوم ہوتے ہیں :

آفت جان ہے عشق اک بت ترسائی کا
جا بہ جا شور نہ کیوں ہو مری رسوائی کا

داد لیں کس سے ترے حسن کی اے غیرت ماہ
عذر ہے دیدۂ یعقوب کو بینائی کا

زاہد خود کام کرتا ہے ستایش حور کی
تو بھی تو رخ سے نقاب اپنی پری پیکر اٹھا

دور چشم یار میں سب ہو گئے باہم رقیب
ایک ادنلی یہ فریب نرگس مستانہ تھا

تجھ کو آغوش عدو سے کھینچ لایا بے طرح
جذبۂ دل کام میں اپنے عجب مردانہ تھا

پوچھتے ہو کیا اثر میری شب دیجور کا
کرمک شب تاب کا عالم ہے مہ کے نور کا

ہے تصور دل میں میرے اس بت مغرور کا
جس کا تلوا دیکھ کر پھر منھ نہ دیکھیں حور کا

بادہ خواروں کو نہ کیوں کر ہو قوی حق سے امید
ابر رحمت ہے مربی خوشۂ انگور کا

جرم سے مستی کے کعبے میں نہیں رہ تو نہ ہو
مے کدے کا تو خدا کے فضل سے ہے در کھلا

ہر رکھائی سے تری عالم تھا آنکھوں میں سیاہ
چھوٹنا زلفوں کا رخ پر اک بہانہ ہو گیا

وعدۂ امروز کو فردا پہ پھینکا ہم نفس
یار کا آنا قیامت کا کچھ آنا ہو گیا

بھول کر رکھا تھا اُس بت نے کبھو در پر قدم
اک جہاں کا سجدہ گہ وہ آستانہ ہو گیا

اُس سنگ دل کے دل میں تو تاثیر کچھ نہ کی
کیا فائدہ فلک سے جو نالہ گزر گیا

جی لگ گیا قفس ھی میں اب تو نہیں ہے دھیان
موسم بہار کا کدھر آیا کدھر گیا

شوکت نے جان دی ترے در پر هزار شکر
وہ مرتے مرتے آہ بڑا کام کر گیا

اس میں مرقوم جو وصف رخ دل دار ھیں سب
صفحے دیوان کے مرے تختۂ گل زار ھیں سب

تھک نزاکت سے نہ جائے اب کہیں بازوے دوست
کچھ مدد تو بھی تو کر اے خنجر ابروے دوست

اب نہیں رخصت کہ پھوڑیں سر بھی اُس دیوار سے
ایک دن وہ تھا کہ سر اپنا تھا اور زانوے دوست

ھیں اگر طالع رسا سر کے تو اے جوش جنوں
اس کے دروازے کا آ جاتا ہے پتھر ھاتھ میں

جب کہ ابرو کا اشارہ ھی کرے عالم کو قتل
اس ستم گر کی بلا لیتی ہے خنجر ھاتھ میں

تھی عار جن کے نام سے کی ان کی التجا
لگ جائے آگ اس دل خانہ خراب کو

قبر شہید ناز میں رحمت سے بھیجنا
حوروں کو اے کریم سوال و جواب کو

شکر میں کرنے لگا تھا پر جفائے یار سے
اب تک آتے آتے وہ سب حرف افغاں ہو گئے

سنگ اطفال حسیں کو میرے سر سے عار ہے
کوہ میں جا کر اب اس کو نذر خارا کیجیے

وصل کا وعدہ نہیں تو قتل کا وعدہ سہی
دل کو بہلانے کو میرے کوئی صورت چاہیے

پردے پردے میں چلا جاتا تھا کام اپنا یوں ہی
ہو گئے نا کام ہم دم جب سے رسوا ہو گئے

بزم میں اغیار پر کھلنے نہ پائی بات کچھ
نظروں نظروں میں اشارے آن سے کیا کیا ہو گئے

فکر مضمون دہان تنگ میں گل رو ترے
ایسے ہم کھوے گئے گویا کہ عنقا ہو گئے

آنکھ آلفت کی بھی چھپتی ہے چھپانے سے کوئی
راز اپنا کس طرح سے آن سے پنہاں کیجیے

شہرت

شہرت تخلص ، مرزا حاجی ، خلف الرشید مرزا قیام الدین ابن حضرت فردوس منزل انار اللہ برھانہ ؛ خوش گو ، خوش خو ۔ اوائل حال میں حافظ عبد الرحمان خاں احسان علیہ الرحمۃ والغفران اور پھر فخر الشعرا میر نظام الدین ممنون ور بعد اس کے افضل علمائے انام ، مرجع کملائے عظام

مفتی محمد صدر الدین خاں بہادر صدر الصدور دار الخلافہ شاہ جہاں آباد سے استفادہ کیا ۔ اب اپنی زور استعداد سے بنائے کلام کو بلند اور پایۂ سخن کو ارجمند کرتا ہے ۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے درج تذکرہ ہوتے ہیں :

ہم بڑی چیز سمجھتے تھے پہ مے خانے میں
نکلا اک جام کی قیمت بھی نہ ایماں اپنا

غبار اٹھا نہ ترے دل سے ورنہ اے ظالم
ہماری جان کو اک وہ بھی آساں ہوتا

رکھا کچھ اپنے ہی دل نے نہ اعتبار اپنا
وگرنہ یہ بھی دو عالم کا راز داں ہوتا

ہے یہ مستی میں بھی ہشیاری کہ اب اس کا نقاب
رخ سے سرکا ہے تو ہے اک یوں ہی سا سرکا ہوا

اہل عالم کی نظر میں شان ظالم ہے بلند
ہے فلک ان سب کی نظروں میں بڑا ٹھہرا ہوا

پھوٹ کر رونے سے اپنے زخم دل خنداں ہوئے
ہم اگر روئے تو اس رونے پہ بھی ہنسنا ہوا

تیر سے نالے وہ اب ہوتے نہیں سینے کے پار
ہے کہیں یا مر گیا ناکام شہرت کیا ہوا

خدا خراب نہ کرتا جو تجھ کو اے شہرت
تو کیوں تو شیفتۂ شیوۂ بتاں ہوتا

کچھ نشاں مجھ بے نشاں کا بعد مردن بن گیا
حسرتیں ہو ہو کے اک جا جمع مدفن بن گیا

دل[۱] ھی کی صورت گرہ ھو ھو کے ارمان ھو گیا
دل گیا اور اس کی جا اک اور دل واں ھو گیا

ایک دن دو دن کہاں تک تو ھی کچھ انصاف کر
یہ تو جلنا روز کا اے سوز ھجراں ھو گیا

ھے ترقی جوھر قابل ھی کے شایاں کہ میں
خاک سے پتلا بنا پتلے سے انساں ھو گیا

کفر و دیں میں تھا نہ کچھ عقدہ بہ جز بند نقاب
اس کے کھلتے ھی یہ کار مشکل آساں ھو گیا

پہلے دعوائے خدائی اس بت کافر کو تھا
کچھ درستی پر جو آج آیا تو انساں ھو گیا

ھائے جی بھر کے وہ دیدار میسر نہ ھوا
حشر کا دن شب غم کے بھی برابر نہ ھوا

مہلت بہ قدر گردش ساغر تو دے فلک
ساقی کو ڈھب پہ لائے ھیں سو التجا سے ھم

تھوڑی امید وصل پہ رسوائیاں ھوئیں
جاں دینی اب قبول پر کرنی دعا نہیں

یوں بیٹھتے ھو جیسے کسی کو کسی سے کچھ
مطلب نہیں ، مراد نہیں ، مدعا نہیں

مل جائیے کہ پردہ ھی رھوے تو خوب ھے
اب تک بھی اپنا راز کسی پر کھلا نہیں

۱- نسخۂ اول (ص ، ۳۰۳) میں مطلع پر مقدم کی 'میم' اور شعر پر موخر کی 'خے' درج تھی اس لیے نسخۂ نول کشور (ص ، ۲۹۴) میں مطلع پہلے لکھا گیا - فائق

ہے زمزمے پہ زمزمۂ تازہ خوں چکاں
گلشن میں اور قفس میں تفاوت رہا نہیں

کھینچے ہیں مستیاں مری اب سر فلک سے دور
یاں تک کہ کوئی اپنے سوا سوجھتا نہیں

یہ تو خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے پہ آج
شہرت کا بار بار ہے آتا جگر پہ ہاتھ

لبوں پہ آنے نہ پایا تھا اپنے حرف اُمید
کہ اتنی دیر میں وہ ہو گئے خفا ہم سے

نہ چھوٹا زلف سے دل اور نہ دل زلفیں بنانے سے
یہ وہ جنجال تھا جس سے نہ تم نکلے نہ ہم نکلے

صبا میں بو یہ تھی کس کی کہ سوئے مصر حسرت کے
روانہ قافلے کے قافلے ہیں شہر کنعاں سے

شہرہ

شہرہ تخلص، مرزا نصیر الدین حیدر، فرزند بلند اقبال مرزا آغا جان مضطر، نواسۂ حضرت عرش آرام گاہ محمد اکبر بادشاہ انار اللہ برہانہ، فیض جناب جنت مآب حضرت احسان علیہ الرحمۃ والغفران سے سخن کو محاسن اسلوب کے حلیے سے آراستہ کیا ہے۔ یہ تین چار شعر اس بلند مرتبت کے مرقوم ہوتے ہیں:

یہ قصہ درد فرقت کا بہت ہے لکھ نہیں سکتا
اگر تو آپ آ جاتا مفصل ہی بیاں ہوتا

غرق کر دے گا ابھی سارے جہاں کو تیرا
ایک بھی اشک اگر دیدۂ گریاں نکلا

نہ ایک وعدے پہ وہ یار بے وفا ٹھہرا
سحر تو ہو چکی اب وقت شام کا ٹھہرا

دیکھا جو خط مشکیں اس ماہ سمن بر کا
شرمندہ ہوا شب کو ہالہ مہ انور کا

کچھ آہ کا بھی ہوتے مطلق نہ اثر دیکھا
اس بت کا مرے یارو دل ہے کوئی پتھر کا

شہید

شہید تخلص مولوی فخرالدین حسین خاں مرحوم ۔ وطن اصلی اس نیک نہاد کا شاہجہان پور ہے لیکن خاک پاک حضرت شاہجہان آباد اس قدر اس کی سکونت سے مشرف ہوئی تھی کہ گویا یہی دیار آباد وطن اصلی ہے ۔ صاحب اخلاق حمیدہ و اطوار پسندیدہ تھا ۔ قامت استعداد حلیۂ علم سے آراستہ ، لوح طبیعت نقوش حلم سے پیراستہ ؛ علم فارسی میں یگانہ اور فن انشا میں یکتائے زمانہ ۔ نثر فارسی بیشتر مرزا طاہر وحید کی طرز پر جلوہ گر ہے ۔ استادی مرشد زادۂ آفاق مرزا شاہ رخ مرحوم کے وسیلے سے چندے سر رشتہ دار الانشائے سرکار شاہی اس کے قبضۂ اختیار میں رہا ۔ ہمیشہ دربار رس اور علو مرتبت اور بلندیٔ مدارج سے مرجع کملائے صبح نفس تھا ۔ ہجوم خدمات مفوضہ سے کم اتفاق ہوتا تھا کہ امور ضروری کا انتظام اور مہام ناگزیر کا انتساق صورت پذیر ہو سکے ۔ ناگاہ جذبۂ توفیق عناں گیر

ہوا اور شوق طواف بیت الحرام اور زیارت مرقد نورانی مقبول انام علیہ الصلوۃ والسلام نے بے اختیار دامن طبیعت کو کھینچا ۔ فی الحقیقت اگر خلوص اخلاص رہبر نہ ہوتا ، اتنی سبک جولانی اس راہ دور و دراز میں باوصف ان عوایق و موانع کے ممکن نہ تھی ۔ اس خاک راہ کی بدولت برکت و انوار نے اس کے گرد دامن کا حکم پیدا کیا اور اس دشت و صحرا کی خار کے طفیل ہر گل زمین نے اس کے نقش قدم سے گلشن کا مرتبہ بہم پہنچایا ۔ پانچ چھ مہینے ہوئے کہ دنیاے دوں کو مضمون مبتذل جان کر مثل معنیٔ بلند ، ابیات فردوس میں تمکن اختیار کیا ۔ یہ چند شعر اس کے افکار گوہر نثار سے بہ طریق یادگر درج تذکرہ ہوتے ہیں :

سینہ ہے آئینہ میرا اس میں ہے تیرا خیال
دل نے تیری شکل کا اک دوسرا پیدا کیا

وہ طپش ہے میرے نالے میں کہ بس تڑپا کیا
جب تلک بال کبوتر سے نہ اس کو وا کیا

ز بس روشن فتیلہ ہے مرے ہر داغ سوزاں کا
رہا کنج لحد میں بھی مرے عالم چراغاں کا

شب تاریک سے اپنی فروغ صبح پیدا ہے
تصور مجھ کو رہتا ہے جو اس کے روے رخشاں کا

نہ چھوٹے گا کبھی وحشت نے ایسا اس کو الجھایا
یہ جسم زار اپنا خار ہے صحرا کے داماں کا

ہوا سینے میں آتش زن تصور کس کے عارض کا
کہ پھاہا داغ دل کا رشک ہے خورشید تاباں کا

روان جو ناقۂ لیلٰی ہوا تیری طرف مجنوں
مگر نالوں پہ تیرے تھا گماں صوت حدی خواں کا

روے تاباں کو میں تیرے رخ[1] روشن سمجھا
خط رخسار کو اک ماہ کا خرمن سمجھا

آستیں سے جو ترا پرتو ساعد دیکھا
شمع کافور کو فانوس میں روشن سمجھا

دست ہر خار بیاباں سے یہ چھوٹے کیوں کر
میرے دامن کو وہ اک دشت کا دامن سمجھا

مرغ دل چہرۂ گل فام کو گلشن سمجھا
حلقۂ کاکل پیچاں کو نشیمن سمجھا

تھا خیال رخ جاناں پس مردن جو مجھے
شمع اپنی لحد تیرہ میں روشن سمجھا

رخ دل دار ہے بوسے کے تصور سے کبود
میں سمن زار میں پھولا گل سوسن سمجھا

شہیدی

شہیدی تخلص ہے سخن ور شیریں زبان ، شاعر رنگیں بیان کرامت علی نام ساکن لکھنؤ کا ۔ اشعار میں شستگیٔ زبان اور پختگیٔ الفاظ کا لحاظ زیادہ رکھتا تھا ۔ بعضے اشعار بلندیٔ معنی سے فرق اعتبار چرخ بریں تک لے گئے ۔ علم عروض سے بہ نسبت امثال کے واقفیت زیادہ رکھتا تھا ۔ مدت تک پنجاب اور گجرات میں رہا اور آزادگی و وارستگی و

---

۱ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۲۹۶) ''مہ روشن'' ۔

وسیع‌المشربی کے ساتھ بسر کی ۔ آخرالامر توفیق رہنما اور جذبۂ الٰہی دامن گیر ہوا ، مکۂ معظمہ کو جا کر حج بیت‌اللہ کو ادا کیا اور پھر روضۂ منورۂ جناب خیرالبشر کی زیارت کے واسطے سر زمین مدینہ کی طرف روانہ ہوا ۔ اتفاقاً اثناے راہ میں تپ محرقہ عارض ہوئی اور شدت عوارض سے گمان مرگ غالب ہوا ۔ تقاضاے اخلاص سے مجیب‌الدعوات سے چاہا کہ زیارت روضۂ اطہر سے پہلے جان ناتواں تن سے مفارقت نہ کرے ۔ سنا گیا کہ غلبۂ حرارت سے کچھ ہوش نہ تھا لیکن ہر دم چونک پڑتا اور ہمراہیوں سے روضۂ مبارک کے مدنظر ہونے کا سوال کرتا ۔ گویا منہاں غیب سے آگاہی رکھتا تھا ۔ ناگاہ رفیق راہ نے گنبد مقدس کا پیش نگاہ ہونا بیان کیا ۔ اس مخلص بے ریا نے کمال شوق سے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور جان سوختۂ عشق کو اس خاک پاک کی محبت میں نثار کیا :

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بہ دعا آرزو کنند

ربنا فاغفرلنا[۱] ذنوبنا و کفرعنا سیاتنا و توفنا مع‌الابرار ۔ دیوان پاک بنیان اس شہید خنجر محبت کا اکثر احباب کے پیش نظر ہے ۔ یہ اشعار منتخب ہو کر لکھے گئے :

ہزار مرتبہ دیکھا ستم جدائی کا
ہنوز حوصلہ باقی ہے آشنائی کا

فضاے باغ سے ہے گوشۂ قفس خوش تر
گر اپنے دل میں نہ ہو دغدغہ رہائی کا

۱ - نسخۂ دوم (ص ۲۹۷) ''لنا'' ۔

کسی غریب کی جاں مفت جائے گی اک روز
طریق خوب نہیں عاشق آزمائی کا

بیچ میں اور تو پردہ نہ رہا تھا شب وصل
گریۂ شادی اگر آ کے نہ حائل ہوتا

سخت معیوب ہے معشوق سے زر کی خواہش
حق سے تو دولت دنیا کا ہے سائل ہوتا

عام ہیں اس کے تو الطاف شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی اگر تو کسی قابل ہوتا

اندوہ دائمی میں کٹے کس خوشی سے عمر
گر مجھ کو غم نہ ہو طرب گاہ گاہ کا

عبث رنج دیتا ہے تو مجھ کو ناصح
نہ ہوگا یہ سودا ہی جب سر نہ ہوگا

میں تو سمجھاؤں ہزار اس کو شہیدی لیکن
میرے سمجھانے سے کب یہ دل شیدا سمجھا

صلح میں عربدہ جو مستعد جنگ رہا
شب عشرت مری آغوش میں وہ تنگ رہا

جب گیا غیر تری بزم سے دل شاد گیا
جب میں آیا ترے کوچے سے مکدر آیا

جلد انصاف چکا خلق کا اے داور حشر
پھر قیامت ہے جو وہ شوخ ستم گر آیا

نام میت کا سنے سے جسے غش آتا ہو
وہ جنازے پہ شہیدی کے مقرر آیا

دل میں کچھ سوچ کے شرمندہ سا رہ جاتا ہے
گھر میں سن سن کے وہ چرچا مری رسوائی کا

کس کے دل محزوں کو ستایا تھا کہ اک عمر
خجلت سے نہ سر زلف چلیپا نے اٹھایا

اغیار کا منہ تھا مجھے محفل سے اٹھاتے
سچ یوں ہے تری رنجش بے جا نے اٹھایا

چاہیے صبح کی مانند ترے عاشق کو
چاک کرنے کے لیے روز گریبان نیا

قدر سب چاہنے والوں کی ترے دیکھ چکے
خوار رہتا ہے پرانا تو پشیمان نیا

میرے دم تک اس گلی میں حشر کا ہنگامہ تھا
اپنا لاشہ اٹھتے ہی سب شور و شر جاتا رہا

شہیدی حشر کے دن بھی ہمارا ہو چکا اٹھنا
یہی عالم رہا بعد از فنا گر ناتوانی کا

میں معتقد ہوں عشق خوش عندلیب کا
کہتے ہیں گل عرق ہے خدا کے حبیب کا

کانوں ہی سے سنتے تھے کہ جادو بھی ہے کچھ شے
آنکھوں سے تری نرگس فتاں نے دکھایا

وعدۂ شام پہ کی ہم نے عبث جاگ کے صبح
وہ اسی وقت نہ آتے اگر آنا ہوتا

شیدا

شیدا تخلص ، مرزا قمرالدین مرحوم معروف به مرزا کلو ابن مرزا قیام‌الدین مغفور ابن شاہ عالم بادشاہ انارالله برهانه ۔ حضرت ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ خلدالله ملکه کی دامادی کے شرف سے سر افراز اور اقران و امثال میں ممتاز تھے ۔ مشورۂ سخن شیخ ابراہیم ذوق سے تھا ۔ یه چند شعر اُن کے کلام سے منتخب ہوئے :

عدم سے آئی نه یاران رفتگاں کی خبر
خبر نہیں وہ کہاں جا کے قافله ٹھہرا

کہتے نه تھے ہم اے دل ، مت نام لے وفا کا
تو نے وفا کا ثمرہ ، خانه خراب دیکھا

مارا گیا مقرر شیدا که اُس گلی میں
لاشه پڑا ہوا ہے آج ایک نوجواں کا

عرق دیکھتے ہی رخ نازنیں پر
پڑی اوس بلبل گل یاسمیں پر

ہم اس چمن میں غنچۂ تصویر ہیں صبا
کب ہے بہار میں ہوس واشدن ہمیں

ایک مدت سے ہے تہی پہلو
نہیں معلوم کیا ہوا دل کو

غیروں سے ان کو اتنی بھی فرصت نہیں که ہم
کر لیں اب ان سے بیٹھ کر اک جا کلام دو

ہم نه کہتے تھے که شیدا اُس پری وش سے نه مل
اک نگه میں کر دیا دیکھا نا دیوانه تجھے

درد و غم، رنج و الم ، یاس و تعب ، داغ فراق
خانۂ دل میں مرے کتنے ہیں مہمان بھرے

اس طرح سے جو مضطرب دل ہے
دل ہے یا رب کہ مرغ بسمل ہے

کس کی شامت ہے کہ زلف پرشکن سے لگ چلے
جان پر کھیلے تو مار راہ زن سے لگ چلے

عشق میں شیدا یہ لاغر ہوں کہ وو ہیں گر پڑوں
گر صبا بھی میرے جسم ناتواں سے لگ چلے

شیدا

شیدا تخلص ، اسلام بیگ ، نواسۂ جالینوس زماں ، بقراط دوراں حکیم نصراللہ خاں وصال ۔ نوجوان خوش صورت ، نیک سیرت ، پسندیدہ اخلاق ، تیز طبع ہے ۔ جو کہ فن طبابت خاندانی ہے ، اس کی تحصیل میں اوقات شبا روزی صرف ہوتی ہے ۔ لیکن بہ سبب موزونیٔ ذاتی کے گاہ گاہ فکر شعر بھی جادۂ گریباں میں عناں کش ہوتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے نتائج طبع سے ہیں :

تھا نام کو تو قطرہ پہ طوفان ہو گیا
دیکھو تو جوش گریۂ بے اختیار کا

اللہ رے دشمنی کہ مرے بعد مرگ وہ
ضد سے نشاں مٹاتے ہیں لوح مزار کا

خالی نہ دل تصور جاناں سے چاہیے
آئینہ کیا وہ جس میں نہ جلوہ ہو یار کا

میری امید و حسرت و ارمان کی طرح
پایاں نہیں ترے ستم بے شمار کا

دوست کیا دشمن جانی بھی ستم گر نہ ہوا
ہم کو تقدیر سے مرنا بھی میسر نہ ہوا

سر بہت فتنۂ شر نے فلک پر کھینچا
پر ترے قامت دل‌کش کے برابر نہ ہوا

جوش وحشت کے ولولے نہ گئے
میں گریباں سدا سیا ہی کیا

ہم ہی پر زور ہے ترا ناصح
اس کی باتیں تو تو سنا ہی کیا

لاکھ نا آشنا تھا وہ شیدا
ہم نے اس بت کو آشنا ہی کیا

ہے آج کی شب کچھ قلق ایسا کہ نہیں چین
گر حال یہی ہے تو میں جاں بر نہیں ہوتا

بلائیں لکھی تھیں اپنی ازل سے قسمت میں
کچھ اور ہوتی بلا گر نہ آسماں ہوتا

شاید کسو پہ تو بھی مرنے لگا ہے شیدا
درد و الم عیاں ہے جو تیری گفتگو سے

موج صبا نے اس کو بھی برباد کر دیا
کچھ خاک رہ گئی تھی جو اس خاکسار کی

ہے تہ دام یہ عالم کہ اسیران قفس
آپ کو سمجھیں ہیں آزاد، گرفتار مجھے

پھر اب کی دھوم دھام ہے ابر بہار کی
رہ جائے آبرو مژۂ اشک بار کی

شیدا

شیدا تخلص ہے ، یگانۂ عالم اہلیت میر جھبو جان مرحوم کا ۔ شوخیٔ جوانی اور متانت پیری اس کی ذات میں فراہم تھی اور ادب حکما اور ظرافت ندما اس کی طبیعت میں باہم ۔ تبسم دفتر اخلاق کا ایک باب ، سخن رموز وفاق کی کتاب ۔ مومن خان مرحوم سے تلمذ اور محمد مصطفیٰ خان بہادر شیفتہ تخلص سے محبت جانی رکھتا تھا ۔ کئی مہینے ہوئے کہ عین شباب میں دوست داران یک دل کے سینہ و دل پر داغ مفارقت رکھ کر عالم فانی سے رحلت کی ۔ یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے بہ طریق یادگار مرقوم ہوئے :

مگر عدو سے ہے وعدہ کہ خود بہ خود شیدا
کچھ اضطراب میں ہیں دل کے اضطراب سے ہم

وہ نہیں دل جو کسی کے لیے بے تاب نہیں
وہ نہیں چشم جو آلودۂ خوں ناب نہیں

تیرے رخسار کو کس چیز سے دیجے تشبیہ
گل میں یہ آب نہیں شمع میں یہ تاب نہیں

جان گو جائے پہ کب دل سے تپش جاتی ہے
کشتۂ ناز ترا کشتۂ سیماب نہیں

سیر عالم نظر آئے ہے ہمیں مستی میں
جام جمشید سے کم جام مے ناب نہیں

نا شکر ہم نہیں ہیں ادھر کو نگاہ ہے
پر وہ نگاہ جس سے عنایت عیاں نہیں

کیا جانے خندہ زن ہیں وہ کس خستہ حال پر
بجلی چمک رہی ہے پڑے ہم نقاب میں

دریا بہیں کہیں ، کہیں مژگاں بھی تر نہ ہو
مر جائے کوئی اور کسی کو خبر نہ ہو

حد سے فزوں ہجوم ہے ابر سیاہ کا
دل تفتگان شوق کا دود جگر نہ ہو

کہتے ہیں اس کے کوچے میں مارا گیا کوئی
مجھ کو یہ خوف ہے کہ مرا نامہ بر نہ ہو

وہ دشمنی میں پورے ہوں یہ بات بھی نہیں
کہتے ہیں زہر دے کے الٰہی اثر نہ ہو

معلوم ہو کس طرح تری بات کا سر پاؤں
کب کام پڑا تم کو کسی بے سر و پا سے

یہ امتحان ہے کیسا کہ تم ستاتے ہو
جو ایک بار عدو کو تو لاکھ بار مجھے

کہیں وہی نہ ہو شیدا کہ اس کے کوچے میں
نظر پڑا تھا کل اک مضطرب غبار مجھے

شیدائی

شیدائی تخلص حال و حسن تخلص سابق مولوی ابوالحسن متوطن فرید آباد۔ اس نیک نہاد کے اطوار پسندیدہ کے اوصاف

حد بیان اور اندازۂ تبیان سے خارج ہیں ۔ حلم اور خلق اس مرتبے میں کہ باوجود سن شباب کے جزو ناری کو خاک تواضع میں داب رکھا ہے ۔ ایام خورد سالی میں وطن مالوف سے حضرت شاہ جہان آباد میں وارد ہو کر علم فارسی اور عروض و قافیہ کو مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی کی خدمت میں بالاستیعاب حاصل کیا اور چند مدت مدرسۂ شاہ جہان آباد میں وظیفہ یابان سرکار انگریزی کی سلک میں منسلک ہو کر علم ہندسہ اور ریاضی میں رشک امثال و اقران ہوا ۔ مہین داور مدرسہ نے علوم مذکورہ میں بے مثل اور فن فارسی میں یگانہ دیکھ کر مدرسۂ اکبر آباد کا مدرس مقرر اور ساٹھ ستر روپے کا مشاہرہ معین کیا ۔ ہنوز اس گل زمین میں اچھی طرح جاے گرم نہیں کی تھی کہ ناگہاں مژدۂ اقبال ابدی پہنچا اور نوید حصول سعادت سرمدی سامعہ نواز ہوئی ، یعنی اسی نواح میں ایک درویش صافی ضمیر اور روشن دل آفتاب تنویر کی خدمت سراسر افادت میں نیازحاصل اور اس بزرگ کے جذبۂ باطن سے دل دوام ملازمت کی طرف مائل ہوا ۔ ایک دو صحبت کے بعد اعتقاد راسخ کی تحریک سے شرف بیعت سرمایۂ تحصیل کمال ہوا اور اوہام باطلہ کا موجب زوال ؛ فی الواقع صحبت اہل اللہ اکسیر سے کم نہیں ۔ چند روز میں ضمیر اعتقاد تخمیر کو ایسی صفائی بہم پہنچی کہ اسرار غیب اس آئینے میں مثل عکس ظاہر ہونے لگے اور رموز خفیہ اس جام گیتی نما میں باہر ۔ اس آغاز شباب میں متانت پیراں اور اس جوانی میں وقار کہن سالاں جو اس سرگروہ ارباب سعادت کو حاصل ہے، شاذ و نادر ہے ۔ عنایت الٰہی سے اب تک اسی شہر میں اسی عہدے پر مامور

اور نہایت خوش اوقاتی و بلند نامی کے ساتھ بسر ہوتی ہے۔ اشعار فارسی کا فکر بیش تر دامن گیر شوق اور تہذیب کلام دری کی توجہ اکثر رہبر ذوق ہے۔ خوبیٔ مضامین اور متانت عبارت اور چسنیٔ تراکیب اور تازگیٔ طرز کی توصیف دائرۂ امکان سے خارج ہے۔ یہ اشعار جو بالفعل ذخیرۂ حافظہ ہیں، مرقوم ہوتے ہیں:

سبک در پہلوم بنشیں بنہ رطل گراں بر کف
کہ مے بالا برد کار نشاط نوجوانی را

ایں طفل اشک بیں کہ بہ خلق آشکار کرد
در دل ہر آں چہ بود ز عشقت نہاں مرا

ساقی کفایت است ز چشم تو گردشے
دیگر میازمای بہ رطل گراں مرا

زاں ہدایاے کہ در پاے عزیزاں افگنند
جز سرے بر کف نہ باشد تحفۂ مقدور ما

نیست ایں سر لایق پایش یقیں دارم حسن
می برد پاے ملخ پیش سلیماں مور ما

بہ ہجر خون جگر می خور و غذا مطلب
ز نعمت دو جہاں درد امتلا مطلب

اگر تو معتکف کعبۂ دلی، زنہار
بہ طوف کعبہ مرو وز صفا صفا مطلب

نیاز مسند مسیحا مشو بہ عشق بتاں
بہ ذوق لذت غم جاں دہ و دوا مطلب

به هجر عشق تلاطم گرت ز جا ببرد
تنت سپار به طوفان و نا خدا مطلب

صاحب نظران را نه کشد دل به سوے خلد
روے تو در جنت و ابروت کلید است

هند است بهشتے که گرو برد[1] ز طوبا
آں سرو بلندے که ازیں باغ دمید است

گرز تاب عکس رویت آب دریا آتش است
از تف داغ دل من خاک صحرا آتش است

عکس روےدوستافتاداست و رنگش‌می‌زند
بر غلط بستند یاراں ایں که صهبا آتش است

فیض جنت اهل عشرت را چو دوزخ می‌گزد
نونهالان چمن را باد سرما آتش است

ایں قدر فهمیده ام از بحث کفر و دیں حسن
روےخوباں‌جنت‌است‌وخوےآں‌هاآتش‌است

دیگرم با چشمهٔ زمزم چه کار
من که از سرچشمهٔ چشمم وضو ست

یک نگه کردی و کردی بسملم
بار دیگر یک نگاهم آرزو ست

نے غم راحت مرا نے بیم رنج
هرچه بر من می رسد شادم کزوست

گم کردگاں راه به منزل رسیده اند
شور درا ست باطل و بانگ جرس عبث

۱- نسخهٔ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص - ۳۰۱) 'بردر'

گر هندو است خال تو هرزا ست خوف دزد
در شب روا ست زلف تو پاس عسس عبث

رفتم به زیر خاک و زدم در کفن صبوح
زان رو که خوش تر است به صبح وطن صبوح

عمرے تلف به کعبه نمودیم بعد ازین
مائیم و برکف بتک برهمن صبوح

یا رب آنان که نه دارند به عشقت معذور
رگ جان شان بزنند نشتر مژگانے چند

نیم باز است همه نرگس خاکم که شدم
کشتهٔ نرگس دزدیده نگاهاے چند

قدر سرمستیٔ لعل تو حسن می داند
جرعهٔ چند به کارم کن و احسانے چند

یاد آن زمان کاندر غمت سر داشت سوداے دگر
وین دیدهٔ خون‌بار من از اشک دریاے دگر

رفتم به طوف کعبه و افتادم اندر مے کده
شوق تو از جاے مرا آورد در جاے دگر

سوز ها گل کرد و آخر در سراپایم گرفت
من که در طفلی به دل از عشق اخگر داشتم

صحبت یاران رنگین طبع ما را زنده کرد
ورنه شیدائی دل پژمرده در بر داشتم

شیدائی

شیدائی تخلص ، مرزا رمضان بیگ ساکن شاہ جہان آباد قوم مغل ۔ خاندان والا اور دودمان معلی سے ہیں ۔ طبیعت میں باوجود تاہل اور تعلق کے کمال آزادی اور وارستگی متمکن ہے اور اس آزادی پر خوش خلقی کی نہایت نہیں ۔ کتب درسیۂ فارسی اُستادی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی سے کمال تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھیں ہیں ۔ گہ گاہ اشعار فارسی اس صاحب طبع کی زبان خامہ سے آشنا ہوتے ہیں ۔ یہ دو شعر اُسی کے نتائجِ فکر سے مرقوم ہوئے :

با خضر احتیاج نہ افتد براہ ما
جز عشق نیست پیر طریقت پناہ ما

هر دو جہاں کہ تاج سر حرص عالمیست
کم تر بود ز خاک بہ پیش نگاہ ما

شیفتہ

شیفتہ تخلص ، نواب معلی القاب ، موسس اساس قبول و اقبال ، بانیٔ بنائے فضل و افضال ، مسند نشین مصر دولت و جاہ ، اقبال پناہ ، جلالت دست نگاہ ، زبدۂ نام آوران جہان نواب محمد مصطفیٰ خاں سلمہ الرحمان ۔ قصر دولت و اعتبار کا پایہ آسمان افتخار سے بلند ہے اور فرق تسلیم زمین خاکساری پر نگوں ۔ ایوان جاہ و جلال کا بام سپہر بریں سے ٹکر کھاتا ہے اور سر نیاز آستانۂ فقر سے مقرون ۔ اُس کے طرز و انداز کے فرہنگ میں لفظ ناز سے معنیٔ نیاز مفہوم اور اس کی

اوضاع و اطوار کی راہ میں شوخیٔ رفتار سے نقش قدم کا عجز معلوم ۔ آفتاب اگر عجز ذرہ ظاہر کرے یا آسمان پستی زمین ، بے نیازی و استغنا اوج گیر ہے ، نہ ہمت تنزل گزیں : بیت

کسانے که راہ خدا داشتند
چنیں خرقه زیر قبا داشتند

خامۂ ثنا طراز نے جب یہ دو چار کلمے ۔ اغراق منشیانہ اور بے مبالغۂ شاعرانہ اس جامع ضدین دین و دنیا کے حق میں زبان سے آشنا کیے ، عندلیب گلشن شیراز نے اپنے ممدوح کی ثنا سے اندک خجل ہو کر دل میں انصاف کیا اور بے اختیار طرز کلام کو تغیر دے کر کہا :

بدرویشی ثنائے مصطفیٰ خاں می کنی آرے
خوشامد گونه ای تا روے حشمت درمیاں بینی

لیکن تقاضاے انصاف دامن گیر ہے اور اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو سیاق اس تقاضے کا بھی دل پذیر ہے کہ امر واقعی کے بیان میں کیا نقصان ؟ اور حرف راست کے اظہار میں کیا زیان ؟ تو نہیں دیکھتا کہ علوے شان اوج سپہر سے بالا تر ہے اور سموے مکان کنگرۂ عرش سے والا تر ۔ آفتاب اس کے شبستان دولت میں شمسۂ ایوان اور آسمان اس کے قصر جاہ میں خاک آستان ۔ اس کے صید گاہ مہابت میں شیر نقش قدم سے پابہ‌زنجیر اور اس کے دریاے ہیبت میں نہنگ دام امواج میں اسیر ۔ تیر آرش اس کی کمان کا خانہ زاد قدیم اور گرز فریدوں اس کی تیغ رستمی سے دو نیم ۔ فرق جاہ کی بلندی اس کے ایوان رفیع کے آستاں تک پہنچتی ، اگر مانند گرد

آس کے نعلین کی ملازمت بہم پہنچاتی اور پایہ حشمت کی رفعت اس کے قصر بلند کے کنگرے سے ٹکر کھاتی ، اگر گل و خشت کے حیلے سے آس کے معار کے ھاتھ میں آ جاتی ، لیکن بے پایانیٔ اوصاف سے خایف ہوں اور افزونیٔ ستایش سے ترساں کہ مبادا منزل مقصود سے دوری رہے اور مقتضائے مقام سے حرماں ۔ ناچار پایۂ سخن وری کے حرف اور رتبۂ ھنر پروری کے ذکر سے کہ تونگران سخن کا پایہ اس کی زکواۃ سے نصاب کہال کو پہنچتا ہے ، واقفان دقائق کمال کو آگاہ کرتا ہے کہ علوم رسمی سے کماینبغی آگاہ اور فنون متداولہ میں کامل دست گاہ ، اصناف سخن میں قدرت تمام اور فنون شتیٰ میں مہارت تام ۔ کمال مرتبہ شناسی سے ھر سخن اپنے موقع میں اور ھر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر ۔ غزل میں شوخیٔ جوانی کا اظہار اور قصیدے میں متانت پیری کا روز بازار ۔ معنیٔ وحدت الفاظ رباعی سے آشنا ، ھنگامۂ کثرت مثنوی سے جلوہ نما ۔ اگر اس کلام کو اعجاز کہیے ، لب دلبراں کی خجالت کا خوف رہ زن تقریر ہے اور اگر سحر لکھیے نرگس خوباں کی ندامت کا بیم مانع تحریر ۔ جس طرح تیغ ھندی ریختہ شاھدان شنگول کے غمزے سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہے ، اسی طرح بادۂ شیراز فارسی خوباں سیہ مست کی چشم سے زیادہ تر خمار شکن ہے اور جیسے آس تیغ آب دار کے سلح شور اس شہ سوار ھنر کو شیفتہ کے نام سے مشہور کرتے ھیں ، اس بادۂ صاف کے سرمست آس بے دسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ھیں ۔ جو کثرت اوصاف مہر دھاں اور وفور محامد بند زباں ہے ، ناگزیر تقریر اوصاف اور ذکر مدایح سے تحریر افکار گوھر نثار پر

ساعت اور مستمعان سخن رس کو اس نعما کے لطف سے محو لذت کرتا ہوں :

اشعار فارسی

تہدید از ریا کرد دی شیخ شہر مارا
امروز ساغر مے خوردیم آشکارا

در عشق نوجوانی از دین و دل گذشتیم
از ما سلام گوئید[۱] پیران پارسا را

خنده چه خوش شیوه ایست از پس خشم و عتاب
لذت دیگر بود زخم نمک سود را

ایں لالہ کہ رست از گل ما
داغے ست کہ بود در دل ما

صرفہ چرا کند بجور از غم عذر فارغ است
شاد ہیچ می شود طبع وفا سرشت ما

دستے کہ بود در گرو زہد حسرتی
گستاخ تا بہ بند قبا کردہ ایم ما

کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد
مرغ بسمل شدہ را ہم سر پروازی است

ز شور حشر دراں انجمن سخن می رفت
بہ عشوہ گفت کہ یک فتنہ از خرام من است

من خود نگویم ایں کہ تو و بیم مدعی
طرز نگاہ وسوسہ فرما گواہ کیست

---

۱ - نسخه نول کشور طبع ۱۲۹۹ ھ ''گوید'' (ص ۳۰۳) -

دانم که بہر شیوہ دلم می رود از دست
دیگر نشناسم که چه لطف و چه عتاب است

گاہے بسوے غیر نظر کردی و ہرگہ
دانست که می سوزم ازیں بیش ترم سوخت

بر طرۂ پُر شکن چه نازی
آخر ز دلم شکسته تر نیست

چشم بد دور از جمالش
می بینم و طاقت نظر نیست

به عاشق آں که بیاموخت راہ و رسم وفا
به دلبراں نه براے شکست پیماں گفت

تو بدگمانی و در پہلوے تو خوش چشمے
نگه بروے تو زیں روے مشکل افتاد است

فگنده است سپہرم به بند صیادے
که گه دام نه گسترد و در کمیں نه نشست

فزوں ز زلف کشد خط سبز او دل ما
به دیده بیش خلد سبزۂ که نو خیز است

حیرتم کشت[1] که ہر لحظه چساں می کشدم
آں که در دست نه تیرے نه کمانے دارد

صد پرده بروے دوست بستند
زاں جمله یکے جمال باشد

خوش آندم کز هجوم شکوه تلخی زیر لب گویاں
تو برخیزی ز ناز و حسرتی در داماں آویزد

۱ - نسخۂ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ (ص ۳۰۵) میں ''گشت''

شیوهٔ ناز تو انباز نمی داشت روا
لا جرم از ستم دهر امانم دادند

این‌ها که می کنی تو بمن من کنم به او
گر دانمے که با تو مرا آشنا که کرد

با سادگان خویش وفا می توان نمود
دل بر امید وعدهٔ فردا نهاده اند

او خموش از سر کبر ست و دل من خورسند
که سخن هاے مرا فکر جوابے دارد

پهلوے غیر به بزمش نکنم جاے که نیست
چشم آنم که نگاه غلط انداز کند

جاے رحم است برآں بسمل مسکیں که هنوز
نیم جانے به تنش باشد و قاتل برود

خدایا حشر برپا کن به هنگامے که عاشق را
به دل حسرت به‌گردن دشنه برلب آفریں باشد

خاکم بسر که عاشق کار آزموده ام
دانم که با رقیب به خلوت چها رود

چندیں میازمای که ترسم در اضطراب
ناگه شکایتی ز تو ام بر زباں رسد

بیا و طاعت مقبول را به یغما بر
خلل بکار دعا هاے مستجاب انداز

برای شاهد و مے پارهٔ بمن می بخش
ندیم از تو دگر حاصل ربیع و خریف

نگہ از نالۂ بلبل بہ رخ گل کردم
روے گل دیدم و صد خندہ بہ بلبل کردم

گہی در صحن مسجد گہ در میخانہ ہا افتم
سر شوریدۂ دارم بہر جاے ز پا افتم

جواب طعنۂ حرمان و طنز ناکامی
ہمیں بس است کہ معشوقہ نازنیں دارم

ظلمت شب برقرار و صبح ناپیدا ہنوز
حسرتی بےجا سر از خواب عدم برداشتم

سخن بے ربط گوئی حسرتی لیکن نمی گیرم
ہمیں روداد من ہم بود چوں یارم برید از من

باجاں بروں بر آمد و اینم گماں نہ بود
صد حیف ناوکت ز دل آساں بر آمدہ

اے کہ تلخ از سخن تلخ تو شد عیش مرا
می توانی کہ تلافی بہ شکرخند کنی

آں چنانم ز تو آزردہ کہ مشکل دیگر
دل من شاد بصد وعدہ و سوگند کنی

جاں از رقیب خواہی و اصرار می کنی
کارے ست سہل حیف کہ دشوار می کنی

کونین . رونماے جمالت نہ می شود
مارا چہ دادۂ کہ خریدار می کنی

اشعار ریختہ

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہاں میں
طول امل جواب ہے زلف دراز کا

روداد میں ھیں شیفتہ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وھاں سے جو کوئی معتبر آیا

ھم طالب شہرت ھیں ھمیں ننگ سے کیا کام
بد نام اگر ھوں گے تو کیا نام نہ ھو گا

کیا حال تمھارا ھے ھمیں بھی تو بتاؤ
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

تم لوگ بھی غضب ھو کہ دل پر یہ اختیار
شب موم کر لیا سحر آھن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں
اُس نے ھی کیا نگہ کو بھی پر فن بنا دیا

اظہار عشق اس سے نہ کرتا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

مصروف ھے بہت ھی ھمارے علاج میں
ھم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

اے مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
رکھا ھے اس نے سوگ عدو کی وفات کا

ھائے اس برق جہاں سوز پر آنا دل کا
سمجھے جو گرمیٔ ھنگامہ جلانا دل کا

نقش تسخیر غیر کو اس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

خوبیٔ بخت کہ پیمان عدو
اُس کو ھنگام قسم یاد آیا

اس سے میں شکوے کی جا شکر ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

کب طالع خفتہ نے دیا خواب میں آنے
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا بھی سنبھل جائے تو اچھا

محبت نہ ہر گز جتائی گئی
رہا ذکر کل اور ہر باب کا

پڑے صبر آرام کی جان پر
مری جان بے صبر و بے تاب کا

شکوہ مجھے نہ ہو جو مکافات حد سے ہو
واں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اس کی گلی میں آج نشان قدم نہیں

شیون

شیون تخلص ، حافظ سید اکبر علی مبرور ، ہمشیرہ زادۂ مفتی محمد اکرام الدین مغفور غفراللہ لہما کہ اوائل میں حافظ تخلص کرتا تھا ۔ علوم متداولہ میں تدقیق و تحقیق کا رتبہ بلند اور سخن سنجی اور شعرگوئی کی طرز دل پسند ۔ تہذیب اخلاق میں یکتائے روزگار ، حلم و بردباری میں شہرۂ شہر و دیار ۔

کتاب 'موجز' کو کہ علم طب میں مصنفات قرشی علیہ الرحمۃ سے ہے ، زبان فارسی میں طرز دل پسند کے ساتھ ترجمہ کیا ۔ سن بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ ھ) میں سفر آخرت اختیار کیا ۔ یہ چند شعر اس کے نتائجِ افکار گوہر نثار سے ہیں :

کشتۂ تیغ نگاہ تو بہ خوں می غلطید
جـان ہمی داد و دگر زخم تمنا می کرد

دین و ایمان ہمہ در باخت بہ یک غمزۂ او
شیون از بے خردی دعوے تقویٰ می کرد

کلک قضا کہ نقطۂ مشکیں بدل گذاشت
آں را برائے مہر بتاں انتخاب کرد

نامہ و قاصد بہ دوست چوں نتواند رسید
رنگ رخ جستہ را بال پریدن دہیم

شد بندۂ کسے کہ گرفتش بہ بندگی
باید بحال زار زلیخا گریستن

آبی بروئے کار نیاورد گریہ ات
اے دیدہ شرم باد ز بے جا گریستن

باب الصاد المہملہ

صابر

صابر تخلص ہے ۔ ہیچ نشناس مکتب دانش ، نا شناسائے کشور بینش ، راقم اوراق پریشاں ، قادر بخش ہیچ نفہم ہیچمدان کا کہ مثل دہان خوباں ہیچ اور مانندزلف محبوباں دل شکستہ ہے ۔ بہ رنگ نقش قدم نا رسا اور بسان موج آب وارستہ ہے ۔ اگر بستر خواب پر پاؤں پھیلائے ، کمال لاغری سے کلبہ دیدۂ مور کا طول اس سے دو چند نظر آئے اور اگر راہ سعی میں قدم اٹھائے ، نہایت ناتوانی سے تو ہم حرکت کی لیاقت اس کا ایک اعجاز شمار کیا جائے ۔ اس کی رسائی کو نقش قدم کے ساتھ دعوے ہمسری اور اس کی سعی کو موج سراب سے لاف برابری ۔ ضعف کی اعانت سے رنگ پریدہ کو اس کے حق میں حکم فلاخن اور جوش وحشت سے فراخیٔ صحرا اس کے قدم کے سامنے تنگیٔ دامن ۔ آہ اگر اس کے لب سے بلند نہ ہوتی ، کرہ نار کا کیوں کر اثبات ہوتا اور اشک اگر اس کی آنکھ سے نہ گرتے ، ابر سرمایۂ گوہر سے کس طرح تونگر ہوتا ؟ شفق ایک قطرہ ہے اس کے خون جگر کا ، سحاب ایک ٹکڑا ہے اس کے دامن تر کا ؛ گریہ اس کی آنکھ کی بہ دولت با آبرو ، نالہ اس کے لب کے

طفیل آسمان سے دو بدو ۔ اگر اس کی خاک اکسیر نہیں تو بادصبا کو اس قدر جستجو کیوں ہے ؟ اور اگر اس نے اس کے دانت کھٹے نہیں کیے تو رقیب اس کے سامنے چیں بہ ابرو کیوں ہے ؟ فغاں جب اس کے سینے میں آیا ، کیا سے کیا ہو گیا اور نالہ جب اس کے لب سے گزرا ، برق بلا ہو گیا ۔ اگر یہ عاشق مزاج نہ ہوتا ، عشق و ہوس میں کیا تمیز ہوتی ؟ اور اگر یہ خون دل سے گل افشاں نہ ہوتا ، خاک چمن کیوں کر گل خیز ہوتی ؟ اس ضعف میں گریباں تک ہاتھ لے جانا اسی کی ہمت ہے اور اس نا توانی پر اپنے غبار کو ہوا کے ساتھ دست و گریباں رکھنا اسی کی جرأت ہے ۔ معشوق کو صفائی چہرہ کی تعلیم یا آئینے کا ایجاد ہے یا اس صاف دل کا ، دل ربا کو بار بار کی شوخی کا سکھانا کچھ ناز بےجا کا شعبدہ ہے ، کچھ اس کی نیاز پاشیٔ متصل کا ۔ داغ جگر ، رشک لالہ ، حلقۂ آہ ، ہم‌دوش ہالہ ، چاک گریباں اس تطاول پر دست جنوں کا شکر گزار ، زخم جگر اس قدر خراش پر ناخن الم کا سپاس دار ، سوسن کے مانند باوجود دہ زبانی کے خاموش اور گل کی طرح با وصف خوش نفسی کے ہمہ تن گوش ۔ سرو کے مانند موزوں طبع ، لیکن نالہ و فغاں سے مسرور ، صنوبر کی طرح سراپا دل مگر سر سے پاؤں تک زخموں سے چور ۔ بلبل خوش الحاں ہے گل رخساروں کی یاد میں نغمہ پیرا ، قمری سجع خواں ہے سرو قامتوں کی جستجو میں کوکو سرا ، نہ دل سوائے نالۂ عشق کے کسی بات سے مالوف اور نہ طبیعت بہ جز حرف محبت کسی سخن سے مشغوف ۔ مانند سایہ وضع خاک ساری ایک جامہ ہے اس کے تن پر راست اور مثل محراب انداز تسلیم

ایک شیوہ ہے اس کی سرشت میں بے کم و کاست ۔ نا رسائی سے اپنے آپ کو نہیں پہنچتا اور کہاں رفعت کے تصور میں۔ پستیٔ اعتبار کا حرف نامسموع اور خود نشناسی سے اپنی حقیقت کو نہیں پہچانتا اور آپ کو دور سمجھ کر کور فہمی کا طعنہ نامطبوع ۔ پستی کو اس کی بلندا شان کے مقابل اپنی بلندی پر افتخار اور حضیض کو اس کی اوج کے سامنے اپنی رفعت کا پندار ۔ افسوس! میں کہاں اور کہاں یہ سخن طرازی ، کجا راقم اور کجا یہ افسانہ پردازی ؟ ہنگامۂ عجیب برپا ہے اور ماجرائے غریب چہرہ کشا ہے ۔ کمال کے پندار اور نسب کے کبر اور حسب کی نخوت سے قطع نظر کشش مکشش احباب اور تقاضائے شیخ و شاب ہر دم دامن گیر ہے کہ اقتضائے اہلیت اور داعیۂ انسانیت سے عجز و قصور پر اعتراف کرنا اور گو کہ طبیعت خدا داد منشاء علوم اور مبداء فہوم ہو، اپنے آپ کو جہل و بے دانشی سے متصف جاننا اصحاب فہم اور ارباب درایت پر واجب تو ہے لیکن نہ اس قدر کہ مرتبۂ واقعی اور رتبۂ نفس الامری پر نگاہ نہ کریں اور اپنے جوہر طبیعی اور ہنر ذاتی سے اغماض کر کے دانستہ ایک گوہر بے بہا کو خاک مذلت پر گرا دیں ۔ لاف نا معقول اور گزاف فضول کو پایۂ بلند جاننا اور ناحق و ناروا اپنی لیاقت سے بالا تر کسی محل کو تلاش کرنا تو نا سزا وار ہی ہے ، لیکن یہ بھی نہ چاہیے کہ جن جن مراتب کا استحقاق ہے ان سے بھی قدم فرو تر پایگاہ میں رکھ کر حفظ مراتب کا سر رشتہ یک لخت ہاتھ سے دے دیں ۔ غلوئے پایۂ آبا اور بلندیٔ شان اجداد تو کچھ تیرے قلم کی

۱- نسخہ نول کشور (ص ، ۳۰۸) 'علو' ۔

چرب زبانی اور تیرے خامۂ چابک رقم کی رطب اللسانی کی محتاج نہیں ؛ یہ تو وہ آفتاب ہے کہ عالم اس کے فروغ سے کام یاب ہے ۔ اور تہذیب و اخلاق اور علم و تواضع کا حال تو ظاہر ہے کہ اپنی زبان سے کس قدر فقرے مضمون فروتنی اور بیان عجز و انکسار میں مسلسل تقریر کیے کہ پاس آشنائی نے ہم دل سوزان صداقت منش کو اتنی تہدید پر مستعد اور اس قدر سرزنش پر سرگرم کیا ۔ اپنی نظم ثریا پایہ کے مرتبے کو دیکھ ! اور اپنی نثر نثرہ نثار کی رفعت پر نگاہ کر ! فروغ معانی کو خیال کر ! خوبیٔ عبارت کو ملاحظہ فرما ! نظر غور اور نگاہ تامل کی وہ باریک بینی کدھر گئی اور طبیعت شوخ اور فکر رسا کی وہ چالاکی کہاں ہے ؟ اپنے سخن والا رتبہ اور کلام عالی درجات کے صفات ظاہرہ اور اوصاف باہرہ سے یہاں تک چشم پوشی کرنی تیرے مرتبے میں تو البتہ نقصان نہیں پیدا کرتی اور یہ بھی مانا کہ تو اس خمول پر راضی اور اس گم نامی سے خوش دل ہے ؛ خود سخن کی داد و بے داد کا کیا علاج اور کلام معجز نظام کے شکوے کا کیا چارہ ۔ تیرے دیوان میں بنائے سخن کی متانت ایسی ہے کہ نقش مسطر اس کے اثر سے گویا پتھر کی لکیر ہے اور طراوت الفاظ اس طرح کی کہ مد سطور اس کی تاثیر سے بعینہ موج آب کی تحریر ہے ۔ نظم کا مرتبہ ایسا بلند کہ نظر جب تک دوش فکر پر متمکن نہ ہو اس کے ادنئی پائے پر پہنچ نہ سکے اور نثر کی دست گاہ ایسی وسیع کہ نگاہ مطالعہ جب تک وحشت عاشق سے تیزئی رفتار وام نہ لے ، ابد تک اس میدان سے قدم باہر نہ رکھ سکے ۔ نقطہ اور دائرۂ سخن کا فروغ معنی سے ماہ اور ہالہ اور طراوت لفظ

سے قطرہ شبنم اور برگ لالہ ، صفائی عبارت خطوط سے اس طرح جھلکتی ہے جیسے پردۂ شب سے سفیدۂ صبح کا ظہور ۔ روشنیٔ معنی دوائر حروف سے ایسی جلوہ گر ہے جیسے افق سے آفتاب کا نور ۔ معانی سوز ناک اگر الفاظ مطرا میں نہ ادا ہوتے ، کاغذ جل چکا ہوتا ۔ مضامین جنوں انگیز اگر عبارت متین میں نہ بندھے ہوتے ، ورق کاغذ باد کی مانند ہوائی ہوگیا ہوتا ۔ ابیات غزل وصف خط و خال سے حجلۂ عروس ، رفتار قلم خوبیٔ تحریر سے جلوۂ طاؤس ، رباعیٔ عارفانہ میں الفاظ عبارت جلوۂ اسرار سے سینۂ ارباب کشف و شہود ، اشعارعاشقانہ میں دوائر حروف ملاحت سخن سے جراحت نمک سود ، سطر اثر موزونی سے سرو ، صفحہ رنگینیٔ نقوش سے بال تدرو ۔ غفلت کے فریب میں آ کر اپنے رتبۂ بلند سے اغماض نہ کر اور کسر نفسی سمجھ کر فروتنی کو کام نہ فرما ۔ اپنے حق میں وصف مبالغہ آمیز قبیح ہے نہ بیان واقعی ۔ یہ وہ سخن ہے کہ اس کے اوصاف واقعی اگر الہام کی شان میں مذکور ہوں ، ارباب تحقیق اس کو مبالغہ تصور کریں اور اگر اس کا نفس الامر وحی کے حق میں بیان ہو ، اصحاب فہم اس کو غلو و اغراق مقرر کریں ۔ یہ باتیں تو اہل وداد کی دل سوزی اور کمال اتحاد سے باعث سامعہ افروزی ہیں اور بشریت کا تقاضا اور ہوس کا اقتضا چشمک زن ہے کہ

اہل روزگار کا کرّو فرّ اور اخوان زمانہ کا طمطراق یوں زبان پر ہو ، اگرچہ خلاف واقع ہی سر بہ سر ہو ، اور آپ کنج خمول میں بسر کیجیے اور اپنے استحقاق سے کسی قدر شناس کو خبر نہ دیجیے ، یہ کس ہوشیاری کا ثمرہ اور کس عقل کا نتیجہ ہے ؟ اور غیرت ہم سری اور پاس ناموس

کی یہ تحریک ہے کہ بلند پایگان عظام کی صف میں بیٹھنا اور مربع نشینی کی ہوس میں ان کے ساتھ ایک مسند پر متمکن ہونا اور زریں لباسان مرصع پوش کے حلقے میں ہم چشمی کے ارادے سے قدم رکھنا اور پھر اپنی وضع کو تغیر نہ دینا اور لباس سادہ و کسوت بے تکلف کو ارباب زرق برق کے امنے موجب خجالت نہ سمجھنا اثر غفلت کا ہے ، نہ ثمرہ آگاھی کا ۔ یہ اوامر احباب کا مجبور اور یہ مغلوب طبیعت مشہور گلیم اطاعت سے پاؤں دراز نہیں کر سکتا اور جادۂ انحراف میں قدم نہیں دھر سکتا ہے اور اہل انصاف کے گوش گزار کرتا ہے کہ ہر چند آباے عظام اور اجداد کرام کی بہ دولت نسبت شاہ زادگی سے مشرف اور بہرۂ بلند نامی سے کام یاب ہے ، لیکن دولت کمال کے طفیل اور افاضل روزگار کی تربیت کے اثر سے اس نسبت کا نیاز مند اور اس وسالت کا محتاج نہیں ہے :

المنة للہ کہ نیازم بہ نسب نیست
اینک بشہادت طلبم لوح و قلم را

جوش و خروش ہوس اور غلبۂ دناءت طبیعت خواہی نخواہی مجھ کو ورطۂ ہلاک کی طرف کھینچ کر لے چلا تھا کہ قائد[۱] توفیق نے رہبری اور خضر سعادت نے رہ نمائی کی ، کہ اے مست شراب غفلت! زبان اس یاوہ گوئی سے بند کر اور شیوۂ خاموشی کو بسند کر اور مثل یاران شیریں سخن کے اپنے جواہر آب دار کو بھی طبق اوراق پر جلوہ دے کہ بوے مشک اور راز عشق کو خود چھپنے کی

۱ - نسخہ نول کشور (۳۱۰) 'قاغد'

صلاحیت نہیں ۔ اگر اس برق میں کچھ تابش اور اس جلوے میں کچھ شوخی ہے ، نگاہ تماشا خود خبردار اور طبیعت ارباب شوق خود بے قرار ہو جائے گی ۔ ضمیر حیا تخمیر اور طبیعت شرم طویت نے اس انداز کو مناسب مزاج کے اور نصیحت کو موافق ارادے کے پا کر چند شعر فارسی اور ریختہ ثبت اوراق کیے :

اشعار فارسی

رشک خورشید میہمان من است
آسماں رتبہ آستان من است

جگرم خوں شدہ است در عشقش
زاں سبب خوں چکاں بیان من است

دوش از شور فغانم همه بیدار شدند
بخت خوابیدهٔ من بود که بیدار نبود

درچمن هرگه که ذکرآں رخ گل گوں کنم
چشم بلبل رازاشک لاله گوں پرخوں کنم

صبح آمید ما نه دمیدست اگر دمید
ایں صبح را ز دود جگر شام کرده ایم

لرزد فلک ز شرم جفا هاے خویشتن
اکنوں که نیم ناله سر انجام کرده ایم

منعم از الفت ترسا بچه نتواں کردن
ده چه دشوار بود گبر مسلماں کردن

کار عالم همه واژوں ست دهد جمعیت
جان و دل را گرو زلف پریشاں کردن

وہچه زیباست بروےتوزخودرفتن و باز
حرفصد شکوہزدن دست بداماں کردن

بامن فریب ای بت نوشاد می کنی
هر دم بوعدۂ دگرم شاد می کنی

خواهد غبار من که بیفتد بدامنت
گردم سرت بگو توچه ارشاد می کنی

دانسته ام که در نظر تست مرگ من
بامن که شرح قصۂ فرهاد می کنی

رنجد ز نالۂ تو دل نازک حبیب
صابر خموش باش چه فریاد می کنی

اشعار ریختہ

عصیاں کی دولت اب تم خجلت سے بعد مرگ
اٹھنا مرے غبار کو دشوار ھو گیا

محفل میں میں تو اس لب میگوں کے سامنے
نام شراب لے کے گنہ گار ھو گیا

(مطلع)

نظارہ برق حسن کا دشوار ھو گیا
جلوہ حجاب دیدۂ بیدار ھو گیا

حائل ہوئی نقاب تو ٹھہری نگاہ شوق
پردہ ھی جلوہ گہ رخ یار ھو گیا

معلوم یہ ھوا کہ ھے پرسش گناہ کی
عاصی گنہ نہ کردہ گنہ گار ھو گیا

اس کی گلی میں آن کے کیا کیا اٹھائے رنج
خاک شفا ملی تو میں بیمار ہو گیا

پیری میں ہم کو قطع تعلق ہوا نصیب
قامت خمیدہ ہوتے ہی تلوار ہو گیا

ہے غلط انداز کشتی ہستیٔ موہوم آہ
اس کی دولت سے جو اپنا تھا وہ بیگانا ہوا

ہے بنائے خلق اک ہنگامہ پردازی تری
منزوی ہونے پہ بھی کیا معرکہ آرا ہوا

ہے نگاہ آشنا کو ہر جگہ جلوے سے ربط
دیر بھی کعبہ تھا جب میں ناصیہ فرسا ہوا

تیری رہ میں جان دینی ہے حصول زندگی
نقش پا زیر قدم مٹتے ہی پھر پیدا ہوا

لب تلک آ کر سخن پھر جاتے ہے دل کی طرف
حرف یاں کس کا زبان نطق کو سرما ہوا

صفحۂ ہستی پہ یاں ہرگز نہ تھا حرف دوئی
نیستی کس کے مٹانے کا تجھے سودا ہوا

ماہیت اپنی جو سمجھی راز تیرا کھل گیا
ہم کو اپنا ہی گریباں دیدۂ بینا ہوا

میں ہوں خود دریا ولے کوتہ نظر کے سامنے
ظرف موج و قطرہ میرے رخ کا اک پردا ہوا

بند کر ناداں زباں کو حق کو سب کہتے ہیں تلخ
لب کے وا کرنے پہ یاں منصور کیا رسوا ہوا

گہ حرم میں اور گاھے دیر میں دیکھا اُسے
طورِ ہرجائی پنے کا اُس پہ کیا زیبا ہوا

وصل سے عاشق نے پایا مرتبہ معشوق کا
قطرہ خود دریا ہوا جب واصلِ دریا ہوا

ختم ھیں نیرنگیاں تجھ پر کہ تیرے حسن سے
اتنی بیرنگی پہ کس کس رنگ کا جلوا ہوا

ھائے پہنچا نہ گیا قیدِ خودی سے اُس تک
اپنے ھی دام سے چھٹنا مجھے دشوار رہا

مجھ میں اور اُس میں ھے آئینہ و تمثال کا ربط
دور بیٹھے پہ بھی پاس اپنے وہ دلدار رہا

مجھ کو حسرت کے نکانے نے نکالا گھر سے
ناتوانی سے سبک کیا یہ تنِ زار رہا

خفتہ بختی بھی عجب مایۂ آگاھی ھے
طالعِ غیر کے مانند میں بیدار رہا

منہ پہ کہہ دیتے ھیں جو دل میں ھے آئینہ نمط
تم ہٹے اور نہ یاں دل میں کچھ اے یار رہا

خشک جب پایا دھانِ زخمِ دلِ نخچیر کا
آب کا قطرہ بنا پیکان تیرے تیر کا

خوف کیا آھن دلوں کو آہ کی تاثیر کا
شمع کے شعلے سے منہ مڑتا نہیں گل گیر کا

آگ ھے گویا کہ خونِ گرم اُس نخچیر کا
سوکھتا ھے یاں تک آتے دم تری شمشیر کا

آتش دل کے سبب دست مصور میں بنا
کاغذ آتش زدہ صفحہ مری تصویر کا

مثل زر تیری کدورت سے مری رنگت ہے زرد
حکم رکھتا ہے ترے دل کا غبار اکسیر کا

تو تو کیا دیوار زنداں بھی نہیں رکھتی ہے کان
ہے گراں کچھ اس قدر نالہ مری زنجیر کا

تیرہ بختی کا کھلا عقدہ نہ اُس سے مثل شب
ماہ نو ہے گوئیا[1] ناخن مری تدبیر کا

لطف سوزش کو کہوں یا درد کی لذت کو ھائے
دل کے ایک اک داغ پر ہے زخم سو سو تیر کا

ہے فغاں کو کیا زباں درکار وقت پیچ و تاب
بے زباں نکلے ہے منھ سے نالہ ھر زنجیر کا

اس کی آنکھیں خوبیٔ جوھر پہ رھتی ھیں مدام
ہے چرا گاہ غزالاں سبزہ اُس شمشیر کا

عمر بھر چھوٹے نہ ھرگز کشمکش کے دام سے
ھم جسے سمجھے تھے ھستی دام تھا تزویر کا

ظالموں کے واسطے کج طینتی بھی حسن ہے
خوبیٔ ترکیب میں داخل ہے خم شمشیر کا

رسائی غیر کی مشہور تجھ تلک ہے ولے
مرا ھی دل میں ترے جب نہ تب غبار آیا

میں اس کی آنکھ میں کیا پاؤں گا جگہ صابر
مری نظر میں مرا جب نہ جسم زار آیا

---

۱ - گویا -

ہماری خاک میں اتنی کہاں رسائی ہے
نہ جانیں دل میں ترے کس طرح غبار آیا

چھپنے سے بڑھا شوق وگرنہ کبھی اتنا
ملنے کا ترے پہلے تو کچھ دھیان نہیں تھا

کہتے ہیں کہ ہے واہمہ خلاق یہ سچ ہے
جس جا پہ گیا وہم ہمارا تو وہیں تھا

خفت سے مرا پلہ یہ اونچا تھا کہ مجھ سے
نیچا کئی فرسنگ سر عرش بریں تھا

وہ ہی بت قاتل ہے جس کو عمر بھر پوجا کیے
ڈر ہے کیا منہ لے کے جاؤں داور محشر کے پاس

ہوتا ہے فیض اہل توکل کو غیب سے
اک قطرہ بحر سے نہیں لیتی کبھو صدف

اہل صفا کے ربط سے بڑھتی نہیں ہے شان
پاتی نہیں گہر سے کبھی آبرو صدف

رخ کی اس گرمی پہ مژگاں کے کجی ہے وہ ہی
آب سے بھی تو نکلتے نہیں اس تیر کے بل

بے رنگیوں[1] سے اپنی ہیں رنگ کی نمودیں
باغ جہاں میں گویا فصل بہار ہیں ہم

گر کچھ وہ منہ لگاتا تو دیکھتے تماشا
اس قہر پر تو جاتے واں بار بار ہیں ہم
وحشت کے کام سارے اس ضعف نے چھڑائے
بیٹھے ہیں یوں کہ گویا نا کردہ کار ہیں ہم

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ : نیرنگیوں (ص ۳۱۳)

اک برق سی چمکتی ہے رہ رہ کے سامنے
وہ برق وش قریب کہیں میہماں نہ ہو

کیوں کر بچوں میں دست اجل سے جو ضعف سے
پوشیدہ یوں نظر سے تن ناتواں نہ ہو

اے موت ابھی نہ آ کہ ہوس وہ نکال لے
قاتل کی آرزوے ستم رائگاں نہ ہو

پہلے تو اس کو اتنی جفاؤں کا تھا نہ شوق
تاب و تواں کا اپنی ھی یہ امتحاں نہ ہو

تھمتی نہیں ہے خون کی دھار اس سے ایک دم
خنجر ترا مری مژۂ خوں چکاں نہ ہو

اس سن میں جائے دیتے ھیں انساں کو آنکھ میں
جوں طفل اشک چاھیے ہرگز جواں نہ ہو

اس کو کہاں چھپاؤں کہ رخ کے فروغ سے
آئے خیال میں بھی تو ہرگز نہاں نہ ہو

مرتا ہوں قبر میں بھی اسی خوف سے کہ ھاے
پوشیدہ زیر خاک کہیں آسماں نہ ہو

ایسا گداز غم نے گھلایا کہ مثل شمع
گر تن میں ڈھونڈھیے تو کہیں استخواں نہ ہو

لوں ھاتھ سے جہاں کے سخن میں پناہ کیا
اس جا زمیں تو ہوگی اگر آسماں نہ ہو

آنکھوں پہ میری چل کے وہ اغیار سے چھٹے
پائیں سراغ کیا جو قدم کا نشاں نہ ہو

خوش طالعوں کو قید تعلق نہیں پسند
ورنہ ہما اور اُس کے لیے آشیاں نہ ہو

دیکھو تو ضد کہ مرتے ہی کرتے ہیں مجھ کو دفن
تا ایک شب بھی مردہ مرا میہماں نہ ہو

صابرؔ گیا تھا کعبے، پر اب تک نہیں پھرا
رستے میں مل گیا کہیں پیر مغاں نہ ہو

اول مرے ہی بخت کو جا کر کیا سیاہ
دود فغاں چڑھا جو مرا آسماں پہ کچھ

مجھ کو بسان نقش قدم چھوڑ کر چلے
صابرؔ نہ اعتماد رہا ہمرہاں پہ کچھ

مجھ کو جگہ کہاں ہو کہ آتا نہیں نظر
دل میں ترے تو غیر سے خالی مکاں مجھے

مجھ سے ہی چاہتا ہے وہ ہر ہر ستم کی داد
سمجھا ہے اپنے ظلم کا اک قدر داں مجھے

جاؤں کدھر میں بچ کے کہ رکھتا ہے پائمال
ظالم ادھر تو اور اُدھر آسماں مجھے

ظالم جفاکشی کی ہوس تو نکال لوں
تجھ سا ستم شعار ملے گا کہاں مجھے

کہتا ہوں اضطراب میں ایک اک سے حال دل
رسوا کرے گی خلق میں میری زباں مجھے

اتنا یہ بار غم جو نہ کرتا گراں مجھے
ساتھ اپنے چرخ تک لیے جاتا فغاں مجھے

رسوائیوں کے شوق نے ہرگز نہ مثل بو
غنچے میں بھی دیا کبھی رہنے نہاں مجھے

نقش قدم تلک نہیں رکھتی رہ عدم
ملتا وگرنہ قافلۂ رفتگاں مجھے

اس چرخ بے دماغ نے سوسن کی طرح سے
رکھا خموش دیں بھی اگر دس زباں مجھے

اس اضطراب دل سے میں اٹھتا ہوں چونک چونک
حاصل ہوئے نہ مر کے بھی خواب گراں مجھے

اتنا تو ناتواں ہوں میں اے بدگماں کہ شوق
ساتھ اپنے کھینچ کھینچ کے لایا یہاں مجھے

مرگ شب وصال کی خوبی ہے ورنہ یار
رکھتا نہ گھر میں تا بہ سحر میہماں مجھے

چھپتا پھروں ہوں خلق کی نظروں سے پر فلک
کرتا ہے بوے گل کی طرح سے عیاں مجھے

پیری میں جانتا ہے ممد ہر جواں مجھے
قد نے خمیدہ ہو کے بنایا کماں مجھے

جھچکے نہ پا تک آتے ، سراپا میں کیوں سخن
دکھلائی دے نہ بیچ میں جب وہ میاں مجھے

خواب عدم سے چین ملا مجھ کو بعد عمر
بیدار کر نہ دے کہیں یہ نوحہ خواں مجھے

کیا ہم کلام ہوں کہ خدا نے بنا دیا
اے یار بے دہاں تجھے اور بے زباں مجھے

ہوں میں بھی اپنے شیشۂ دل کی صفا سے تنگ
مشکل ہوا ہے راز کا رکھنا نہاں مجھے

چھوڑا نہ تیرے تیر نے یاں مرغ نام کو
بے جاں دکھائی دیوے ہے زاغ کہاں مجھے

میں بھی ہوں اس کی راہ میں گویا کہ نقش پا
پایا وہیں ہے چھوڑ گئے تھے جہاں مجھے

دل میں بھی دی جگہ تو کدورت کے ساتھ دی
رکھتے ہیں خاک میں ہی ملائے بتاں مجھے

ناخن غم نے کیا مثل نگیں مجھ کو کہ ہے
سینہ کاوی سے مری نام تمھارا باقی

چلتے چلتے ہے کٹی عمر ہمیں مثل نفس
اور رہا منزل مقصود کا رستا باقی

ہے ہجوم نگہ شوق ترے رخ پہ نقاب
بے حجابی میں بھی اب تک ہے وہ پردا باقی

تیغ کھینچے ہوئے ابرو ہے مرے سر پہ ولے
ہے فقط چشم سخن گو کا اشارا باقی

لاغری نے یہ کیا گم کہ جہاں میں اپنا
نام ہی نام رہا صورت عنقا باقی

ہوں وہ سے کش کہ ہوا میرے ہی انگور میں صرف
تھا جو منصور کے خوں کا کوئی قطرا باقی

هم نشیں لطف شب وصل تو تھا ہی کہ مجھے
یہ گماں تھا کہ رہے کچھ نہ تمنا باقی

پر کہوں کیا دم رخصت جو مزا تھا کہ مرے
دل میں ارمان ہے اُس لطف ادا کا باقی

رات بھر جاگنے سے نیند کا آنکھوں میں خمار
اور کچھ کچھ اثر نشۂ صہبا باقی

بھینی بھینی سی رنگت، وہ پریشاں ترکیب
لب پہ بد رنگ سا کچھ پان کا لاکھا باقی

آنکھ کے ڈوروں میں کم کم سی وہ سرخی کی نمود
تھوڑا تھوڑا سا اک انداز سے مرما باقی

ایک اک گام پہ بل موے کمر میں سو سو
کاٹنا شاق نزاکت سے وہ رستا باقی

اب نہ وہ شب کا مزہ اور نہ وہ صبح کا لطف
رہ گیا اک کف افسوس کا ملنا باقی

کچھ نہ پوچھو قرطحرماں کو کہ میرے حال سے
درد ہے سو داغ ہے، حسرت ہے سو مایوس ہے

حال میرا تجھ سے کہہ دیتا ہے اے عالم فریب
جو مرا ہم راز ہے گویا ترا جاسوس ہے

ہوں وہ لاغر کہ اُڑاتی ہے صبا کوسوں تک
بوے گل جان کے ہر جانب گل زار مجھے

دیر میں آکے ہوئے اور ہی جلوے سے دو چار
مل گئی رہ جو ضلالت سے بڑا کار مجھے

مجھ کو ساماں کے نہ ملنے سے ہوئی افزایش
کیا بنایا تھا تمنائے خریدار مجھے

صاحب

صاحب تخلص ، شیر زماں خاں ، نبیرۂ یکتاے روزگار وحید شہر و دیار ، حافظ عبدالرحمان خاں احسان تخلص غفراللہ لہ ۔ جناب مرحوم کی اوقات حیات میں اصلاح شعر آسی جناب تقدس مآب سے لیتا رہا ۔ جب اس نفس مقدس نے سفر ملک آخرت اختیار اور مستفیدان اعتقاد منش کو اپنی مفارقت ناگزیر کے اندوہ و الم سے ہم کنار کیا ، شیخ ابراهیم ذوق مرحوم سے استفادۂ سخن کیا ۔ مرد خوش اخلاق و نیک نہاد ھے ۔ یہ دو تین شعر اس کے نتائج افکار سے ھیں :

شرمندہ ھے ناکامیٔ فرھاد سے اتنا
ھرگز کبھی تیشے کا سر اوپر نہیں ھوتا

کس کس کو میں بتاؤں کہ بار غم فراق
دل پر نہیں ، جگر پہ نہیں ، جان پر نہیں

ذرا آنکھوں میں رکھنا اس کو صاحب
کہیں یہ طفل اشک ابتر نہ ھووے

صادق

صادق تخلص ، محمد عزیز الدین ولد مولوی اساس الدین نبیرۂ کملاے دھر ، حافظ ابو الموید خاں مرحوم تغمدہ اللہ بغفرانہ ، برادر حقیقی محمد سعید الدین سعید ۔ ھر چند وطن اصلی اس کا بدایوں ھے لیکن عرصۂ دراز ھوا کہ انقلاب روزگار نے زمین فیض آگیں شاہ جہان آباد حرّ سہا اللہ عن الشرو الفساد

پر برات روزی مقرر کر کے اس گل زمین کو وطن بنا دیا۔ سنین عمر اس گزیدہ اطوار کے تیس اور اوصاف حمیدہ هزار در هزار هیں۔ سابق مناسبت نام سے عزیز تخلص تها ؛ اسی واسطے بعض غزل کا مقطع اس تخلص کے زیور سے مقطّع هے۔ استفادہ اس فن کا مرزا اسد اللہ خاں غالب سے کیا هے۔ یہ چند شعر اس کے نتائجِ افکار سے هیں :

اس تنگ نائے دهر میں هم جس کو اے عزیز
دل دار سمجھے تھے وہ دل آزار هو گیا

رهے تا بعد مردن بھی علامت جذب کی باقی
بنایا سنگ مقناطیس سے صادق کے مدفن کو

هم دم ذبح تجھے بھر کے نظر دیکھ تو لیں
کاش کے تیز ترا خنجر خوں خوار نہ هو

لے گئی دل اک نگہ میں اس کی چشم نیم خواب
مست هم سمجھے تھے اس کو پر بہت هشیار هے

اک نگاہ ناز سے هے کام یاں اپنا تمام
قتل کرنے کو مرے کیا تیر و پیکاں چاهیے ؟

صادق

صادق تخلص، تہور بیگ۔ وطن آبا و اجداد اس نیک نہاد کا شمس آباد هے کہ ایک معمورہ هے قریب فرخ آباد کے۔ مسکن و موطن افاغنہ، اور مولد اس کا شاہ جہاں آباد۔ سنا گیا کہ زمرۂ سواران بادشاهی میں منسلک هے۔ شعر ریختہ کہتا هے۔ یہ ایک شعر اس کی غزل سے منتخب هوا :

آوارگان عشق کو مانند گرد باد
اک جا قرار ہو تو کوئی جستجو کرے

صادق

صادق[1] تخلص شیخ محمد صادق قریشی۔ سنین عمر چالیس سے متجاوز اور میر نظام الدین ممنون سے فن سخن میں تلمذ۔ چھ سات مہینے کے عرصے سے مفقود الخبر ہے۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے:

یوسف کو خاک کیجیے ملجا نیاز کا
اس میں نہ یہ جفا نہ یہ انداز ناز کا

نے جنگ ہی کا طور نہ کچھ صلح ہی کے ڈھنگ
ساماں نہ سوز کا ہمیں حاصل، نہ ساز کا

صالح

صالح تخلص، مرزا مصلح الدین، فرزند ارجمند مرزا حسین بخش۔ حضرت ظل سبحانی کا نواسہ اور مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد خلیفۂ دوراں کا ہمشیرہ زادہ ہے۔کتب فارسی کی سواد روشن اور خاطر کو شگفتگی سے رشک گلشن رکھتا ہے۔ ریختہ گوئی میں مرزا پیارے رفعت تخلص سے تلمذ ہے۔ یہ چند شعر اس خوش فکر کے تحریر ہوتے ہیں:

نکلتی جان تو کیوں کر نکلتی
کہ دم تو یار میں اٹکا ہوا تھا

---

۱ - نسخۂ نول کشور (ص ۳۱۶) 'تخلص'

وہ لوگ کون تھے کہ جو برسوں ستم سہے
اپنا تو دو ہی دن میں عجب حال ہو گیا

ہم خاک ہوئے تو بھی رکھی چھیڑ صبا نے
نکلی نہ کسی طرح سے آرام کی صورت

دل اس سے پھیر تو لیتا میں ناصح مشفق
پہ کیا کروں کہ نہیں ہے یہ اپنے بس کی بات

مانا یونہی ہے آپ نے مجھ سے جو کچھ کہا
لیکن زبان خلق کی تدبیر کیا کروں

ہم کو تو دل لگی میں اُٹھیں ہیں حلاوتیں
سو دل خدا جو دیوے تو سو جا لگائیے

زندگی کی نہیں صورت نظر آتی ابکی
درد دل میں یہ اُٹھا ہے کہ خدا خیر کرے

صبر

صبر تخلص اجودھیا پرشاد، قوم کا سیتھ، ساکن شاہ جہان آباد، جوان خوش مزاج، حلیم طبع، نیک نہاد۔ اوایل میں منشی بسنت سنگھ نشاط اور بعد اس کے شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لیتا تھا۔ پھر ایک مدت کے بعد مومن خاں مرحوم سے اعتقاد بہم پہنچا کر غزل ان کی نظر سے گزراننے لگا۔ یہ چند شعر اس کے انتخاب ہوئے:

ہمیں گماں کہ وہ آئے ہمارے قابو میں
انھیں یقیں کہ مرے ہاتھ اک شکار آیا

خزاں کے روز تو رو رو کے باغ میں کاٹے
پھنسے قفس میں جو اب موسم بہار آیا

دل لگانے کو بتاتا ہے تو مشکل ناصح
تیرے نزدیک چھڑانا مگر آسان ہوگا

کس بھروسے پر کریں ترک صنم واعظ بتا
نام ہی سنتے ہیں منہ دیکھا ہے کس نے حور کا

زیست کم حسرت بہت کس کس کا شکوہ کیجیے
طالع خوابیدہ کا یا دیدۂ بیدار کا

صبر کب دیتے تھے ہم اس کا کل پیچاں کو دل
آپ سے مانگا تو پھر موقع نہ تھا انکار کا

زاہد تجھے خبر ہی نہیں یہ بتان دہر
ملتے ہیں اس سے جس پہ خدا کا کرم ہوا

سیر دیکھی نہ تڑپنے کی مرے
مرگ آساں نے پشیمان کیا

خط لے چلا ہے تو مگر دے اسے جس دم
رکھ لیجو مرے نام پہ اے نامہ بر انگشت

لے گیا خط کی جگہ راکھ کی چٹکی قاصد
مشتعل تھا جو مرے گرم سخن کا کاغذ

مانگا جو جواب اس سے تو خط کے مرے پرزے
قاصد کو دیے ناز سے دو چار اٹھا کر

کوئی وحشی نہ پھٹکتا تھا یہاں قیس کے بعد
ہم نے آباد کیا پھر سے یہ ہامون آ کر

گم ہوئے ایسے کہ اک حرف نہ آیا لب پر
رہ گیا دل میں دہن کا ترے مضموں آ کر

دو جہاں ہوتے ہیں ایک ایک قدم پر پامال
کوئی آفت ہے ہمارے ستم ایجاد کی چال

بدنامیاں ہیں باعث نام آوری یہاں
ہم جانتے تھے عشق میں کچھ عزو شاں نہیں

صبور

صبور تخلص ، شیخ معین الدین ۔ ابن شیخ محب اللہ ، وطن اصلی اس کا ایک موضع ہے مواضع نار نول سے ، لیکن اب چند مدت سے قبائل و عشایر کے ساتھ مقیم شاہ جہان آباد ہے ۔ گاہ گاہ فرنگیان پٹن کی تعلیم کی تقریب سے اطراف ہندوستان کا سفر اختیار کر کے وجہ معاش کی تحصیل میں سرگرم رہتا ہے ۔ مرد سنجیدہ اور موزوں طبع ہے ۔ یہ شعر اس کا اسی کی زبان سے سنا گیا :

در پیچ و خم کوچۂ گیسوے تو ہر دل
از کش مکش شانہ چگویم کہ چہا رفت

صدر

صدر تخلص ۔ محمد صدر الدین ، علوی نسب ۔ سولہ سترہ برس کے سن میں وارد دھلی ہو کر چندے تحصیل ہنر میں ساعی ہوا ، اب ہم صحبتان لاابالی کی ہم نشینی سے شوق شناوری

اور ہوس شکار اس کے مزاج پر غالب ہے ۔ گاہ گاہ شعر بھی موزوں کرتا ہے ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

کرتا نہیں ہے تو جو ادھر منھ تو زلف نے
کیا جانیے کہ کان میں کیا کہہ دیا ترے

صدق

صدق تخلص ، شیخ محمد اشارت علی خلف شیخ نوازش علی ، نبیرۂ نواب ابو محمد خاں کمبوہ ساکن قدیم میرٹھ ۔ مرد نیک نہاد خوش اخلاق اور شیوۂ مہر و وفا میں شہرہ آفاق ہے ۔ فن شاعری سے مناسبت طبیعی اور تاریخ گوئی میں مہارت تام ہے ۔ یہ چند شعر اس کے انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے :

اے صدق ضعف سے مری آواز بند ہے
اس بد گماں کو وہم کہ مغرور ہو گیا

فکر مضموں سے چھٹا صدق تو ہے فکر معاش
سر پہ رہتا ہے ہمیشہ مرے بار ایک نہ ایک

فروغ اپنی جسے منظور ہو آفت میں رہتا ہے
کہ اک آتش لگی رہتی ہے دائم شمع کے سر میں

یہاں تک شمع رویوں کو مری قربت سے نفرت ہے
کہ گل ہو وے چراغ و شمع گر آئے مرے گھر میں

اگر اسباب عشرت بھی میسر ہو تو جلتا ہوں
کہ مے اک آگ ہو جاتی ہے آ کر میرے ساغر میں

میں کہاں ، وہ کہاں ، کہاں جلسے
چشم بد لگ گئی مقدر کو

صغیر

صغیر تخلص ، زبدۂ جوانان متین میاں نجم الدین ، خلف سر کردۂ شعرائے نام ور ، شاہ نصیر علیہ الرحمۃ ۔ برتریٔ حیا گوہر شاداب کی موج سے برتر اور گرانیٔ حلم گوہر نایاب کی قیمت سے ہم سر ۔ اخلاق حمیدہ کو اس کی ضمیر صافی سے ارتباط اور اوضاع پسندیدہ کو اس کی طبع کریم سے اختلاط ۔ کلام کی شیرینی سے اعتراض کا لب بند اور مضامین کی غرابت سے ہر بیت دل پسند ۔ خلق و مروت میں یگانہ اور لطف و کرم میں یکتائے زمانہ ۔ سلامت روی کے اقتضا سے گوشہ گزینی میں مجبور اور صفائی وقت کی طلب میں صحبت اہل روزگار سے نفور ۔ بالفعل دو تین شعر کے سوا کچھ اس کے نتائجِ افکار سے دست یاب نہ ہوا :

گریہ اے پردہ نشیں چھپ کے کیا کرتے ہیں
غم دوری میں بھی ہم پاس وفا کرتے ہیں

آہ ، صحبت ہوئی کیا شبنم و گل کی باہم
جتنا روتا ہوں وہ اتنا ہی ہنسا کرتے ہیں

صغیر دیکھ تو دریا پہ بھی نصیب ہے شرط
پیاس سے لب ساحل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

صفا

صفا تخلص ، مرزا سعید الدین عرف مرزا ننھے ، کہیں برادر مرزا رحیم الدین حیا ؛ صاحب ذہن سلیم اور طبع حلیم ،

دقائق سخن کو اپنے برادر بزرگ سے کسب کیا کرتے ہیں۔ ابتدا میں روا تخلص تھا، اب صاف طینتی سے صفا مقرر کیا۔ جیسا بہ اعتبار سن کے جوان ہے بہ اعتبار شوخیٔ طبع اور برجستگیٔ مضامین کے بھی جوان ہے۔ فکر کی رسائی اور طرز سخن کی دل کشائی احاطۂ بیان میں نہیں آ سکتی۔ یہ چند شعر اس نیکو نہاد کے مرقوم ہوئے:

پوچھتے ہیں کہ کہاں رہتے ہو اور جانتے ہیں
کہ بہ جز دشت ٹھکانا نہیں دیوانوں کا

روز کے ظلم و ستم انصاف کر
چرخ اتنا دم کہاں انسان میں

گھر میں بیٹھے ہیں اور اتنا نہیں کہتے منہ سے
کون ٹکرائے ہے دیوار سے سر دیکھو تو

لیے پھرتی ہے در بہ در مجھ کو
یاد اس کاکل پریشاں کی

اے صفا اس کو تو غنیمت جان
جو گھڑی کٹ گئی مصیبت کی

مانا کہ وہ بے رنج ہے اور راحت جاں ہے
کچھ ہو یہ صفا جی کا لگانا ہی زیاں ہے

صفا

صفا تخلص پیرن شاہ، ولد مشائخ خدا آگاہ رتن شاہ مرحوم۔ حلم و حیا سے آراستہ اور خلق و مروت سے پیراستہ۔ فن سخن میں شیخ ابراہیم ذوق کے شاگردان با استعداد اور

اور راقم کے دوستان صادق الوداد سے ہے ۔ یہ چند شعر اس حق پژوہ کے مرقوم ہوئے :

روئے ہم کلبۂ احزاں میں جو تنہا ہو کر
بہہ گیا۔چشم سے دل خون کا دریا ہو کر

ہم کو یہ ڈر ہے کہ پھر طوفاں کہیں بر پا نہ ہو
ڈھنگ تیرے آج کچھ اے دیدۂ تر اور ہیں

میں نے بوسہ طلب کیا تو کہا
یہ خرابی ہے منھ لگانے میں

چپ رہیے خدا کے لیے اے حضرت ناصح
اس وقت خدا جانے مرا دھیان کہاں ہے

جی میں ہے سو رہیں کچھ کھا کے کسی روز صفا
تنگ ہم آئے ہیں ہر روز کے غم کھانے سے

صفدر

صفدر تخلص ، صفدر بیگ ، ولد حیدر بیگ ، ساکن قدیم کرنال ۔ کتخدائی کی تقریب سے چند سال ہوئے کہ خاک پاک شاہجہاں آباد میں مقیم اور مشق سخن میں سرگرم ہے ۔ با وصف نو مشقی کے استعداد کا رنگ اس کے کلام سے جھلکتا ہے ۔ یہ شعر اسی کی زبان سے مسموع ہوئے :

میں اگر دل کھول کر روتا تو کیا ہوتا کہو
ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا تھا سو دریا ہوا

کیوں لگی ہے دیر یارب اب تلک آیا نہیں
حال قاصد کا مرے کیا جانیے واں کیا ہوا

پلاتے مے نہ عدو کو نہ مجھ کو رشک آتا
جگر نہ سینے میں جلتا نہ دل تپاں ہوتا

یہ دل کی آگ دکھائے گی رنگ کیا صفدر
کہ میرے سینے کے باہر نہیں دھواں ہوتا

بوسہ مانگا تو وہ کہنے لگے صفدر افسوس
اب تلک تم مری عادت سے خبردار نہیں

پیتے کسی کو دیکھیں ہیں جب ہم شراب کو
پیری میں یاد کرتے ہیں عہد شباب کو

آرام تھا گلی میں تری نقش پا کی طرح
ظالم اٹھا کے کیوں مری مٹی خراب کی

اس طرح سمجھا مجھے ناصح کہ دل سمجھے مرا
پند کرنا اور ہے اور سر پھرانا اور ہے

دل نہ کیجو تو حسرتیں برباد
عمر بھر کی مری کمائی ہے

صفدری

صفدری تخلص ، میر صادق علی ، کہین برادر حقیقی میر نظام الدین ممنوں ۔ جوان وجیہ ، خوش رو ، خلیق ، برد بار ، تیز طبع ، خوش فکر ۔ ایسا جوان یوسف طلعت اگر آسمان سو گردش کرے عرصہ وجود پرخراماں نہیں کر سکتا ۔ افسوس کہ اس تنگ چشم ، کم حوصلہ نے نہ چاہا کہ یک چند دیدۂ روزگار اس کے جلوۂ رخسار سے نوریاب رہے ۔ بہت جلد اس کے مرقع جمال کو درہم اور اس عالم تصویر کو

صفحۂ ہستی سے محو کر دیا ۔ اس کا قصہ عالم میں مشہور ہے ۔ مختصراً یہ ہے کہ اس کے گھر کے قریب ایک نشست گاہ تھی ، احباب ایک وقت معین پر وہاں فراہم ہو کر سخنان دل پذیر سے باہم ضیافت طبع کرتے تھے ۔ ایک روز سر شام ایک جوان جہالت سرشت ، چندر بھان نام قوم پنڈت بھی حاضر وقت تھا ؛ ایک امر سہل پر قصہ بڑھ گیا اور اس ظالم بیداد کیش نے اس نوجوان گرم و سرد روزگار نہ دیدہ کے جسم نازک کو لباس خون سے مزین اور زیور زخم سے آراستہ کر دیا ، اور کم بخت یہ نہ سمجھا کہ چشم کوکب اگر تا ابد انتظار میں وا رہے گی ، پھر ایسا جمال آشنائے نظر نہ ہوگا ۔ جب تک دوست آشنا خبردار ہوں ، یہ سید عالی نسب حدیقۂ جناں میں خراماں ہو کر اپنے جد والا مقام کے سایۂ الطاف میں آسودہ ہو گیا اور یزید کردار گرفتار ہو کر بعد اثبات خون کے مطوق اور مسلسل گوشۂ زنداں میں بوس ابدی ہوا ۔ یہ قتل خون سیاوش سے بھی زیادہ چندے اہل روزگار کے واسطے سرمایۂ عبرت رہا ۔ ہر چند اس سانحے کو عرصہ دراز ہوا لیکن داغ اس کا سینۂ بے کینہ پر ہنوز تازہ ہے ۔ یہ چند شعر اس کے بہ طریق یادگار لکھے جاتے ہیں :

نہ معلوم پڑا پائے حنائی کس کا
چہچہاہٹ ہے حنا کی سی ، گل قالیں پر

ہاتھ مت رکھ دل پر آتش و بے تسکیں پر
نہ پھپولے کہیں پڑ جائیں کف سیمیں پر

شاید نسیم مصر کا آتا ہے قافلہ
خوشبو کی اک لپٹ سی ہے بیت‌الحزن کے پاس

نہیں معلوم دل میں صفدری کے درد کیسا ہے
کہ ہر دم ہاتھ سینے پر وہ بے تابانہ رکھتے ہیں

صفدری سینے میں دل کوئی ملے ڈالے ہے آج
منع مت کر متصل کرتا ادر فریاد ہوں

صفدری قد کو کہیں اس کے کہا تھا کل 'سرو'
سیدھی اُس شوخ نے کیا کیا نہ سنائیں مجھ کو

آنکھ اپنی یہ کس کے در دنداں پہ پڑی ہے
جو اشک مسلسل ہے سو موتی کی لڑی ہے

ہے شکایت یہی کہ غیروں نے
آ شکایت ہماری آپ سے کی

صفوت

صفوت تخلص میر صفوت علی ، ساکن قدیم لہاری ، کہ مدت دراز حضرت اجمیر میں معتکف ہو کر روح مطہر پیشوائے سلسلۂ چشت خواجہ معین‌الدین رحمۃاللہ علیہ سے فیض یاب ہوئے اور اب سات مہینے کے عرصے سے وزیر آباد کی چھاؤنی کے قریب ایک موضع غیر مشہور میں منزوی ہیں ۔ کتب حدیث کو علماء مکہ سے پڑھا ، اشعار متصوفانہ زبان فیض ترجمان سے سامعہ افروز اور طالبان حقیقت کے دل سے ظلمت سوز ہوتے ہیں ۔ یہ دو شعر ایک مرید با اخلاص کی زبانی مسموع ہوئے[۱] تھے :

---

۱ ۔ نسخۂ اول (ص ۲۳۱) میں ''ہوئے'' کے بعد ''سے'' ہے جسے ''تھے'' پڑھا جا سکتا ہے ، نسخۂ دوم میں نہیں ہے۔

اے از همه برون و هم‌آغوش باهمه
گشتی زما جدا و نگشتی جدا هنوز

چون مے زشیشه حسن تو بیرون دهد فروغ
در پردهٔ و بانگهے آشنا هنوز

صفیر

صفیر تخلص ، زبدۂ خاندان اهلیت ، آسوۂ دودمان مروت ، یگانۂ دوراں ، میاں جان ۔ جامۂ خلق و حلم اس نیک طینت کی قامت پر راست اور ودیعت سعادت و اهلیت اس کے گنجینۂ طبیعت میں بے کم و کاست ۔ موزونی کے ساتھ مناسبت تمام اور سخن کا مذاق مالا کلام ۔ مشورہ اس فن کا اکثر مومن خاں مرحوم سے رہا ۔ یہ شعر اس کے نتائج طبع سے مرقوم ہوتے ہیں :

کیا خبر تھی کہ اسی گھر پہ پڑے گا جاکر
بد دعا کرتے نہ گھر غیر کا ویراں ہوتا

لب شیریں کے جو بوسے سے نہ ہوتے لب بند
ہم سے ہرگز بھی ترا راز نہ پنہاں ہوتا

جو دل میں یار کے بیٹھا ہے ایک مدت سے
عجب ہے لطف جو ہووے یہی[۱] غبار اپنا

نہ تم سے ترک جفا اور نہ ہم سے ترک وفا
نہ اختیار تمھارا نہ اختیار اپنا

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ : وهی (ص ۳۲۲)

کہتے ہو جان جائے تری اور تمھیں ہو جان
ہے ہے خدا نخواستہ یہ تم نے کیا کہا

چڑھتے ہیں ہزاروں گل تربت پہ صفیر اپنی
مرنا مرا بلبل کی قسمت میں لکھا ہوتا

اے رشکِ گل صفیر کو کیا جانے کیا ہوا
تیری گلی میں آج صدائے حزیں نہیں

ہوا ہو سہو تو پھر خوب یاد کر لیجے
کہ رہ نہ جائے کوئی جور امتحاں کے لیے

کچھ ایسا مضطرب ہے نالۂ شوق
گرہ کھلتی نہیں بند قبا کی

صفیر

صفیر تخلص، میر امداد علی۔ اس کا حال کچھ اور معلوم نہیں ہوا۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے، سو مرقوم ہوئے:

وہاں تو عیش میں سر مست خواب ناز ہو تم
تڑپ تڑپ کے گذرتی ہے یاں ہماری رات

صفیر میری شب ہجر ہے مہیب ایسی
کہ چاندنی نہیں آتی ہے گھر میں ساری رات

صفی

صفی تخلص، محمد صفی اللہ، ساکن شاہجہاں آباد، پچیس چھبیس برس کی عمر ہے اور صرف و نحو کی تحصیل میں مصروف،

لیکن گاہ گاہ اشعار ریختہ کا بھی فکر کرتا ہے۔ اول لغات مشکلہ و غیر مانوس سے زمین سخن کو سنگ لاخ سے صعب گزار تر کر دیتا تھا ، لیکن اب سخن سنجان صاف گو کا کلام دیکھ کر اس طرز کو ترک کیا ۔ چند روز سے اس کے اشعار میں کچھ صفائی بہم پہنچتی جاتی ہے ۔ اس مناسبت کے ساتھ اگر کسی سے مشورہ بھی کرے اور جہل طالب علمانہ سے نجات پا کر اس راہ میں چلنے کو سہل نہ سمجھے تو یقین ہے کہ کچھ راہ پر آ جائے ۔ یہ ایک شعر اس کا قابل تذکرہ معلوم ہوا :

اللہ ہر اک دل کے ہے احوال سے آگاہ
گر نالہ فلک رس نہیں اپنا تو نہ ہووے

صلاح

صلاح تخلص ، محمد صلاح ، کشمیری الاصل ۔ اگر شاہ جہان آباد میں اقامت گزیں ہو ، غالباً اس کی استعداد علمی اور درستیٔ خط سے اہل شہر کو فائدۂ عظیم پہنچے ۔ دو تین شعر اس کے اسی کی زبان سے مسموع ہوئے :

نفس کز سوز دل خیزد زند آتش جہانے را
مبادا بر سر حرف آوری آتش زبانے را

توئی کز گرمیٔ رخسار گلشن رنگ می بازی
کجا دانی چسان می سوزد آتش تفتہ جانے را

جہانے نیم بسمل می طپد اے از خدا غافل
مکن آزردہ ہر دم بہر مشق ظلم جانے را

صمیم

صمیم تخلص ، مرد آزاد مزاج ، لا آبالی وضع ، تلسی داس۔ محبت ارباب دنیا سے نفور اور ملازمت فقرائے صافی نہاد سے مسرور ۔ طب ہندی میں ماہر اور تجربات بیدک کے وسیلے سے اکثر امراض مزمنہ کے ازالے پر قادر ہے ۔ خصوصاً کشتہ ہائے فلزات کے استعمال میں مہارت تمام اور علاج جذام اور وجع مفاصل و غیرہا کی تدبیر میں قدرت مالا کلام رکھتا ہے ۔ زبان فارسی سے بہ قدر ضرورت آگہ اور کتب ہنود علی الخصوص فن موسیقی کی پوتھیوں سے صاحب انتباہ ، ستار بجانے میں ہوش سر سے اور جان تن سے نکال لیتا ہے ۔ میں نے اُس کے نغمۂ دل نواز کو اپنے کان سے سنا اور اس کیفیت سے حظ دل خواہ اٹھایا ۔ گہ گاہ ریختہ کی طرف بھی التفات کرتا ہے ۔ دو تین شعر اس کے اُسی کی زبان سے سنے تھے ، یہ شعر یاد رہ گیا :

بھولی بھالی تری صورت سے پڑے دھوکے میں
تو تو عیّاروں کا عیّار ستم گر نکلا

صولت

صولت تخلص ، قاسم علی خاں ، خلف کاظم علی خاں متخلص بہ حیران ، ابن نور خاں رستم دستاں متخلص بہ آگاہ ، ابن قایم خاں مزاری سکنائے بنارس اور روشناس مردم معتبر ہے ۔ یہ چند شعر اُس کے نتائجِ فکر سے ہیں :

تربت میں آنکھیں بعد فنا بھی کھلی رہیں
تھا زیست میں مزا جو مجھے انتظار کا

ملتے ہو رقیبوں سے مرے گھر نہیں آتے
اللہ تمھیں اتنی بھی فرصت نہیں ملتی

کیوں کر کرے نظارۂ گل کنج قفس میں
صیاد سے بلبل کو اجازت نہیں ملتی

ہے شغل غزل خوانی بہت خوب پہ صولت
دنیا کے ھمیں رنج سے فرصت نہیں ملتی

صہبائی

صہبائی تخلص جناب فیض انتساب ، حضرت استادی استاد الانامی ، قدوۂ کملاے روزگار ، اسوۂ افاضل شہر و دیار ماہر فنون عجیبہ ، واقف علوم غریبہ ، مخدومی مولائی مولوی امام بخش سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ وطن آبائی آں جناب مستطاب کا شہر کرامت بہر تھانیسر صانہا اللہ عن الشر اور مولد گل زمین لطافت آئین ، حضرت شاہ جہاں آباد حفظہا اللہ عن الفساد ہے ۔ سلسلہ ان کے نسب کا سلالۃ الاماجد والد ماجد مرحوم مغفور کی طرف سے تو فاروق حق و باطل عمر فاروق ابن خطاب علیہ رضوان اللہ الوہاب تک اور زبدۂ مستورات ، سرا پردۂ عصمت و عفت حضرت والدہ شریفہ غفراللہ لہا کی جانب سے قدوۂ واصلان درگاہ ، رہ نماے سالکان عرفان دست گاہ ، محبوب سبحانی ، سید عبدالقادر جیلانی ، رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچتا ہے ۔ حضرت کے اباے کرام و اجداد عظام سے اکثر ایسے ہیں کہ ان کا قامت احوال یا لباس سر بلندی ظاہری

سے آراستہ تھا یا زیور کمالات باطنی سے پیراستہ ۔ زبان قلم اگر اس حضرت کی بزرگی و عظمت سے ایک حرف کہے ، کاغذ بہ قدر کتاب مہیا کرے اور اگر ان کے بہار خلق کی مدح کو لکھے ، ورق برگ گل سے پیدا کرے ۔ بساط ھستی پر اس جامعیت کے ساتھ کم کسی نے قدم رکھا ھے ۔ سخن اس مجمع فضائل کی قدر شناسی پر کیوں کر ناز نہ کرے کہ نکات معانی و حقائق بیان و محسنات بدیعی و تحقیق لغات و تفتیش مصطلحات و تجسس اوزان عروضی و تفحص احوال قوافی جس تفصیل سے یہاں محقق ھیں ، دعویداران کمال سے کس کے خزانۂ طبع میں مشاھد ھوئے ھیں ۔ صناعت عروض میں تلاش اوزان کی ایسی داد دی ھے کہ خلیل ابن احمد دیار عرب میں اور مولانا یوسف گل زمین عجم میں اگر اب موجود ھوتے تو تحقیق حقائق و تدقیق دقائق کے ارادے سے سفر ھند پر کمر باندھتے ۔ تحقیق دوائر ایک رسالۂ عجیب و عجالۂ غریب تالیف کیا ھے کہ نکات باریک جو کملاے فن کے واسطے مذال اقدام اور مذالق[1] اقلام شمار میں آتے ھیں ، اس میں اس بسط و تفصیل سے مرتسم ھیں کہ ان کا مطالعہ باریک بینان دشوار فہم کی نظر میں طرفہ افادہ ھے ۔ لیکن افسوس کہ کم فرصتی اس قدر مہلت نہیں دیتی کہ تبییض تک نوبت پہنچے ۔ اور علم قوافی میں ایک رسالہ موسوم بہ ''کافی'' اس زبدۂ ارباب تمیز نے عبارت مختصر میں ترقیم کیا ھے ۔ ھر چند ایک ورق عبارت سے بیش نہیں لیکن تفصیل معانی سے ایک کتاب سے زائد تصور کیا جاتا ھے ۔ اور اس مجمل کی شرح میں ایک اور رسالہ تحریر فرمایا ھے مسمیٰ بہ ''وافی''

---

۱ - ''مذاق'' نسخہ دوم (ص ۳۲۴)

کہ مسائل دقیقہ کمال تفصیل سے صورت پذیر ہوئے ہیں ۔ ماہران فن انصاف کریں گے کہ مطالب مبہمہ کی توضیح علی الخصوص اوصاف و القاب کا بیان اور تجرید یعنی ان اوصاف سے قافیے کے خالی ہونے کی حقیقت میں اختلاف مذاہب کی تفصیل کس طرز جدید اور انداز تازہ کے ساتھ جلوہ گر ہے ۔ دشوار پسندان باریک بین نے اس نسخے کو دیکھ کر صاف طینتی کی داد دی اور کمال منصفی سے زبان پر لائے کہ ہم رسائل مشہورہ میں تحصیل کے وقت ان مسائل باریک سے کچھ اپنی ناواقفی اور کچھ ادیب کی بے امتیازی سے ایسے غافل گذر گئے تھے کہ راہ پرنشیب و فراز میں گویا کچھ نشیب و فراز ہی نہ تھا ۔ از بس کہ طلب پیشگان علم پر انواع تفضل اور اصناف ترحم مبذول ہیں ، اکثر کتب درسیۂ فارسی پر شروح مبسوط مرقوم کی ہیں کہ حل دقائق متن کے سوا اور مطالب دقیق اور مسائل غامضہ پر مشتمل ہیں ۔ اور جو کہ یہ فوائد جلیلہ نعماے لاریب اور فوائد غریبہ مواہب غیب سے تھے ، ارباب کمال غنیمت کبریٰ سمجھ کر ہر طرف سے دوڑ پڑے اور مثل خوان یغما کے ہاتھوں ہاتھ لے گئے ۔ سواد ہندوستان میں کوئی قطعہ نہیں کہ یہ نسخے دل کی طرح ہر ایک کی بر میں نہ ہوں ۔ ایک بار یہ بیت ملا کوکبی معمائی[1] کی حضرت کی نظر سے گذری :

کشت امید حاصل ازان ماہ پر عتاب
نیمے ز آب سرکش و نیمے نیافت آب

---

۱ - لیے ۔ نسخۂ دوم (ص ۳۲۵)
۱ - معمائی ۔ نسخۂ دوم (ص ۳۲۵)

اس بیت سے سینتیس نام استخراج پاتے ھیں اور سب اصول و قواعد معما، سوائے تصحیف جعلی اور اسلوب رقمی کے زعم مصنف کے موافق اس ایک بیت میں جاری ھوتے ھیں۔ مبداء فیاض کی اعانت سے اس صاحب دست گاہ تونگر دل کو ایسا ایک خزانۂ غیر متناھی بہم پہنچا کہ اگر گنج شائگان اس کے عوض میں دیویں تو گوھر بے بہا کو رائگاں کھوویں، یعنی ایسی ایک بیت خلوت فکر سے جلوہ گر ھوئی کہ گنج شائگان اور صدھا گنج باد اور اس کے گوشے میں ودیعت ھیں۔ وہ بیت بھی نظر احباب میں گذرانتا ھوں تاکہ معلوم ھو کہ فیض بے دریغ اسی کو کہتے ھیں اور بخشش بے منت اسی کا نام ھے:

چو آں مہ روے خود از پردہ بنمود
دل از مـا برد و آخر کرد نـا بود

اصول شانزدہ گانہ تو بالاستیعاب اس شبستان میں بزم آرا ھیں۔ ان اعمال کے فروع سے بھی اس قدر اس منظر سے جلوہ گر ھیں کہ تجلی کی طرح ان شاھدان قدسی کی نقاب کشائی تکرار نہیں رکھتے۔ مع ھذا ساڑھے تین سو نام اس سے مستخرج ھوتے ھیں، اور اس کی شرح میں ایک کتاب مرتب فرمائی، 'گنجینۂ رموز' نام کہ اطراف دیار میں برات روزی کی طرح سے ھر ذی حیات کے ھاتھ میں ھے۔ اور اس کتاب کی تالیف کے بعد غواصیٔ فکر نے صدف تنگ حوصلہ اور کیسۂ تنگ ظرف یعنی بیت کو کبی سے ڈیڑھ سو گوھر بے بہا حاصل اور جمیع اصول اور بیش تر فروع اعمال معما سے اس میں جاری کیے۔ اور عجب یہ ھے کہ جناب مستطاب

کی رسائی فکر سے وہ دونوں عمل کہ مصنف کا دست فکر ان کے دامن احوال تک نہ پہنچا تھا ، اس خوبی سے اس میں جاری ہوئے کہ زبان سوسن باوصف کم سخنی کے صدائے تحسین کو ضبط نہ کر سکی ۔ اس کی شرح میں بھی ایک رسالہ علاحدہ مرتب ہوا 'مخزن اسرار' نام ۔ اہل انصاف فرمائیں کہ عہد آدم سے اس دم تک مالکیت اس فن کی سوائے اس صاحب فضل و افضال کے کس خداوند کمال کو حاصل ہوئی ہے ؟ سچ تو یہ ہے کہ 'فاتوابسورۃ من مثلہ' اسی طرح کے کلام کا وصف حال ہے ۔ سبحان اللہ کیا جوہر قدسی ہے کہ اگر زبان ہزار سال جنبش کرے ، اس کے اوصاف کمال کا ایک حرف بیان نہ کر سکے اور اگر نفس سو قرن سخن سرا ہو ، اس کتاب کا ایک نکتہ عیاں نہ کر سکے ۔ نثر کا رتبہ نثرہ سے بہتر اور نظم کا مرتبہ ثریا سے برتر ۔ ریزۂ جواہر کہ ایک نثر متین اور انشاے دل نشین ہے ، حضرت ظل سبحانی خلیفۂ ربانی سراج الدین بہادر شاہ خلداللہ ملکہ و سلطانہ کی ستایش میں کمال شہرت سے محتاج ثنا نہیں ہے ۔ وہ نثر دل کشا اور وہ انشاے جاں فزا ایسی مقبول ہے کہ مثل دعاے سلطانی شام و سحر اہل عالم کے ورد زبان اور مانند ثناے بادشاہی کے شب و روز ارباب روزگار کا وظیفۂ لب و دہان ہے ۔ اور انواع کلام اور اصناف سخن کی کثرت کا تو کیا بیان کیجیے کہ صندوق سینۂ افلاک میں گنجایش پذیر نہیں ۔ اس تذکرے میں چند ابیات غزل اور کچھ اشعار قصیدہ اور بعضے نظم معما تیمناً مرقوم کرتا ہوں تاکہ ارباب فہم و فراست پر واضح ہو جاے کہ اس کے سوا جو سخن ہے 'ابکم' کے اشارات بلکہ حیوانات

عجم کے اصوات کی قبیل سے ہے :

یارب آں کن به جنون دل دیوانهٔ ما
که شود بال پری نالهٔ مستانهٔ ما

منکر کفر مشو گر سر ایمان داری
کعبه یک پارهٔ سنگ است ز بتخانهٔ ما

چوں شرر حاصل مادر گرو دست فنا ست
برق ما ریشه کند سر بدر از دانهٔ ما

حسن بر آئینه وقف است و نگه واقف نیست
همه بر خویش بود جلوهٔ جـانـانهٔ ما

وای گـر ناز عتابش بتغافل ندهد
هست نشتر به کف شوخیٔ افسانهٔ ما

جلوه برخود غلط و عشق نظر باز غیور
شمع داغ است ز خود داریٔ پروانهٔ ما

طرفه کاں بت برخ کعبه رواں هم خندد
دست در گردن غیر است ز جانانهٔ ما

عقل می نازد و از سر یقیں آگه نیست
نسخهٔ جهل بود مبحث فـرزانهٔ ما

کن آشنائے لب دو سه حرف عتاب را
از بهر ما دو آتشه ساز ایں شراب را

رنگ رخم چو گل بہر پرواز می زند
دارم خـزاں رسیده بهار شباب را

دارد اثر ز چین جبیں موج خنده ات
یک رنگ کرده ناز تو لطف و عتاب را

امروز تا کرشمهٔ لطفش چه مے کند
رحمت فگنده است به فردا حساب را

چون شمع آرمیدن عمر است اضطراب
دارد به بر[۱] درنگ بهارم شتاب را

لبریز حرف شکوهٔ دلدار می روم
خواهم دراز مدت روز حساب را

صہبا بیا به وسعت رحمت نگاه کن
یکسو بنه شمار گناه و ثواب را

آرام ها ز طبع جهان شد ز درد ما
خیزد خزان عالمے از رنگ زرد ما

مشق جنون نکرده به وادی قدم مزن
اے گرد باد با دل صحرا نورد ما

صبحیم ضعف ما منگر وز اثر بترس
آتش نهفته زیر بغل آه سرد ما

نه هواے کعبه در دل ، نه سر کنشت مارا
چو ازو شدیم دیگر چه ز خوب و زشت مارا

به نظاره گاه محشر دل و دیده باز بخشند
به شدیم خاک و آخر غم او نهشت مارا

چنان که باده در انگور و نیست باده بنام
بهر کجا که توی نیست اعتبار مرا
قبول خاطر کونین را نمی ارزم
ز بے کسی لحد آورد درکنار مرا

---

۱ - نسخهٔ دوم (ص ۳۲۰) "به سبز"

چو بے طلب به بر دوست می روم چه عجب
که عشق پیشه ام و با طلب چه کار مرا

فلک به ماتم[1] یاران رفته صهبائی
سپرد داغ دل و چشم اشکبار مرا

شد دلم جلوه[2] گه حسن تو و جانم سوخت
آتش از خانهٔ من سر زد و سامانم سوخت

آتشے بود که جز کعبه نه باشد سنگش
برق آں کفر که در خرمن ایمانم سوخت

جلوه اش در شب وانگاه در ایمن ز حیا است
برده از دیده و پنهاں به بیابانم سوخت

بوے پیراهن اگر چاره گر آید وقت است
دل به بے تابیٔ غم دیدهٔ کنعانم سوخت

مرد ره قناعتم دل مزه خوشترک نخواست
گر فلکم به مے نواخت کام طلب گزک نخواست

در خور طبع چرخ نیست از همه امتیاز من
خود سره درعیار خویش ناسره مشترک نخواست

به شان حسن نگر کز کجا و تا چند است
که بنده گشته و در رتبهٔ خداوند است

به حیرتم که چو از من به مرگ راضی نیست
به زندگانی دشمن چگونه خرسند است

۱- نسخهٔ اول (ص ۳۳۷) میں 'کاتم' اور نسخهٔ نول کشور میں 'کاتم' غلط -

۱- نسخهٔ اول (ص ، ۳۳۷) 'جلو' غلط - نسخهٔ دوم 'جلوه' صحیح -

به کفر من منکر عذر اضطرارم نه
که شوق در طلب و بت به دوست مانند است

ز ذوق حسن مگر هر نفس به خود بالد
که هرگهش نگرم جامه در برش تنگ است

به نیم گام توان شد ز هند تا یثرب
که شوق ما ست به جولان و عذر ما لنگ است

پیام دوست ز هر ذره صد زبان دارد
تو بر جنون زده از غفلت این نه فرهنگ است

اگر گل است وگر خار دل توان دادن
بهار جلوه سیه مست جام نیرنگ است

کرشمه اش چه عجب گر بسوخت خرمن طور
که مست گرم شتاب است و عرصه اش تنگ است

پرد به راه فنایم مجال عنقا نیست
به گوشهٔ که منم راه دیگرے وا نیست

بکن مکن به حضورت فضول نتوان شد
تو خود نمی کنی آن را که درخور ما نیست

تو تیز پاے تر از شوق خویش دان رم دوست
به هر کجا که رسیدی نشانش آن جا نیست

مگوی هر نفسم اے خرد به خویش بیا
که باب خاطر نازک دلان تقاضا نیست

به حسن دوست به گو شوخ تر تجلی کن
نگاه شوق من است این نگاه موسا نیست

تو خواهی از بت و خواهی ز کعبه جلوه فروش
فریب می خورد آن دیدهٔ که بینا نیست

گشتن گران ز شکوه بـه طبعت گناه من
خستن به حرف غیر دل من گناه کیست ؟

گفتی که می کشد دلم امشب به یک طرف
غیرت برم که جذبهٔ بخت سیاه کیست ؟

هر کس کنند دسته بهار و خزان خویش
امروز تا قبول تو مشت گیاه کیست ؟

به حیرتم که دلم قطره بیش نیست ولے
تو تا خدنگ زدی جوش خون فرو نه نشست

گفتم از سرّ ازل کیست کنند آگاهم
گفت در دل کنی از راه توانی دانست

گفتم آن کیست که در پرده کنند زمزمه؟ گفت
کم کسے هست که این رمز نهانی دانست

گفتم این دل ز چه بیمار بود حیرانم
گفت این رسم و ره از چشم فلانی دانست

گفتم اندر دو جهان برگ طرب روزیٔ کیست
گفت هر کو به جهان قدر جوانی دانست

گفتم از خال لبش قاعده دان گشتم ، گفت
هر که این نکته به فهمید معانی دانست

جام مے وقف حریفان شد و من خرسندم
صبر بخشید به من آن که به من جام نداد

یاد آن روز که کس محرم اسرار نه بود
حسن را جلوه گه و جوش خریدار نه بود

پرده برداشت گه از یوسف و گاهی ز رخت
عشق آن خانه خرابست که بے کار نه بود

خانهٔ را که ز بت بود کنی کعبه و من
بت پرستیدم و گفتی که سزا وار نه بود

جلوه در روے بتان نقد و خرد نسیه گزید
ساخت دشوار بهخود آن چه که دشوار نه بود

عشق و حسن‌اند غیور این قدر افزود نزاع
ورنه رنج من و او آن[1] همه بسیار نه بود

تو و کوثر من و این مے که خرد حکم نه‌داد
گشتن اندر طلب آن چه به بازار نه بود

غفلت از جلوهٔ مطلوب نه سازد محروم
دیده آئینهٔ یوسف شد و بے دار نه بود

جلوه با ایمن و با طور نمی ساخت ولے
در خور عشق به جز وادی و کهسار نه بود

هم چو یوسف بنده چرخش گر به بازار آورد
رشتهٔ چندے بها زالے خریدار آورد

من خم خالی و چشم تشنگان هر سوے من
دست گیرے گو که بردارد به خمار آورد

به که نفتدکار صهبائی به حشر از دست دوست
ترسم ایزد را به رحم از چشم خون بار آورد

۱- نسخهٔ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ 'آوان' -

از پاس ادب هاست که در معرکه خونم
گیریش تو بر گردن و در پاے تو یابند

گو غمزهٔ لیلیٰ بر و گو عشوهٔ شیریں
دل‌ها همه در زلف چلیپاے تو یابند

زان فتنه که گم گشته در آشوب قیامت
گیرند سراغ و به ته پاے تو یابند

یک بوے ز پیراهن خود هم به صبا ده
کاں محو پسر را به تمناے تو یابند

آن جا که ز غوغاے قیامت اثرے هست
هنگامه ز صهبائی شیداے تو یابند

دارم ضعفے که ناله از دل
عمرے باید که تا لب آید

صهبائی اگر به میری امروز
زان به که ترا دگر شب آید

ز تر به خشک فزوں گیرد آتش اے زاهد
تو خوش که خرمن رند خراب می سوزد

خیال غمزه اش از بس وطن در هر رگم دارد
چو مژگان خوں بروں از نشتر فصّاد می آید

سفر از دیر سوے کعبه کردم لیک هر ساعت
به حسرت دیدن بت در وداعم یاد می آید

شب از غوغای من آگه شد وگفت از کجا یا رب
صداے نالهٔ صهبائی نا شاد می آید

شوق صیدش بیں که ظالم را هنوز
تیر در شست است و پیکان مے رود

هر فتنه کاں گسست عناں از نگاه اوست
در عهد دوست شکوهٔ گردوں نه کرد کس

آں زخم زد نگاه تو بر دل که از بتاں
آں زخم را به جور خود افزوں نه کرد کس

دارم دل دیوانهٔ صد داغ هجراں در بغل
چشمے و چندیں نسخهٔ خواب پریشاں در بغل

در سینه آتش مشتعل در دیده دریا موج زن
هر شعله دوزخ آفریں هر موج طوفاں در بغل

چشمت فریبے می کند در کار زاهد کش بود
یک جرعه پنهاں وقف لب یک جام پنهاں در بغل

دیدم سحر صهبائی آشفته در مے خانهٔ
جامے به کف شعرے بلب اوراق دیواں در بغل

هم چو شبنم خویش را فارغ ز عالم ساختم
محرم خورشید گشتم با خساں کم ساختم

مُردم و در چشم مردم عالمے تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برهم ساختم

عیش عالم نیست باب من در ماتم زدم
در خورم نبود نشاط دهر با «غم» ساختم

رنج و راحت هر دو بے درد سر منت نبود
نے نمک بردم به زخم و نے به مرهم ساختم

کفر در کیشم سپاس نعمت دیدار اوست
جلوه در هر رنگ دیدم گردنے خم ساختم

جرم عشقم را جزا شد حور و من از هجر دوست
داغ بر دل بردم و خلدش جہنم ساختم

این چه گرمی بود یا رب وین چه نم کاخر ازو
سینه آتش خانه کردم دیده را یم ساختم

نیست صہبائی چو جام جم نصیبم گو مباد
مے ز خون دل کشیدم خویش را جم ساختم

یاد ایّامے کـه شور عشق در سر داشتم
دل به غم می سوختم در سینه اخگر داشتم

شد نمے غمّاز و عالم را به طوفاں برد رخت
ورنه من یک عمر پاس دیدۂ تر داشتم

در دلم شیرین و لیلی هر که شد زخم تو برد
بس که در دل نیش مژگان تو کافر داشتم

شب خطا هاے که رفت از دست من عذرش بنه
آرزو بے اختیار و شوق مضطر داشتم

صحبت ام الخبائث کرد صہبائیم نام
ورنه پاس عصمت شرع پیمبر داشتم

چه گرمی داشت با پروانه دیدم شمع محفل را
تغافل هاے او در دل گذشت از انجمن رفتم

به لب صد نغمه از آزرده یاد حسرتی در دل
بداین داغ وفا از پیش یاران وطن رفتم

منگر همت آن جمع که یک گام سفر
افگند تشنه لب از بادیه بر زمزم شان

هجوم اشک در چشم ترش بین
وفا پروردهٔ من در برش بین

مرا اندر برد دندان حسرت
چو شبنم نذر گل برگ ترش بین

نه زهرش در نگه نے دم به مژگان
معطل آن سنان وان خنجرش بین

نیفتد گه نظر بر حال خویشش
یکے چشم تغافل گسترش بین

شکایت ها که می کردم ز دستش
همه وقف لب جان پرورش بین

ز شرم آن که سحرش را اثر نیست
حیا در نرگس افسون گرش بین

ستم نرخ وفا پست ست بر خویش
گرانی این قدر در کشورش بین

چو صهبائی شدی در آخر کار
اثر هائے دل و چشم ترش بین

امر نماز و نهی مے بر سر و چشم ما ولے
جبریٔ نفس کافریم این همه اختیار کو

شوق بره نشسته را حیله کفایت است و بس
جلوهٔ دوست گو مباش ، وسوسهٔ غبار کو

من قصائده

صبح به رغم صوفیان از پے بیع جام رز
می فگند ز آستیں انچه زر شش سری

موج پیاله دام کن عیش رمیده صید تست
کاهوے زرد در بر بره کند چرا خوری

نقطه زر به پهلوے صفر حمل نهاده اند
تا رقم یک از برش هم ز مآت بشمری

خاک چمن به صبح گه گشته ز باد عطر خیز
هم چو ز باد گریه بید کرده به مشک یاوری

لخلخه ساے دهر شد نافه کشاے صبح دم
طبلهٔ مشک شد مشام ایں نفس از معنبری

گه چو چشم عاشقاں گریه بر آرد ابر تر
گه چو دهان گل رخاں خنده کند گل طری

گوهر ژاله صبح دم بر رخ شاه اسفرم
برده ز روشناں چرخ رونق آب پیکری

بلبل ژند خواں به صبح زمزمه زد چو زردهشت
شاخ لقب بیو سمش شهرت گل به آذری

از چه بایں ملایمی دل نه کشد به باده ات
سنگ نموده شیشکے کرده بلور ساغری

از پے جمع شاهداں خواسته بر بساط بزم
مے ز حباب افسری ساز ز پردهٔ معجری

ساق سیم ساق را در بر شاخ بسّدیں
لعل مذاب موج زن گشته به جام گوهری

عصمت مهر بکری غنچه نگه نه داشتند
دخت رز است بے حجاب دست چرا نمی بری

از پۓ جام مے مسکن ابروی خود پر از گره
از پۓ مهر عقده را خاصیت است اژدری

چون متعلم و ادیب گشته بمکتب نشاط
ساغر باده جمله گوش بلبله در سخنوری

گا و سفالی از دهن گوهر شب چراغ ریخت
عنبر لاء بر فشان تا بر ازو دگر خوری

گر نه به قصر نیلگون رسم عزا ست مستمر
بر سر این سه دختران از چه جنازه بنگری

بلبله مرغ خوش نواست آتش تر غذاے او
گنبدهٔ حباب مے کرده به پیششش اخگری

خیک تنی ست بے روان جان جهانش در نهان
بوی تنش چو انگرزد نگهت جانش عنبری

زاغ شبه مثال را نوری لعل در شکم
دیو زنے سیاه رو حامله گشته از پری

تا ز نوال مطربان چاشت ز نغمه واکشد
آمده کاسهٔ رباب غیرت کعب لنگری

چنگی آتشین زبان زمزمه بر لبش دوان
داده به آتش فغان باد مسیح را تری

معمیات اسماء الہی اس رسالے کے کہ اس کا نام "جواہر منظوم" ہے

ملک

عمرے بنہاد آن صنم کافر کیش
ز الماس ذخیرہ ھا ز بہر دل ریش
آخر ز دھان[1] او بصد دشواری
نیم لبش آمدہ بکام دل خویش

سلام

خوباں کہ شکیب از دل نا کام برند
از چشم تو طرز غمزھا وام برند
جاے کہ رخ تو ہست از مہ چہ سخن
بنما رخ مہ وش[2] از ز مہ نام برند

---

۱ - مراد از دھن میم ملفوظی است کہ مادہ اسم است و از لب میم مکتوبی اخیر ، چرا کہ از لب گاہ حرف اول مراد دارند و گاہ آخر ، از آن کہ لب دو می باشند و نیم آن الف است و دل آن دھان کہ عبارت از میم ملفوظی است ، یاے تحتانی است کہ در وسط آن است چون بست بہ عدد "یا" آمیزند سی شود ، پس این حرف لام شود و حرف اخیر کہ ازو بست ماندہ کاف گردد - ۱۲

۲ - مراد ازمہ اول شہراست ووش اے مانند آن سہر بہ سین مہملہ و رخ آن سین مکتوبی است ، و مراد از مہ دوم لام مکتوبی و نام آن لام ملفوظی است - ازین ہر دو حرف اسم حاصل شد - ۱۲

مهیمن

هر کس تاب سهیل را شد بنده
بر خیرگیٔ نگه او زن خنده
رو چهرهٔ یار بین و زو دیده بپوش
بر جاے سهیل[1] بین مه تابنده

عزیز

خورشید بخویش داشت زین پیش گمان
کاین چرخ نیاورده نظیرش بجهان
چون قصهٔ آفتاب رویش گفتم
خور[2] یافت رخ چو خویش را نام و نشان

باری

اے از تو چمن ز خرمی گیرد کام
وے از تو بہار سرخ رو از ایام

۱ - جاے سهیل کنایه ز "یمن" است چون بر لفظ "یمن" مه آید "مهیمن" شود - ۱۲

۲ - مراد از خور حرف عین است و از لفظ خویش باز خور مراد داشته و ازان زرخواسته و حو خویش عبارت از تجنیس زراست یعنی رز به راے مهمله اول و زاے معجمه ثانی و رخ او راے مهمله است، چون اورا نام یابد ری شود و چون رے را نشان راے تجنیس یابد به راے معجمه گردد ، و چون حرف زاے معجمه رزکه رخ او به این احوال شده باقی است مجموعهٔ عزیز گردد - ۱۲

هر مرغ که درچمن زند نالهٔ شوق
می سازد از تو هر یکی ازبر نام[1]

حافض

حسنش که برنگ ماه انور بینی
چون خور بینی اگر مکرر بینی
آخر[2] زان شوخ بین تمام اندازش
زان گونه که هر دمش فزون تر بینی

غفور

یارب گنهم ز بس که از حد افزود
گفتی لا تقنطوا و یــا سم نزدود

۱ - ''از بر'' را دو جزو ساخته ، یکے ''از'' و دوم ''بر'' و مراد آن داشته ، از لفظ ''بر'' هر حرف نام است و نام ''ب'' با است و نام ''ر'' رے است مجموع باری است - ۱۲

۲ - آخر از شوخ خاے معجمهٔ مکتوبی است و تمام کنایه از اراده اسم آن است پس خابه دست آمد و از آن گونه یعنی از خاے معجمه باشد باید گرفت که گونه عبارت از آن است ، پس حاے مهمله حاصل شد و می گوید که هر دمش فزون تر بینی ، یک بار که آن ''حا'' را فزون تر دید از هشت ، هشتاد دید ، که ''فی'' باشد و باز آن را فزون تر دید از هشتاد ، هشت صد دید ، که ''ضاد'' معجمه باشد - ۱۲

آرے ناجی شد آں کسی کش از شرم
با عفو تو راز[1] دیده جز اشک نه بود

حسیب

ما قصهٔ حسن را شنیدیم همه
بر حرف سمن براں رسیدیم همه
نام رخ[2] حور و مهر باهم گفتند
هریک پایاں نه داشت دیدیم همه

حق

عالـم چو بعشق آں ستم گر آشفت
از خواست که جنس دل ازو گیرد مفت
چوں دیده[3] خصم آں تمام عیاری
در ها ز میاں نمود و آخر بنهفت

---

۱ - ''راز'' را تحلیل کرد به دو جزو ، یکے ''را'' دوم ''ز'' مکسور و آں را مخفف از دانسته و از دیده عین مراد داشته و از اشک نقطه یعنی با لفظ عفو حرف راے مهمله است پس عفور شد و می گوید که از ملک عین جز نقطه نیست پس عین غفور غین معجمه گشت - ۱۲

۲ - رخ حور ''ح'' است و نام آں ''حا'' است و مهر ''سر'' است و نام آں سین است ، می گوید لفظ با نیز گفتند ، پس حا سین باشد و می گوید که هر یک پایاں نه داشت پس از حا و با الف و از سین نون رفت ''حسیب'' حاصل شد - ۱۲

۳ - دیدهٔ لفظ خصم صاد مهمله است و مثل آں معجمه ، و

(بقیه حاشیه صفحه ۱۵۸ پر)

قوی

یا رب هر کس ز شوق آتش افروز
گر دید براه تو سعادت اندوز
چون دیدهٔ[1] عاشق شده هر جانب او
هر سو افشانده یک دو اشک از سر سوز

حمید

چون پرده ز کعبهٔ رخ آن ماه کشود
آن خال بران چون حجر الاسود بود
چون زلف[2] نمود خویش را بر دهنش
آن خال که مے نمود آخر نه نمود

تمام عبارت از اسم آن است اے ضاد و از لفظ نمود به اعتبار ارجاع ضمیر ضاد خواستند و عدد آن هشت صد و نقطهٔ آن دو می گوید که آن ضاد در هاے خود را از ملک میان اے ملک الف نمود پس هشت صد هشت شد ، و الف که یک بود صد گشت ، و آخر که دال است پنهفت ، اسم ''حق'' حاصل شد - ۱۲

۱- چون دیدهٔ عاشق عین مهمله مکتوبی و مثل اوغین معجمه مکتوبی است و گفته که غین هر جانب لفظ او شد ، اول به این معنی که الف بدل شد از عین و دوم به این معنی که عین در آخر آمد ، پس فوغ حاصل شد ، و هر سو یک دو اشک افشاند ، گفته چون هزار سه اشک دارد از اول یک افشاند ، صد ماند ، و از آخر دو اشک افشاند ، ده عدد ماند پس قوی گردید - ۱۲

۲- زلف ج است و مثل آن ح مهمله و آن خود را بر دهن نماید یعنی بر میم حمیم و آخر که میم است مراد ازان عدد چهل است چون عدد خال از خود انداخت چار ماند که دال است پس به این وضع میم به دال بدل شده 'حمید' دشت ـ

معید

هر کس به‌تلاش یار اندر تگ‌وپو ست
چشم دو جهان به جانب جلوهٔ اوست

عالم شب یلدا ست ز هجرش لیکن
می گردد مشرق[1] ار نماید رخ دوست

مقتدر

ایں چشم من از گہر بساطے پرداخت
چوں دید فلک بسوے آں گوهر تاخت
گوهر به کمر فزود مفت[2] از دزدی
لیک آں چه ربوده بود آخر انداخت

قطعه که اس سے الله ، علی سے نکلتا ھے اور
علی ، الله سے اور پھر تعمیم قاعدے کی که
هر ایک نام سے هر ایک نام مستخرج هو سکے
بشرطے که حروف دونوں نام کے مساوی هوں -

منم نصیریٔ آں هادیٔ سبل که بود
ز جیب شاهد کنعان قدس چهره کشا

۱- مشرق شدن چیزے عبارت است از آں که آفتاب ازو نماید ، چوں لفظ می م رق شود ، آفتاب یعنی عین او نمایاں شود، پس معی گردد و دوست رخ نماید ، دال به دست آید ـ

۲- لفظ مفت گوهر به کمر خود افزود و کمر آں قا بود اکنوں قاف شد پس مقت گردید ، و آں چه ربوده بود ، عبارت از گوهر است که در مصرع اول آں را منسوب به دزدی کرد و از گوهر در گرفته می گوید که آں را آخر انداخت ، پس مقتد به لفظ در 'مقتدر' شد - ۱۲

دلت چو سخرهٔ بازیچه هاے وهم دوئی است
علی یکے چه شماری ز نهٔ نود اسما

چنین که جادهٔ وحدت سپرده است بود
اناالحق از وی و از حق انا علی زیبا

علی است منتج نام اله و نام اله
بود ز چهرهٔ نام علی نقاب کشا

مزن جراحت منکر بر این سخن ز انکار
دلیل قاطع من بس بود بر این دعوا

که عین هم الف و هم الف نماید عین
ز لام لام و ز یا ها و یا ز ها پیدا

ز هر دو نام چو گیری حروف ملفوظی
حروف مفرده اش گردد از دگر گویا

وگر به قلب بری آن حروف را دانی
که این طریق توانی سپرد در همه جا

سخن که ره‌رو ملک وسیع اسرار است
عنان براه دگر پیچدم ازین ماوا

اگر به اهل سخن تازه نغمه زد قلمم
شگفت نیست که گویا طلب کند شنوا

حروف مفرد ملفوظی علی ست علی
حروف مفرد ملفوظی خدا ست خدا

به بین بقاعده کاصل اصول این فن است
فروع را بود از اصل برگ نشوونما

الف یک است و همان یک سی است وسی باشد
گهی بلام و گهی سوی عین راه نما

ز لام زلف توان کرد حاصل و آن زلف
تو خواه جیم شمر خواه دال گو عمدا

ز عین شمس و ازان سین بگیروسین شصت است
ز شصت گاه نود گه پنجه جلوه نما

نود به چشم تو صاد است و میم و پنجه نون
زنون بیا سوی حوت و ز حوت جانب یا

هم از نود به سوی فی توان شتافت ولی
چو فی ست اسم توان یافت زو مسمی را

چو یا ده است ز ده راه گیر جانب نه
وگر تو خواهی ازان ده دو گیر و از دو با

ز نه بطا رو و هم نه چو هست پنجه و پنج
ازان به پنج رو از پنج رو به جانب ها

ز ها که شش بود آثار واو پیدا کن
ز شش دو حرف شمار و بخاء معجمه آ

چو طا گرفته ای و طا نه است حا برگیر
چو حا بدست تو افتاد ره سپر به سوی زا

بیا اماله دو یا هست و هر دو بست بود
ز بست کف برآوردنت بود بملا

رهی دگر ز الف گیر کان یکی ست و زان
چهل شمار و ازان جا بسوی میم بیا

هم از الف بسی از سی برو بشهر و ز شهر
بماه ره برو از ماه رو به جانب را

اشارتے چو به تصحیف نیست غیر از هشت
که آن است تا و ثا و ذال و شین و ضاد و ظا

وگر ازان همه غین است و قاف این جمله
ز یک دگر بدر آیند چون قمر زد جا

دو اسم کان به شمار حروف متفق اند
باین حساب یک از دیگر است چهره کشا

بر آمد ست ز زهرا حسین بهر مثال
بدان صفت که برآمد حسین از زهرا

هم از حسین به زهرا چنان فتد راهت
که از پسر رهت افتد به سیرت آبا

ازین طریق عنان قلم بگردانم
چو گرد باد درین ره کجا شدم ز کجا

علی بود در شهر علوم و کس در شهر
بغیر در نتواند که وا نزارد پا

حدیث لحمک لحمی نیوش و چشم مپوش
بدن چگونه تواند جدا شد از اجزا

نصیرم نکنی ظن ازین سیاق سخن
که این طریقه توان بود سنت الشعرا

به شعر بندهٔ اصنام گشتن آئین است
چه شد که بنده شدم پیش خواجهٔ دوسرا

گماں مبر که شدم شیعه اندریں قطعه
نعوذ بالله ازیں شیعه بودن و حاشا

قدم ز هر که بود از مدیح بر فلک است
رخ سخن سوے داور چرا ست نا زیبا

سخن که جادهٔ دیگر گرفت از ره رفت
بیا بسوے حقیقت بگیر راه هدیٰ

پس از رسول ابوبکر و بعد ازوست عمر
سپس ز جامع قرآن علیِ عقده کشا

قدم چگونه توانم دراں طریق نهاد
که نیک آگهم از عشوه هاے ابن سبا

فریب او به خداع وزیر مے ماند
که رخنه کرد در ایوان ملت عیسیٰ

باب الضاد المعجمة

ضابط

ضابط تخلص مہر علی ، نوجوان خوش وضع ، نیک نہاد اور چند روز سے پدر بزرگ وار کے ساتھ جذبۂ حب وطن سے تازہ وارد شاہ جہاں آباد لطافت بنیاد ہے ۔ صرف و نحو عربی اور قدرے طب سے بہرہ مند ہے ۔ دو تین غزل اس کی نظر راقم سے گزریں ، یہ چند شعر انتخاب ہو کر مندرج تذکرہ ہوئے :

حشر میں خاک سے سب لوگ تو نکلے لیکن
قبر عاشق سے جو دیکھا تو دھواں سا نکلا

نام کی تو شرم کر ضابط خدا کے واسطے
یہ ترا گریہ تجھے آخر بہا لے جائے گا

یوں تو ہر ایک سے وہ خلق سے پیش آتا ہے
پر ہمیں سے نہ کبھی اس نے کہی پیار کی بات

اپنے شکوے سے تو ہر گز نہیں ہوتا مانع
پر نہ کر ناصح ناداں کبھی اس یار کی بات

ضاحک

ضاحک تخلص شیخ مراد بخش خیاط ، درویش صاف باطن ہے ۔ جس قدر لباس لوگوں کو سی کر پہنایا ہے ، اسی قدر اپنا گریبان دست شوق کی درازی سے پھاڑا ہے ۔ مولانا فخر الملۃ والدین کے خاندان ہدایت نشان کا مرید عقیدت نہاد ہے ۔ اوائل میں گہ گاہ شعر بھی کہتا تھا ؛ ایک دوست نے اس کے اشعار سے یہ شعر راقم کے سامنے پڑھا :

چاک جگر کے سینے میں ٹوٹا ہزار بار
ضاحک یہ رشتہ بھی کہیں پیمان یار ہے

ضامن

ضامن تخلص مولوی ضامن علی ۔ اس کے حال سے سوا اس کے کہ ایک مرد بزرگ ، خوش اخلاق اور مشائخ وضع اور موضع جلال آباد میں مقیم ہے ، اور کچھ اطلاع نہیں ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے :

بت ہوا اس بت عیار کے آگے ضامن
کچھ تو بن آتی جو کچھ بات بن آئی ہوتی

ضامن

ضامن تخلص محمد ضامن ۔ اکبر آباد میں سکونت قدیم اور حیدر آباد میں راجا چندولال کی سرکار میں صیغۂ طبابت

رکھتا تھا۔ اول شعر ریختہ بے اصلاح کہتا تھا، جب شاہ نصیر مرتبۂ اول حیدر آباد میں وارد ہوئے اور ان کی شاعری کا شہرہ اس گل زمین میں بلند ہوا، کئی غزلیں ان کی نظر اصلاح میں گزرانیں۔ شاہ نصیر اس کے اوصاف حمیدہ اور محامد پسندیدہ سے اکثر تر زبان رہتے تھے اور اس کے سنن عمر ساٹھ سے زیادہ بیان کرتے تھے۔ اب غالب ہے کہ عالم فانی کو پدرود کیا ہوگا۔ یہ چند شعر اس کی غزلیات سے انتخاب ہوئے:

ہے آج ہر نفس نفس واپسیں مجھے
گر قتل کر کے جائیں تو احسان ہے آپ کا

حاضر ہیں دونوں چاہو اسے، چاہو اس کو لو
جان آپ کی ہے دل بھی مری جان ہے آپ کا

تم کو کیا کیا وفا کے دعوے ہیں
خیر کہیے مجھے یقیں آیا

کون اٹھ کر گیا کہ تو ضامن
آپ میں اب تلک نہیں آیا

چین لینے بھی نہ پایا تھا کہ پھینکا دل کو
اتنا اے زلف تو شانے کو بد آموز نہ کر

شیوۂ ظلم میں مشہور ہوا عالم میں
قتل سے میرے ہوا اور تجھے کیا حاصل

ضایع

ضایع تخلص، میر خیر الدین نا گوری، مقیم شاہ جہان آباد؛ سادات صحیح النسب سے ہے۔ غالباً کچھ سرمایۂ موروث فراہم ہے وگرنہ با وصف خانہ نشینی اور بے روزگاری کے فراخ دستی کے ساتھ معاش کرنی ل تعجب ہے۔ گہ گاہ فکر شعر کرتا ہے۔ نام شاگردی سے تنگ اور نکتہ گیری اور تعرض اغلاط اس کے واسطے محرک جنگ ہے۔ یہ دو شعر اسی کی زبان سے گوش زد ہوئے:

آخر کو نا توانی اک دن بٹھا ہی دے گی
دوش صبا پہ کب تک مثل غبار پھرنا

ضایع کا اے عزیزو کچھ ڈھنگ ہے نرالا
تا صبح روتے رہنا تا شام خوار پھرنا

ضبط

ضبط تخلص کالے خاں۔ اس کے احوال سے بہ تفصیل اطلاع نہیں، مگر اس قدر معلوم ہے کہ سابق پلٹن انگریزی میں زمرۂ سپاہ میں منسلک تھا، اب مدت ہوئی کہ تعلق سے نفور اور پاے بندیٔ سلسلۂ چاکری سے دور ہے۔ کبھی حضرت قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار اور کبھی سلطان لمشایخ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ فیض بار کی زیارت سے استفادۂ باطن کرتا ہے۔ بعض معتقدین مدارج اعلا کا ظن اس کی نسبت رکھتے ہیں۔ راقم جب اس کی ملاقات سے مشرف ہوا، اپنی زبان سے کہا کہ اوایل میں گہ گاہ

اشعارِ فارسی زبان قلم پر گزرے تھے ، اب بھی کبھی حضرات کی شان میں دو چار شعر کہنے کا اتفاق ہو جاتا ہے ۔ اس وقت جو پڑھا تھا ، کچھ کچھ راقم کو یاد رہ گیا ۔ جو کہ بزرگن بارگاہ الٰہی کا ذکر برکت و میمنت سے خالی نہیں ، ایک شعر ان اوراق میں مندرج ہوتا ہے :

عالم همه از فیض در شیخ به کام است
سلطان سلاطین جهان شیخ نظام است

ضرغام

ضرغام تخلص ، مرزا بہادر بیگ ، نوجوان پہلوان وضع ، ریختہ گوئی میں نو مشق ۔ یہ دو تین شعر اُس کے افکار سے ہیں :

کیا پوچھتا ہے ہمدم حال شکستگاں کو
جاتے ہیں ہم وہیں کو اُٹھتا ہے منہ جہاں کو

اے ستم گر سبب خاطر ناشاد نہ پوچھ
ہم سے مغموم مزاجوں کو نہ کر یاد نہ پوچھ

خاک ضرغام کا کوسوں نہیں لگتا ہے پتا
تیری شوخی نے کیا کیا اُسے برباد نہ پوچھ

ضرورت

ضرورت تخلص محمد جمیل ، ساکن قدیم پانی پت ، بالفعل مقیم شاہ جہاں آباد اور معلم صبیان ہے ۔ گہ گاہ راقم تذکرہ سے سر راہ ملاقی ہو جاتا ہے ۔ یہ شعر اُس کے نتائج افکار سے

منتخب ہوا :

تاثیر آہ و نالہ معلوم ہے جو کچھ ہے
کیا لوگے اے ضرورت گر پھر بکا کروگے

ضعف

ضعف تخلص ہے عابد حسین نامی جوان خوش رو ، نیک خو ، پسندیدہ اخلاق کا کہ اہلیت اس کے چہرۂ چوں آفتاب سے عیاں اور کوکب بخت اس کے ناصیۂ سعادت سے تاباں ہے ۔ فن شعر میں نو مشق اور قابل تربیت ہے ۔ یہ تین شعر اس کے افکار تازہ سے لکھے جاتے ہیں :

ایسا نہ ہو کہ دست نگاریں سے گم ہو دل
اے شوخ خوف ناک ہیں دزد حنا سے ہم

افتادہ رہ گزار میں ہیں اس لیے کہ گاہ
کچھ رہ رووں کا راز سنیں نقش پا سے ہم

ناصحو کیوں ضعف کے پیچھے پڑے ہو خیر ہے
وہ غریب اب ہے گرفتار آپ اپنے حال میں

ضعیف

ضعیف تخلص ، شجاعت علی ۔ اوائل حال میں نواب شمس الدین خاں مرحوم والیٔ فیروزپور جھرکہ کی رفاقت میں آسودہ حال اور تحصیل معاش سے فارغ البال زیست کرتا تھا ؛ جب سانحۂ ہوش ربا اس رئیس صاحب اقتدار کا اہل روزگار

کے واسطے عبرت افزا ہوا ، اور پرگنۂ مذکور حکام ذوی‌الاحترام کی ضبطی میں آیا ، اس عزیز نے والیٔ جے پور کی سرکار میں فی‌الجملہ ناخن بندی بہم پہنچا کر اور حصول آب و دن کو مغتنم جان کر قبائل اور عشائر کے ہمراہ اسی سر زمین کی سکونت اختیار کی ۔ گردش فلکی نے وہاں بھی اس کا قدم جمنے نہ دیا، آخرالامر نواب وزیرالدولہ والیٔ ٹونک کی خدمت سے شرف اندوز ہوا ۔ اس خاک دامن گیر میں چندے خرمیٔ خاطر کے ساتھ قیام کیا ۔ چند روز کے بعد اس نواح میں وباے عام نے اقویاے تناور کو ضعفاے لاغر اندام سے بھی ناتواں تر کر دیا اور بازار موت کا گرم ہوا ۔ یہ بزرگ وابستگان جگر خستہ کو ہمراہ لے کر روانہ شاہجہاں آباد ہوا ۔ کچھ لوگ تو اسی مرض سے راہ میں ملک بقا کو راہی ہوئے اور دو فرزند یہاں پہنچنے کے بعد ہیضۂ وبائی سے مر گئے ۔ بعد اس سانحے کے تاہل کو ترک اور آزادی کو اختیار کیا ۔ اب فقیرانہ زیست کرتا ہے اور جو کہ دست سوال کوتاہ کر لیا ہے ، اہل دنیا کی طرف پاے استغنا دراز کرنے میں کچھ باک نہیں ۔ راقم تذکرہ سے مخلصانہ ملتا ہے ، لیکن اس قدر لطف و شفقت پر سر راہ کے سوا اور کہیں ملاقات میسر نہیں ہوتی ۔ یہ دو تین شعر اس کے اسی کی زبان سے سنے گئے :

عشق کا بوجھ جب لیا سر پر
بار ہستی کو دوش سے پھینکا

اس کلوخ نجس کو ہاتھوں سے
کتنے جوش و خروش سے پھینکا

ہم بھی گویا کہ نقش پا ہیں ضعیف
جس جگہ بیٹھے پھر وہیں کے ہوئے

ضمان

ضمان تخلص ، میر محمد کامل ۔ شرفاے شاہجہاں آباد اور اس خاک فیض بنیاد کے روساے قدیم سے تھا ۔ نیک و بد روزگار کو بینایانہ دیکھا اور گرم و سرد زمانہ کو ہوشیارانہ چکھا ۔ دس بارہ برس ہوئے کہ سفر آخرت کیا ۔ شعر گوئی کا بہت ذوق تھا ۔ ایک دوست کے پاس دو بیاضیں اس کے اشعار سے سیاہ ہیں ۔ یہ دو شعر تحریر تذکرہ کے وقت یاد تھے :

بٹھلا دیا ہے ضعف نے گو جسم زار کو
پر پھرتی ہے لیے مری وحشت غبار کو
نہ پہنچی اس کے دامن تک مری خاک
مجھے شکوہ رہا باد صبا سے

ضمیر

ضمیر تخلص ، نرائن داس پنڈت ، ساکن شہر کرامت بہر شاہجہاں آباد ۔ فنون شاعری سے کماھی آگاہ اور عروض و قافیے میں صاحب[1] دست گاہ ۔ زبان فارسی میں فکر شعر کرتا تھا ۔ گو خود ہندی الاصل تھا لیکن اس کے اشعار ایرانی نژاد تھے ۔ بارے تلاش معاش میں سرگرداں ہو کر

۱ ۔ نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳۳۸) ”فصاحت“

''سریے'' کی طرف گیا اور اس نواح میں یاوریٔ بخت سے کام یاب ہوا ۔ کئی سال ہوئے کہ زال دنیا کے شعبدوں سے متنفر ہو کر ملک عدم کا سفر اختیار کیا ۔ یہ چند شعر اس کے نتائجٔ طبع سے ہیں :

تا گل عکس رخت رفت از کنار آئینہ را
می خلد جوہر ز تن مانند خار آئینہ را

چیدہ دامے ہم چو صیادان ز جوہر تا شود[1]
طوطی عکس خط خوبان شکار آئینہ را

صاف دل را کے بود با خاکساران دشمنی
نیست در خاطر ز خاکستر غبار آئینہ را

صد شیشہ شراب بہ بزم طرب شکست
دلہا ز دست محتسب بے ادب شکست

شاخ گل با غنچہ از خاک شہیدان سر نزد
بر سر تربت ز خون آلودہ پیکان کسے ست

مستیٔ چشم یکے سرخوشیٔ بادہ یکے
نشۂ آن بت مے خوار دوبالا افتاد

شد چمن مے کدۂ ناز مگر داد ضمیر
غنچہ را درس تبسم لب مے‌خوار کسے

ضمیر

ضمیر تخلص ، گنگا داس ، شاگرد شاہ نصیر ؛ علم رمل میں صاحب دست گاہ تھا ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے :

۱ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳۲۹) ''تا شوذ''

جس کو دیکھا کانپتا ہے وہ شرارت سے تری
برق کو بھی ابر میں ہم تو طپاں دیکھا کیے

ضمیری

ضمیری تخلص ، مرزا مظہر تاجدار ، ساکن بنارس۔ وارستہ مزاج ، درویش وضع ، گاہ گاہ خاک شاہجہاں آباد بھی اس کے نقش قدم سے صفحۂ ارژنگ پر ناز کرتی تھی۔ سیاحی کے وسیلے سے نوادر روم و شام اور غرائب شرق و غرب اس کی نظر عبرت نگر سے گذر گئے تھے۔ اشعار فارسی اس کے ہر چند تلاش معنی سے خالی تھے ، لیکن پاکیٔ زبان اور درستیٔ محاورہ سے خالی نہ تھے۔ زبان ریختہ بھی صاف ہے مگر اس سے کم مشقی تراوش کرتی ہے۔ اب عرصہ دس برس کا ہوا کہ عالم سپنجی سے سفر آخرت اختیار کیا۔ یہ چند شعر ریختہ بہم پہنچ گئے :

ہم نہ کہتے تھے ضمیری بے وفاؤں سے نہ مل
اپنے کاموں کا نتیجہ تجھ کو حاصل ہوگیا

ہائے مطعون شیخ و شاب ہوئے
تجھ سے مل کر بہت خراب ہوئے

یوں عادتوں کو تیری کیا کیا نہ جانتے تھے
لیکن تجھے ستم گر ایسا نہ جانتے تھے

کیا دن تھے وہ کہ تیرے تھے نام سے نہ واقف
اور اس گلی کا ہرگز رستا نہ جانتے تھے

ضو

ضوء تخلص ، منشی کمال‌الدین ، ساکن قدیم اله آباد ہے ۔ عمر اس کی نوے برس سے متجاوز اور مدت سے اختلال حواس اور فقدان بصارت سے خانہ نشین اور کنج عزلت میں خلوت گزین ہے :

سینے میں رهی آگ بھڑکتی کی بھڑکتی
اے دیدۂ تر تو تو کسی کام نہ آیا

عشاق تفتہ جاں پہ کبھی اک نگاہ بھی
اے برق منتظر ہے یہ مشت گیاہ بھی

مشکل نہیں ہے ربط کسی کا کسی کے ساتھ
پر اس کے ساتھ شرط ہے کچھ اک نباہ بھی

دیکھنا ہے تو دیکھ لو ضوء کو
آگے کیا جانیے کہ کیا ہو جاے

ضیا

ضیا تخلص ، ولی اللہ اکبر آبادی ۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے :

رہے گی یوں ھی اگر دل کو بے قراری رات
خدا ھی جانے کہ کیوں کر کٹے ھماری رات

نہیں امید کہ تا صبح اپنی جان بچے
یونہی رھا جو رگ و پے میں درد ساری رات

ضیائی

ضیائی تخلص زبدۂ سادات کبار ، سلالۂ شرفاے عالی تبار[۱] میر بدرالدین ۔ فن فارسی میں دست گہ تمام اور نظم و نثر میں قدرت مالا کلام ہے ۔ اخلاق پسندیدہ ہیں اور اطوار برگزیدہ ۔ کردار گفتار کے ساتھ پیوند اور باطن ظاہر کی طرح ارجمند ۔ طبیعت بہت سلیم اور فکر نہایت رسا ۔ پایۂ شعر کی بلندی اور طرز سخن کی خوبی اندازۂ بیان سے خارج ہے ۔ یہ چند شعر اس کے نتائجِ طبع سے ہیں :

ضبط آہ و نالہ مدت سے کیا کرتے تھے لیک
اب وہ راز دل ہمارا آشکارا ہو گیا

نو بہار آئی جنوں کا دل میں پھر طغیاں ہوا
پھر گل داغ جگر کے واسطے ساماں ہوا

پاس اپنے کیا دھرا تھا اے فلک جز نقد دل
وہ بھی اے ظالم نیاز ناز خوباں ہو گیا

کیا کیا ہے ناز حسن رخ آفتاب کو
چہرے سے تو بھی اپنے الٹ دے نقاب کو

ساقی نکال شیشے سے جلد اب شراب کو
پردے میں کیوں بٹھائے ہے اس بے حجاب کو

کعبے میں اور دیر میں دیکھا نہ ہم نے فرق
پایا ہر ایک نبض میں اک اضطراب کو

۱ ۔ نسخۂ اول (ص ۳۴۹) میں ''رتباو'' غلط ہے ، نسخۂ نول کشور ۱۱۹۹ھ میں ''تبار'' صحیح ۔

چشم پر آب پر مری کرتا ہے چشمکیں
چشم حیا ہے دیکھو تو کچھ بھی حباب کو

ٹپکا لہو نہ چشم ضیائی سے آخرش
مدت ہوئی ہے بہتے ان آنکھوں سے آب کو

جوش وحشت اس جہان میں لے کے آیا ہے ہمیں
اب کہاں جائیں گے یاں سے ٹھوکریں کھاتے ہوئے

ضیغم

ضیغم تخلص ، شاہ کاو ، درویش بے نوا ، فقرائے ملنگ کے ساتھ قدم اعجاز توام خلاصۂ ماء و طین ۔ رسول مقبول کی زیارت کے واسطے بعد ایک سال کے وارد دہلی ہوتا ہے ۔ آزاد محض اور وارستہ محبت ہے ۔ خط نستعلیق اور شفیعامیں بے مثل ، کلام مجید کو ایام کہولت میں حفظ کیا ، قدما کے اشعار حد سے زیادہ یاد اور وضع ۔ پروائی سے دل شاد ہے ۔ یہ دو شعر اپنے نتائجؔ طبع سے کاپی کے کاغذ پر اپنے ہاتھ سے لکھ کر راقم آثم کو دیے تھے ۔ ہر چند یہ اشعار بھی اچھے ہیں لیکن وہ رقم سر خط تعلیم اور صاحب دولتان اقبال مند کی خط تقدیر کے مانند سر پر رکھنے کے لائق ہے ۔ وہ اشعار نظر تماشائیان تذکرہ سے گذرتے ہیں :

ساقی بیکے جرعہ خرد از سر من بر
زیں ہوش ربا بادہ و مے بے خبرم کن

اے سایۂ رحمت کہ تو از سایہ شدی پاک
دامن ز سر لطف بیا و بسرم کن

باب الطاء المہملۃ

طالب

طالب تخلص ، محمد یعقوب ، فرزند رشید و خلف[1] سعید قاضی فیض اللہ ۔ جوان نیک نہاد ، اٹھارہ انیس برس کی عمر ہے اور علوم ضروری سے بہرۂ وافر رکھتا ہے ۔ طیب اخلاق سے نکہت گل خجل اور سنگینیٔ حلم سے گرانیٔ کوہ منفعل ۔ رسائی طبیعت اور اصابت فکر اور سلامت ذہن حد وصف سے خارج ہے ۔ بہ سبب موزونیٔ طبیعی کے شعر گوئی کی طرف ملتفت ہے اور حافظ قطب الدین مشیر سے مشورہ کرتا ہے ۔ یہ چند شعر اُس کے نتائجِ افکار سے مرقوم ہوتے ہیں :

گھبرا کے مرے گھر وہ گل اندام نہ آیا
یہ جذبۂ الفت بھی کسی کام نہ آیا

کیوں کہ دل بے تاب کو تسکین ہو طالب
قاصد نہ پھرا وصل کا پیغام نہ آیا

---

۱ ۔ نسخۂ اول (ص ۳۵۰) میں ''خلیف'' غلط ہے ۔ نسخہ دوم میں ''خلف'' صحیح ۔

تو مجھ کو ستاتی ہے عبث حسرت دیدار
روزن بھی ہوا بند وہ دیوار کا اب تو

ہر بات پہ وہ آگ ہوا جائے ہے ہم دم
الٹا ہے اثر آہ شرربار کا اب تو

دل لیتے ہی وہ بات رہی اس کی نہ طالب
ہے اور مزاج اس بت عیار کا اب تو

طالب

طالب تخلص، حافظ طالب، ساکن رام پور، شاگرد مولوی قدرت اللہ شوق تخلص۔ کہتے ہیں کہ کتب درسیۂ عربی کو نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھاتا ہے۔ یہ شعر اس صاحب استعداد کا مسموع ہوا:

چیریے سینے کو شق کیجے دل دل گیر کو
یہ ہی دو جا گہ[1] ہیں اور کیا کہا گیا میں تیر کو

طاہر

طاہر تخلص، محمد طاہر قندھاری۔ زبان فارسی میں بہت سلاست و روانی کے ساتھ تکلم[2] کرتا ہے۔ عروض و قافیے سے بھی فی الجملہ واقف ہے اور صرف و نحو عربی میں استعداد کامل اور مسائل ضروریہ صوم و صلواۃ کا استحضار معقول ہے۔ صحبت اہل ہند سے زبان اردو صاف اور ریختہ کی[3] طرز دل چسپ ہے۔ یہ شعر اس کا یاد تھا:

۱- جا گہ یعنی جگہ۔
۲- نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ: حکم
۳- نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ: کا طرز

ناز کرتی ہوئی ہم پر جو صبا آتی ہے
کوچۂ زلف سے اس شوخ کے کیا آتی ہے

طرب

طرب تخلص ہے زبدۂ جوانان اہلیت گزیں ، اسوۂ سعادت کیشان زمانۂ حال و پیشیں ، خوش اطوار ، پسندیدہ کردار ، سلالۂ خاندان کرام مولوی رحیم بخش نام کا ، کہ کرم اخلاق اور طرز وفاق میں مشہور اور نواسہ حضرت با برکت قدوۂ ارباب صفا ، عارف معارف ہدیٰ ، مرتقیٔ مدارج کمال ، امام آئمۂ حال و قال ، شیخ نور محمد قادری تھانیسری مغفور کا ہے ۔ طبیعت قویم کی اعانت اور ذہن سلیم کی امداد سے کتب متداولۂ فارسی کو تحقیق و تدقیق کے ساتھ پڑھا اور ضروریات نظم و نثر کو کما ھی دریافت کیا ۔ استفادۂ فوائد علمی کا مرجع جناب استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی عالی مفارق الانام اور اصلاح شعر کے واسطے مآب صاحب زادۂ حضرت استادی ممدوح مولوی عبد الکریم سوز سلمہا اللہ المنعام ۔ اگر مشق سخن کا سلسلہ یوں ہی دراز رہے گا تو یقین ہے کہ پایۂ کلام ارتقاء اور فرق سخن سنجی اعتلا بہم پہنچائے کہ طبیعت تحقیق طلب اور سلامت ذہن رہنما ہے اور تاریخ گوئی میں تو مبداء فیاض نے ایسا ید طولیٰ عطا کیا ہے کہ اس کی مدح حیزّ تقریر سے خارج ہے ۔ یہ چند شعر اس کے طبع زاد ہیں :

مرغ دل مشتاق ہے تیری مژہ کے تیر کا
دل نہ توڑا چاہیے صیاد اس نخچیر کا

برگشتگی سے طالع بلبل کی خوف ہے
پھر جائے آتے آتے نہ موسم بہار کا

آتش مزاجیوں کا نتیجہ ہے مفلسی
خالی رہے ہے پنجہ ہمیشہ چنار کا

قتل تو کرتا ہے مجھ کو پر میں ہوں برگشتہ بخت
خوف یہ ہے منہ نہ پھر جائے تری تلوار کا

سمجھتے ہیں کہ ہے صیاد درپے آزار
اور اس پہ دھیان ہے گلشن میں آشیانے کا

دو ہی دن میں کچھ سے کچھ احوال میرا ہوگیا
جو مجھے دیکھے ہے کہتا ہے تجھے کیا ہو گیا

ہم صفیرو ! چھوٹنا کیسا کہ آتے ہی بہار
اور دونا ظلم میری جان پر ہونے لگا

ملے گی دیکھیں گے کس کس ستم زدے کی داد
کبھی جو عرصۂ محشر میں فتنہ گر آیا

اے طرب عشق سے پرہیز ہے لازم مجھ کو
جان جائے گی کسی بت پر اگر دل آیا

آفت زدے تھے اور بھی دنیا میں اے فلک
کیا خاک میں ہمیں کو ملانا ضرور تھا

بہت ہی ملتی ہے اس کی طرب سے کچھ صورت
موا پڑا ہے ترے در پہ اک جوان کیسا

ہیں ہاتھ میں سفّاک کے یہ تیغ و سناں آج
دو چار کے سر جائیں گے دو چار کی جاں آج

لیوے گا کیا طرب تو کوے بتاں میں جا کر
مرد خدا کوئی دن بیٹھا خدا خدا کر

آگے کو دل لگانے کی توبہ ہے اے طرب
پر اب کسی طرح مرے قابو میں آئے دل

اور ملتا ہی نہیں مجھ کو ٹھکانا کوئی
پھر پھرا کر ترے دروازے پہ آ جاتا ہوں

ایک دم کی تو ہے کل زیست طرب مثل حباب
اور پھر موج حوادث کے ہیں کھٹکے لا کھوں

نہ پھینکا اس طرف تیر نگہ اس نے تغافل سے
تو ہم سمجھے کہ ہم پر رحم آیا ناوک افگن کو

ہمارے سینے میں دل ہمارا ہمیں پہ آفت اٹھا رہا ہے
عدو کے جوروں کی کیا شکایت کہ دوست اپنا ستا رہا ہے

ہوائے شوق سے اڑ کر چمن میں پہنچیں گے
نہیں سہی ہم اگر بال و پر نہیں رکھتے

کیوں کرو ترک ملاقات کو رفتہ رفتہ
یوں ہی کہہ دو کہ ترے ملنے سے ہے عار مجھے

طرب

طرب تخلص، موتی لعل، شاگرد شاہ نصیر مرحوم۔ اس کا حال سوائے اس کے کہ قوم کھتری اور روزگار پیشہ تھا، اور کچھ معلوم نہیں۔ ایک شعر اس کے نتائج افکار سے مسموع ہوا؛ طرز سخن سے معلوم ہوتا ہے کہ استاد کی طرز میں اہتمام اور اس وضع خاص میں قدرت تمام رکھتا تھا:

نہیں گوندھی ہے چوٹی دست مشّاطہ نے جانان کی
یہ مشکیں باندھ لیں ہیں اس نے دزد دین و ایمان کی

طرب

طرب تخلص، دھومی لعل، برادر زادۂ حقیقی راجا کنول نین، قوم کائیتھ، متوطن شاہ جہاں آباد، شاگرد شاہ نصیر مرحوم۔ طبع سالم اور سخن سنجی میں مشاق قدیم ہے۔ مکان شاہ نصیر مرحوم میں بے ضرورت قویہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ شب مشاعرہ کو سخن وران شیریں کلام کے ساتھ ہم ترانہ نہ ہوا ہو۔ یہ اشعار اس کے دیوان سے انتخاب ہوئے:

میں ہی کیا تنہا ترے کوچے سے دے کر سر اٹھا
جو بہ شکل نقش پا بیٹھا سو وہ مٹ کر اٹھا

جو گرا آنکھوں سے پھر ہوتا نہیں ہے سر بلند
کس نے دیکھا ہے کہ اشک آنکھوں سے پھر گر کر اٹھا

اک بار کرو قتل تو جھگڑا ہی یہ چک جائے
ہر روز کا تو جور و ستم اٹھ نہیں سکتا

ابر و مینا و مے و ساقی و مطرب ہے طرب
کیا مزا تھا جو مرے پاس وہ دلبر ہوتا

تیرے مجنوں کے گلو میں نالۂ آہن گداز
آن کر اٹکا تو پانی طوق گردن ہو گیا

طرز

طرز تخلص ہے احمد حسین کا کہ تلمیذ ہے جناب فیض مآب، اقبال پناہ، دولت دست گہ، ماسوے صابر

ہیچ مدان مرزا محمد خدا بخش قیصر تخلص کا۔ جوان ، موزوں طبع اور خوش فکر ہے ۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے انتخاب ہوئے :

دل کا ترے ستانا چاہا نہ ہم نے ورنہ
نے گریہ بے اثر تھا نے نالہ نارسا تھا

پڑی ہیں حسرتیں خوں گشتہ لاکھوں
مرے مدفن سے اس کی رہ گزر تک

اتنا تو صبر دے ہمیں یا رب کہ ہجر وصل
جلدی کریں نہ اس بت دیر آشنا سے ہم

دیکھنا خال و خط و زلف کا منظور نہیں
طرز ہم قدرت خالق پہ نظر کرتے ہیں

اب کے مل جائے وہ ، تو کام نہیں
اگلی پچھلی حکایتوں سے ہمیں

باب الظاء المعجمة

ظالم

ظالم تخلص ، ظالم سنگھ برہمن ۔ اوایل حال میں زمرۂ متصدیان سرکار بیگم شمرو میں منتظم تھا ۔ جب بیگم موصوفہ نے وفات پائی اور پرگنہ اُس کا ممالک مقبوضۂ حکام وقت میں داخل ہو گیا ، فرط خانہ نشینی سے تہی دست اور تنگ عیش ہوا اور کثرت احتیاج سے گدائی تک نوبت پہنچی ۔ آخر تعلیم اطفال کو وسیلۂ تحصیل معاش کر کے اوقات عمر کو تنگی و ترشی سے بسر کیا ۔ اکثر شعر فارسی اور گاہ گاہ فکر ریختہ کرتا تھا ۔ یہ دو شعر اُس کے مسموع ہوئے :

ہم رہے گل چیں ہمیشہ گرچہ باغ عشق سے
مفلسی کا داغ سوزاں تر ہے داغ عشق سے

دن تو رو پیٹ کر کٹے لیکن
ہجر کی شب پہاڑ آتی ہے

ظاہر

ظاہر تخلص ، رام پرشاد ، قوم کھتری ، شاگرد مرزا رحیم الدین ایجاد ۔ نوجوان خوش اخلاق ہے اور فن سخن سے مناسبت تمام رکھتا ہے ۔ اب تک عالم نومشقی ہے ، رفتہ رفتہ

سخن ایک اسلوب دل پزیر پکڑ جائے گا۔ یہ چند شعر اُن
کے کلام سے تحریر ہوئے :

میں خاک ہوں ہوئی شاید مجھی کو راہ وہاں
یہ لوگ کہتے ہیں دل میں ترے غبار آیا

وہ کس ستم سے خجل ہے کہ ہے وہ حد سے زیادہ
کہ اب جو سامنے آیا تو شرم سار آیا

بہار آئی ہے ظالم خدا خدا کر کے
مٹا نشان نہ بلبل کے آشیانے کا

تغافل اور یہ دل کی کشش خدا کی ہے شان
یہ ڈھب ہی اور نکالا ہے دل چرانے کا

بچے دل اس بت بے داد گر سے کیا ظاہر
کہ سادگی پہ وہ عیار ہے زمانے کا

ظاہر گر ایک بار بھی جائے تو یوں کہے
آنا مجھے پسند نہیں بار بار کا

ہمارے سر پہ کوئی آئے کوئی جائے پہ ہم
سوائے گریہ کسی کی خبر نہیں رکھتے

صیاد تیرے ڈر سے ہوں خاموش ورنہ یاں
میں اور چین دیوے گھڑی بھر نغاں مجھے

ظاہر تجھے وہاں سے نہ روکوں تو کیا کروں
ناداں بہت عزیز ہے تیری تو جاں مجھے

ظرافت

ظرافت تخلص ہے ایک زن پردہ نشیں کا۔ اگرچہ کسی

عہد میں شوخ ادایان دل ربا کے زمرے میں شمار کی جاتی تھی ، لیکن اب جو گل زار حسن میں خزاں اور کنعان جمال میں قحط سے اس نہال خمیدہ کو شاخ خمیدہ کے ساتھ مشابہت بہم پہنچی اور وہ صاحبی بندگی کے ساتھ مبدل ہو گئی ، ہیہات یہ کیا بات ہے ایک طرح کے حسن سے اب بھی خالی نہیں - پہلے حسن خلقت تھا ، اب حسن خلق ہے - کہتے ہیں شعر بھی کہتی ہے - غالباً شکایت یاران دل چسپ ، جو اب اس کو منھ نہیں لگاتے ، اس پردے میں دل سے نکلتی ہے - ایک شخص نے کہ اس سے معرفت سابقہ رکھتا ہے ، راقم ہیچمدان کے سامنے پانچ چار شعر پڑھے تھے - ہر چند کوئی شعر قابل تحریر نہ ہوا ، لیکن تذکرے کی ضرورت سے یہ ایک بیت مرقوم ہوئی :

اس کے لب ہیں شراب سے بہتر
حسن ہے آفتاب سے بہتر

ظریف

ظریف تخلص میر امان اللہ - اصل اس کی لاہور ہے لیکن چالیس برس سے ترک وطن کیا اور بیشتر بنارس اور کم تر شاہ جہاں آباد میں مقیم رہا - اب حسب ضرورت عیال اور اطفال کے ساتھ بلدۂ لکھنؤ میں ہے - یہ شعر اس کا یاد تھا :

وعدۂ وصل تلک کیوں نہ جیے صد افسوس
مر کے ہم ایسے پشیماں ہیں کہ جی جانے ہے

ظفر

ظفر نام نامی اور اسم سامی ، آرائندۂ ملک و کشائندہ اقلیم ، طرازندۂ تخت ، فرازندۂ دیہیم ، مالک رقاب امم ، خورشید علم ، مریخ حشم ، ماحیٔ آثار جور و بے داد ، قامع بنیان شر و فساد ، بانیٔ بنائے جہاں بانی ، موسس اساس مملکت ستانی ، جہانیاں پناہ ، ملائک سپاہ ، والیٔ زمان و زمیں ، صاحب تاج و نگیں ، سکندر شوکت ، دارا حشمت ، کسریٰ ایوان ، افراسیاب توان ، حاتم سخاوت ، رستم شجاعت ، فریدون فر ، جمشید افسر ، سلیماں جاہ ، زیبندۂ افورنگاہ ، سراج الدین محمد بہادر شاہ خلداللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ ، کہ گردش چرخ اس کے حکم قضا توام سے وابستہ ہے اور توسن فلک اس کے امر نافذ کی عنان کشی کے بغیر پا شکستہ ہے ۔ نوشیرواں اس کے ایوان کا ادنا دربان اور حاتم اس کے مائدۂ احسان پر ناخواندہ مہمان ۔ رستم اگر آس کی حمایت پر تکیہ نہ کرتا ، تن تنہا صف اعدا پر حملہ آور نہ ہو سکتا اور دریاے نیل اگر اس کے مجاہدان عساکر کی عرق سعی سے طغیان میں نہ آتا ، لشکر فرعون کو نہ ڈبو سکتا ۔ باد صبا کو حکم ہے کہ کیسۂ غنچہ کی گرہ بے احتیاط نہ کھولے تا کہ زر گل میں نقصان نہ آئے اور باد صرصر کو تاکید ہے کہ صحن چمن میں بے باکانہ نہ چلے تا کہ ضعفاء سبزہ کے سر و گردن میں ضرب نہ پہنچ جائے ۔ نیزہ اس کا متاع شجاعت کے تولنے کے واسطے سینۂ اعدا میں ترازو ہے اور تیغ اس کی فتح اور نصرت کی پشتی کے لیے دوستوں کی قوت بازو ہے ۔ اس کی سخاوت کے عہد میں زر

کو دست ائمہ سے نجات اور اس کے انصاف کے دور میں مفسد کی جان مورد آفات۔ ناموس شریعت کے پاس سے دختر رز پردۂ مینا میں مستور، خاکساری طریقت کے لحاظ سے منصور کی انانیت بندگی کے نام سے مشہور۔ اقبال اس کے دولت خانے کا دربان اور دبدبہ اس کی بارگاہ کا پاسبان۔ تیر آرش (؟) اس کے میدان شجاعت میں زبان خار سے خجل اور گرز فریدوں اس کے عرصۂ مہابت میں سر تازیانہ سے منفعل۔ قدر دانی سخن سے عبارت میں دوائر دمڑی زر اور الفاظ متوطہ گنج گوہر۔ سخن (؟) اس کے لب سے ہم پایۂ اعجاز اور مضمون نیاز اس کے اشعار میں ہم پہلوے ناز۔ شاہدان مخمل قدمی ہر راہ سے اسی کے جادۂ قلم میں عنان انگن رہیں اور نو زبندان مشک نفس ہر طرف سے اسی کے میدان صفحہ میں گام زن رہیں۔ اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامان معنی کی آواز، اس کے الفاظ سے فروغ معنی جلوہ گر ہے یا مینا سے پری نقاب کشا۔ سلسلۂ سطور پرتو مضامین سے شبستان صفحہ کے واسطے فتیلۂ چراغ، دوائر حروف کیفیت معنی سے بزم اوراق میں (؟) خط ایاغ۔ بزمیہ میں معنی کی رنگینی پرتو مے، رزمیہ میں مداد کی تری خون و خوے (؟) حرفوں کے دائرے اشعار متصوفانہ میں دیدۂ بینا اور ابیات عاشقانہ میں چشم گریہ زا۔ اور بین السطور بہاریہ میں خیابان اور فلکیات میں کہکشاں۔ نفس شگفتگی الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی رقم سے ریشۂ یاسمن۔ مصرع قامت شمشاد، بیت ابروے خوبان شاخ شمشاد۔ ہاں اے خامۂ سبک جولاں! آہستہ خرام کر کہ ثناے شاہی وہ صحراے ناپیدا کنار ہے کہ پیک خیال ہزار برس بالا دوی کرے، اس راہ دراز سے ایک مور ضعیف

کے نقش پا کے برابر طے نہ کر سکے ۔ اب اس شغل خطیر سے ہاتھ اٹھا اور یہ تو بیان کر کہ اس شہنشاہ گردوں بارگاہ کے نام بلند مقام کو اسامی رعایا کے ساتھ بالش صفحہ پر دم نشیں کرنا کس مشیر کی اجازت اور کس صلاح کار کی رخصت ہے ۔ ہیہات ہیہات ! اس کا جواب مدعائے عاشق سے زیادہ تر اب اظہار پر آمادہ ہے اور سائے سے زیادہ پیش پا افتادہ ۔ اس باب میں مشیر کے مشورے کو کیا بار اور صلاح کار کی اجازت کو کیا گزار ۔ مشرق مطلع سے مغرب مقطع تک اسی آفتاب گردوں جناب کی سیرگہ ہے ۔ علاوہ اس کے یہ آفتاب تو اس شاہ خورشید کلام کے نام بلند مقام کے واسطے حکم تخت گہ رکھتا ہے اور کیوں کر متصور ہے کہ تخت گہ قدوم شہنشاہ ہمایوں سے مزین نہ ہو ۔ بہر کیف ضمیر معنی یاب مناسب دیکھتا ہے کہ جو نثار مدح سے ہاتھ کوتاہ ہے ، اس مقام میں اشعار شعری شعار سے کچھ کچھ درج صفحۂ تحریر کرے ، کہ ارباب مذاق اس سے لذت اور اہل دل اس سے معرفت حاصل کریں :

دل کا کچھ کام نہ تجھ سے بت پر فن نکلا
دوست جانا تھا تجھے جان کا دشمن نکلا

عشق نے کیا جانے کیا سینے میں بھڑکائی ہے آگ
اب جو سینے میں مرے ہر داغ اخگر سا بنا

شمع نے رو رو کے کاٹی رات سولی پر تمام
شب کو جو محفل سے تو اے زیب محفل اٹھ گیا

سوؤں میں کیا کہ مرے پاؤں کو بھی زنداں میں
آرزوے خلش خار نے سونے نہ دیا

یاس و غم رنج و تعب میرے ہوے دشمن جاں
اے ظفر شب انھی دو چار نے سونے نہ دیا

دیکھ کر اس بت کافر کے ستم
اے ظفر مجھ کو خدا یاد آیا

یاد میں اس کے گل عارض کے ، اشک خوں سے رات
لی جدھر کروٹ اُدھر بستر گلابی ہو گیا

گردش چشم بتاں سے دل کو ہو کب مخلصی
حلقۂ گرداب سے نکلے ہے کب ڈوبا ہوا

خار سا کھٹکے ہے جی میں اس کی مژگاں کا خیال
ہے رگ جاں میں یہ نشتر کیا غضب ڈوبا ہوا

آیا مژگاں سے مری جیب پہ سو بار سرشک
پر غبار اس کے نہ دل پر کبھی دھو کر آیا

مثال نقش قدم بیٹھ کے اٹھوں کیوں کر
ازل سے حق نے مجھے ناتواں بنایا تھا

بیان کیجے اگر احوال اپنی شام غربت کا
گریباں تا بہ دامن چاک ہو صبح قیامت کا

جنوں صد آفریں ! کیا ہی اڑائیں دھجیاں تو نے
رہا پرزا نہ دامن کا نہ اک ٹکڑا گریباں کا

خاک ہو کر بھی بگولے کی طرح چین نہیں
حال ابتر ہے یہ کچھ تیرے ہواخواہوں کا

جلا جی نہ دل مفت لے کر کسی کا
کہا بھی تو مان اے ستم گر کسی کا

بے طاقتیٔ دل سے یہ حالت ہے کہ اب تو
اشک آنکھ سے بھی میری رواں ہو نہیں سکتا

ظہور

ظہور تخلص ، زبدۂ اہل کمال ، قدوۂ ارباب فضل و افضال ، واقف اسرار خفی و جلی ، مولوی ظہور علی ۔ وطن اصلی اس مظہر آثار اخلاق کا ہریانہ اور اب مدت سے مسکن و ماوا خاک شاہجہاں آباد ہے ۔ چھ سو برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ مولانا شیخ کریم الدین جو اس زبدۂ اہل فضل کے جد امجد تھے ، بخارا سے ہندوستان میں تشریف فرما ہو کر چندے قصبہ رھتک میں قیام پذیر اور پھر جھجر میں ساکن ہوئے ، لیکن من بعد بزرگان والا قدر نے قصبۂ دادری میں توطن اختیار کیا ۔ سلسلہ اس کے اجداد کا محمد ابن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدۂ ماجدہ اس کی زبدۂ اولاد امجاد غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ اور بنت مولوی فضل علی مغفور ہے ۔ اور یہ غفران مآب حضرت سید شیر محمد قادری برھان پوری کی اولاد سعادت نژاد سے تھے ۔ یہ حال ہے اس کے آبائے کرام اور اجداد عظام کا ۔ اب اس معدن مکارم کے اوصاف مذکور ہوتے ہیں کہ آس کی ذات تقدس صفات میں خلق اور تواضع ایسی ہے جیسے گل میں آب ، اور دل میں کرم و مروت اس طرح جس طرح خورشید میں تب ۔ دقایق علوم سے آگاہ اور غوامض فہوم میں کامل دست گاہ ہے ۔ فن سخن کو جناب مغفرت مآب حافظ عبدالرحمان خاں احسان اور شاہ نصیر اور مومن مرحوم سے

کسب کیا ہے ۔ تاریخ گوئی کی طرف توجہ تام اور مادہ‌ہائے غریب کے استخراج کی جانب التفات تمام ہے ۔ والد ماجد اس یکتائے عصر کے مولوی فتح علی نام فن فارسی میں یگانۂ روزگار اور وحید شہر و دیار تھے ۔ 'الولد سرّ لابیہ' کا مضمون اس زبدۂ اہل استعداد کے ناصیۂ حال سے واضح ہے کہ علوم ادبیہ خصوصاً شعر کو رونق و بہا اور تحقیق و تدقیق مقاصد کو ضیا ایسی دی ہے کہ زبان اس کے اوصاف میں لال ہے ۔ یہ چند شعر اس صاحب سخن کے صفحۂ تحریر پر جلوہ طراز ہوتے ہیں :

قصد ستم سے پہلے یہاں دم نکل گیا
نکلی نہ ہائے آہ ستم ایجاد کی ہوس

گردش ہے مجھے چشم کی مانند ہمیشہ
آوارہ میں گھر میں ہوں مسافر ہوں وطن میں

عالم میں ہے یوں ہستیٔ موہوم ہماری
موئے کمر یار ہو جس طرح بدن میں

خط کے آنے پہ کہاں وہ رخ گل‌گوں کی بہار
باغ سبز اب نہ دکھا اے گل خنداں ہم کو

سامنے اس کے نکلنے کی نہیں بات ظہور
گھر میں تم بیٹھ کے باتیں ہی بنا جانتے ہو

ہے چار طرف حسن کی جس کے یہ تجلی
وہ شاہد یکتا نہیں معلوم کدھر ہے

اے اشک مرے دیدۂ نم ناک سے باہر
جاتا ہے کہاں تو تو مرا لخت جگر ہے

ظہور

ظہور تخلص ، احمد جان ـ اصل اس جوان لطیف نہاد کی مرشد آباد ہے لیکن ایام طفلی سے کسی امر سہل پر والدین سے آزردگی بہم پہنچا کر چندے بنارس میں قیام کیا اور کچھ لکھنؤ میں رہا ـ وہاں کتب فارسی سے کچھ کچھ روشن سواد ہو کر شاہجہان آباد میں وارد ہوا اور اب یہیں طالب علمی میں صرف اوقات کرتا ہے ـ کبھی کبھی شعر ریختہ کہتا ہے ـ یہ شعر اس کا تحریر تذکرہ کے وقت ایک آشنا کی زبان پر آ گیا تھا مرقوم ہوا :

ہم خاک ہو کے اس کی گلی میں رہے تو کیا
باد صبا کو ضد ہے ہمارے غبار سے

ظہور

ظہور تخلص ، محمد ظہور ، حافظ قرآن اور فی‌الجملہ روشن سواد ہے ـ کئی بار مشاعرے میں آیا اور سامعان سخن فہم کو مسرور کیا ـ بعضے کہتے ہیں کہ شیر خوانی میں ناقل محض اور حاکیٔ صرف ہے ، بہر کیف یہ شعر اس کا یاد تھا :

باتوں پہ تیری بھولے ہوئے تھے پر اب یہ لوگ
حالت کو میری دیکھ کے ہشیار ہو گئے

ظہیر

ظہیر تخلص ، زبدۂ دودمان سیادت ، قدوۂ رہروان

سعادت، مالک ارم دل و جان، والیٔ کشور قلب و جنان یوسف رخ، رستم تواں، سید محمد جان۔ لمعۂ آفتاب اُس کے فروغ چہرہ کے سامنے محتاج نقاب، پرتو ماہ اس کی روشنیٔ رخسار کے آگے جویاے حجاب۔ باوصف سادہ روئی کے مردم آمیز اور باوجود بےپروا مزاجی کے مہر انگیز۔ سواد استعداد عبارت فارسی میں روشن اور طبیعت رنگینیٔ مضامین سے گلشن۔ اشعار ریختہ اپنے پدر بزرگوار میر یحییٰ ناظم کی نظر اصلاح سے گزرانتا ہے۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں:

یاں صرف[1] بےوفاؤں کا تھا بر سبیل ذکر
ہم نے خدا نخواستہ تم کو نہیں کہا

اک دل ربا کے کہنے پہ اتنے خفا[2] ہوئے
کچھ جنگ جو کہا نہیں بدخو نہیں کہا

اتنا گراں نہ ہو کہ کبھی کچھ برا بھلا
اب تک تو اے ظہیر کبھی تو نہیں کہا

وہ بھی کیا ملک عدم ہے اے ظہیر
اس گلی میں جو گیا آیا نہیں

۱ - نسخہ مطبع مرتضوی ۱۲۷۱ھ و نسخہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۹ھ میں 'حرف' ہے۔
۲ - 'ہوئے خفا' (نسخۂ نولکشور ۱۲۹۹ھ)

باب العین المہملۃ

عاجز

عاجز تخلص ، عالی منزلت ، والا مرتبت ، واقف حقائق مقید و مطلق ، پیر جی شرف الحق ، کوتوال شہر لطافت بہر حضرت شاہجہان آباد صانہا اللہ عن الشرو الفساد ۔ یہ پسندیدہ اطوار سلالۂ خاندان شرافت تواماں زبدۃ العارفین ، اسوۃ العاشقین شیخ جلال الدین تھانیسری قدس سرہ ہے ۔ تفویض عہدۂ کوتوالی کی ابتدا سے اب تک امور مفوضہ کو نیک نامی و دیانت کے ساتھ سرانجام دیا ، ہوشیار خرامی دغور مقدمات دایرۂ تبیان سے خارج ہے ۔ حق رسائی خلائق اور پاس مرضیات خالق ہر کام میں پیش نہاد خاطر ہے ۔ علم ضروری سے مایہ دار اور فہم و تمیز میں یگانۂ روزگار ۔ تفویض عہدہ سے پہلے گاہ گاہ فکر شعر کا اتفاق ہوتا تھا ، اب کہ صرف انتظام امور عباد و بلاد میں اوقات صرف ہوتی ہے ، اس طرف توجہ کم ہے ۔ پہلے واردات زمین سخن کا فکر دامن گیر تھا ، اب ان واردات کا کہ زمین ربع مسکون میں سانح ہوتی ہیں ، اندیشہ لاحق رہتا ہے ۔ اول صرف گفتار تھی ، اب محض کردار ہے ۔ ہر چند روز مرہ شعر کا روزگار قدیم کے موافق ہے ، لیکن صفائی اور متانت سے خالی نہیں ۔ یہ چند شعر افکار گوہر نثار سے ہیں :

مژگاں پہ نکل لخت جگر آئے ہیں کیا کیا
یہ خار و خس اب دیکھ ثمر لائے ہیں کیا کیا

سنبل کو آج باغ میں ہے زندگی محال
اس سرو قد کی زلف گرہ گیر دیکھ کر

ترے ہجر کا اب علاج اے مسیحا
اگر دیکھتے ہیں تو سم دیکھتے ہیں

مدت سے چھوڑ بیٹھا اس جسم ناتواں کو
دم تیرے دیکھنے کو آنکھوں میں آ رہا ہے

خوف ہے اس کی جبیں پر جو تری رہتی ہے
تیغ ابرو پہ یہ کیوں آب دھری رہتی ہے

کس کے یہ دیدۂ گریاں کی نظر کا ہے اثر
کاہ جو دشت میں بے آب ہری رہتی ہے

عاجز

عاجز تخلص ، مرزا عبداللہ بیگ ابن مرزا احمد بیگ ، ساکن کھاری باولی کہ ایک محلہ ہے محلات شاہجہاں آباد سے - جوان خوش اخلاق و نیک نہاد و نیک منظر ہے - علم و حیا گوشۂ طبیعت میں جاگزیں اور شرم و مروت خلوت دل میں زاویہ نشیں - طبع میں سلامت ہے اور ذہن میں استقامت ، معنی میں بلندی ہے اور الفاظ میں چستی - راقم کے ساتھ سوائے تلمذ کے رشتۂ محبت و صداقت کو ایسا استحکام دیا ہے کہ برادر حقیقی کے ساتھ وہ معاملہ مشاہدہ نہیں ہوا - یہ چند شعر اس کے افکار گوہر نثار سے منتخب ہو کر مرقوم ہوئے :

جنوں نے ہاتھ کو ناچار ہو کے کھینچ لیا
نظر نہ جب کہ گریباں میں ایک تار آیا

کہا نہ تھا کہ نہ کر برق تو مری تقلید
بتا کبھی بھی تجھے آج تک قرار آیا

اللہ اللہ رے نزاکت ترے رخ کی ظالم
کس نے دیکھا کہ نشاں اس پہ نظر کا نہ ہوا

تیرا ناکام شہادت قتل کی حسرت میں ہائے
دیکھتا کس کس نگاہ شوق سے تلوار تھا

خدا ہی جانے کہ کیا آ بنی ہے عاجز پر[1]
کہ اک گھڑی میں ترے پاس لاکھ بار آیا

روتا ہوں تو ہنستے ہیں وہ کم ظرف سمجھ کر
کرتے ہیں خجل مجھ کو مرے دیدۂ تر اور

یاد آئے ہے جب اس نمکیں لب کا تبسم
دیتے ہیں سزا مجھ کو مرے زخم جگر اور

لخت دل صد پارہ ہے ہر نوک مژہ پر
ہے آج تو کچھ رنگ ہی اے دیدۂ تر اور

کل تو جانے کی قسم کھائی تھی تم نے عاجز
آج پھر جاتے ہو اس شوخ ستم گار کے پاس

جفا اٹھے گی کہاں تک کہ ہم بھی انساں ہیں
اسی طرح سے رہا گر وہ بے وفا ہم سے

لبوں پر جان تو پہنچی ہے اور واں
وہی باتیں ہیں وہ ہی امتحاں ہے

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۹ھ : ”خدا ہی جانے کہ کیا آپ نے کیا ہے عاجز پر“ نسخہ اول ”آبنی“

اپنی ھی سانس کے ھمراہ اڑا جاتا ھوں
ناتوانی نے بنایا یہ سبک بار مجھے

جنس دزدیدہ ھوں میں دھر میں گویا عاجز
کہ وھیں پھیر دے لیوے جو خریدار مجھے

عارف

عارف تخلص ، نواب زین العابدین خان مرحوم ، خلف رشید نواب غلام حسین خان مبرور مسرور تخلص ، شاگرد مرزا اسد اللہ خان غالب سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ زبان اردو کو ھم پلۂ فارسی اور مضامین شعریہ کو ھم پایۂ حکمت کر دیا تھا ۔ رنگینیٔ سخن سے کاغذ ھم رنگ گل اور دل پزیریٔ کلام سے قلم منقار بلبل ۔ اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام پر اقتدار ۔ غزل صحرائے شوخی کا غزال ، قصیدہ گلشن متانت کا نہال ، مخمس جسم کلام کے واسطے حواس ، رباعی مانند عناصر اربعہ پیکر سخن کی اساس ۔ سن بارہ سو اڑسٹھ ھجری میں رخت سفر باندھ کر گلشن جناں کی طرف راھی ھوا ۔ میر حسین تسکین کی تاریخ وفات بعینہ اس بلبل باغ جنت کی تاریخ ھے ۔ تماشائیان تذکرہ اس مقام کی سیر سے ان مقدمات پر مطلع ھو چکے ھیں ۔ کاش عارف کے احوال میں تجاھل عارف کو کام نہ فرمائیں ۔ دیوان ضخیم اس سے یادگار ھے ۔ یہ چند شعر انتخاب ھو کر مرقوم ھوئے :

غم ھو یا خون جگر ھو قوت کچھ درکار ھے
کھا لیا فرقت میں تیری جو میسر ھو گیا

اھل دولت کو نہیں دیتے ھیں استعداد عشق
اشک ھونے سے رھا جو قطرہ گوھر ھو گیا

ملائک کیوں نہ قائل ہو کے سجدہ کرتے آدم کو
طرف داری میں جب حق نے ہے پہنا جامہ انساں کا

ہماری خاک سے اس کو کدورت کب کی تھی یا رب
سکھایا ہے اسے چلنا اٹھا کر جس نے داماں کا

کہاں سے آ گئی اس میں تری رفتار کی تیزی
کہ چلنا قتل کرتا ہے ہمیں شمشیر براں کا

سخت شرمائے میں اتنا نہ سمجھتا تھا انہیں
چھیڑنا تھا تو کوئی شکوۂ بے جا کرتا

رسوا ہوا تو اہل وفا میں ہوا عزیز
اچھا ہوا وہ حق میں مرے جو برا ہوا

وعدہ کیا تھا کبھی آنے کا اس نے ادھر
شغل ہمیں ہو گیا جانب در دیکھنا

تنگ گو ہاتھ سے وحشت کے ہوں پر ہوں گھر میں
جیب و داماں تو نہیں ہوں کہ نکل جاؤں گا

شوخی وہ بھری ہے کہ ذرا جا نہیں پاتی
دشوار ہے آنا تری آنکھوں میں حیا کا

جگر و دل کوئی پتھر کا کہاں سے لائے
اب تو بیٹھا نہیں جاتا ترے بیمار کے پاس

یاد رفتار صنم میں سو گیا تھا خواب میں
صبح تک دیکھا کیا شور قیامت خواب میں

دے چکا ہے ترے بیمار کو عیسیٰ تو جواب
لب جاں بخش ترے دیکھیے کیا کہتے ہیں

عارف بتا کہ سر ہے یہ کس دن کے واسطے
پھرتا ہے آج تیغ وہ عریاں لیے ہوئے

بے کسی میں مجھے ہوتی ہے غنیمت وہ بھی
کوئی جس وقت مرے سر پہ بلا آتی ہے

عاشق

عاشق تخلص ، عاشق علی ۔ مسکن اور موطن اس کا معلوم نہیں ۔ ایک بار مقدمۂ خون ریزی میں گواہی کی تقریب سے مہین داور شاہ جہاں آباد کے محکمے میں وارد ہوا تھا ، راقم تذکرہ کے سامنے اشعار طبع زاد سے دفتر پڑھے تھے لیکن بہ حسب اتفاق یہ شعر یاد رہ گیا :

آتے ہیں تو کچھ باتیں کیا کیا وہ بناتے ہیں
پر غور سے جب دیکھو اوپر کی ہی باتیں ہیں

عاشق

عاشق تخلص ، مرزا نظام الدین ، پسر مرزا ولی الدین ، ابن مرزا زاھد الدین مغفور ، ابن حضرت فردوس منزل ، شاہ جنت دست گاہ ، شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہ ۔ اخلاق حمیدہ اور کردار پسندیدہ اس والا تبار کی ذات نیک صفات مین فراھم ھیں ۔ ستار بجانے میں مہارت تام اور اس کی صدائے ساز میں تاثیر تمام ہے ۔ فن شعر میں سلسلہ شاگردی کا اسی کے اس مقطع سے ظاھر ھوتا ہے :

مجھے فیض سخن عالی سے یاں پہنچا ہے اے عاشق
کہ ان کو فیض ثابت سے ہے اور ثابت کو احساں سے

یہ دو شعر اُس کے اشعار سے منتخب ہوئے :

روز فراق ، جور بتاں ، نالہ ہائے شب
کن کن مصیبتوں میں خدایا نہیں ہوں میں

اُس گل کے مگر باغ میں آنے کی خبر ہے
ہر غنچہ لیے ہاتھ میں اک مشت جو زر ہے

عاشق

عاشق تخلص ، اقبال حسین ، خلف منشی نور الدین مرحوم ، شاگرد مرزا اسداللہ خاں غالب ۔ جوان خوش اسلوب ، تیز طبع ہے ۔ طرز سخن سنجی دل پذیر اور وضع انشاد شعر خوش آئند ۔ یہ چند شعر اُس کے افکار سے ہیں :

تھا وہم دوئی تفرقہ پرداز وگرنہ
جس مرتبہ تو دور تھا اتنا ہی قریں تھا

ربط کچھ داغ و جگر کا ہی ہے چسپاں عاشق
ورنہ اس درد میں کوئی بھی کسی کا نہ ہوا

مر کے پردہ رہ گیا عاشق کا یہ اچھا ہوا
در بدر کوچہ بکوچہ مدتوں سے خوار تھا

توبہ تو کر چکا ہوں مگر کچھ کچھ ان دنوں
دیتی ہے دم بہار کی آب و ہوا مجھے

اپنی طرح پہ کوئی بھی مختار یاں نہیں
شوخی اسے ، قرار نہ دے آسماں مجھے

گر ہماری بندگی ہے نا قبول
تو بتوں کی اب خدائی ہو چکی

عاشق

عاشق تخلص ، مرزا رحمت بخش عرف منجھلے مرزا ، پسر مرزا خورسندہ بخش مرحوم ، ابن شاہ عالم بادشاہ ۔ جوان خوش مزاج اور حلیم ہے ۔ فن سخن میں مرزا رحیم الدین حیا کے پرتو التفات اور اثر تربیت سے طبیعت خدا داد کو روز بہ روز ترقی ہے ۔ یہ دو شعر اس کے نتائج افکار سے ہیں :

دوستوں نے پس مردن یہ کیا مجھ سے سلوک
کہ رکھا اس ستم آثار کی دیوار کے پاس

پگھلے نہ دل بتوں کا نہ دل غیر کا جلے
نالوں کے اب اثر وہ خدا جانے کیا ہوئے

عاصی

عاصی تخلص ، گھنشام رائے ، قوم کالیتھ ، شاگرد قدیم شاہ نصیر ۔ مشق سخن کو کہنہ کر دیا اور طرز کلام کو نیا ۔ صاحب دیوان اور خوش خلقی و نیک نہادی میں مشہور جہانیاں ہے ۔ یہ چند شعر اس کے نتیجۂ فکر سے ہیں :

ترے کاکل کے سودائی سدا آباد جوں مجنوں
صدائے خانۂ زنجیر سے ویرانہ رکھتے ہیں

آپ ہی ٹک اپنی ابروے پرخم کو دیکھیے
تیغ دو دم کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

فوارہ کا سا حوصلہ اتنا نہ رکھیے تنگ
چلّو بھرے ہی پانی میں گز بھر اچھل پڑے

تری شوخی نظر آئی ھمیں چشم غزالاں سے
دیا تھا ھاتھ سے دل شہر میں ، پایا بیاباں سے

عالی

عالی تخلص معالی منقبت ، مرزا عالی بخت بہادر ابن مرزا فیروز بخت بہادر ابن شاہ عالم بادشاہ انار اللہ برھانہ ۔ اوائل حال میں مشورۂ سخن مرزا معز الدین ثابت سے تھا ، ان کے انتقال کے بعد حافظ عبد الرحمان خان احسان علیہ الرحمۃ والغفران سے استفادہ کیا ۔ خلق و مروت اس نیک نہاد میں بحد کمال اور سخن وری کی مشق اسی کے ھم سن و سال ھے ۔ یہ دو چار شعر اس کے نتائج افکار سے ھیں :

مژگان ستم گر کی طرح روز ازل سے
جو شخص کہ ٹیڑھا ھے وہ سیدھا نہیں ھوتا

حاضر ھوا جو یار تو قسمت کا پھیر دیکھ
معدوم وہ کمر ھوئی ، غائب دھن ھوا

آب دم شمشیر کا کس کی ھے یہاں ذکر
پانی جو بھر آیا ھے لب زخم جگر میں

جوں نخل شمع ھوں نہ کبھی سبز آب سے
آتش اگر ھو سر پہ زھوں آب و تاب سے

عالی

عالی تخلص ، زبدۂ خاندان سیادت ، اسوۂ دودمان سعادت ، مولوی امیر علی تھانہ دار گذرنگ مود ۔ آباؤ اجداد اس عالی تبار کے با وصفیکہ بذل عنایات سلطانی سے اعتبارات ظاھری

اور مدارج صوری کی بلندی سے جاہ و منصب کا قدم فرق آسمان پر رکھتے تھے ، کمالات باطنی اور سعادات معنوی سے بھی مشرف و ممتاز تھے ۔ اگر اس کی طیب اخلاق سے شمہ مرقوم ہو ، اوراق دفتر برگ گل بن جائیں اور اگر اس کی صاف دلی سے ذرہ لکھا جائے ، صفحات کتاب آئینہ مصفا نظر آئیں ۔ لب ہے یا لطائف معانی کا نسخہ ہے ، دہن ہے یا نفائس بیان کی کتاب ، زبان ہے یا نسخۂ فصاحت کی ایک فصل ہے ، دل ہے یا مجموعۂ بلاغت کا ایک باب ہے ۔ فن فارسی کی تحقیق اور غوامض سخن کی تدقیق میں اقران و امثال سے ممتاز ۔ اس فن کی تحصیل اور اس صناعت کی تکمیل جناب فیض مآب استادی مولوی امام بخش صہبائی کے التفات باطنی کے اثر سے اس کم مدت میں صورت پذیر ہوئی کہ تیز فہمان بلند فکر کو اس کے اضعاف مضاعفہ میں متصور نہیں ۔ متانت الفاظ اور بلندیٔ معنی اور سلاست طرز اور فصاحت بیان حیطۂ تقریر سے خارج ہے ۔ یہ چند شعر اس صاحب طبع کے نتائج فکر سے مرقوم ہوتے ہیں :

بالا کشیدہ شعلۂ آتش ز داغ ما
روشن بود بہ ظلمت شب ہا چراغ ما

فتد در نامۂ اعمال مردم روز حشر آتش
گر از رخ پردہ برگیرم در آں جا داغ پنہاں را

گرفتم این کہ رود مہر دلبراں ز دلم
چو گرد باد طبیعی ست اضطراب مرا

شکایتے چہ کنم از بتاں کہ خود دل من
ہمیشہ دشمن جاں بود در کنار مرا

کاهیده ایم آن قدر از غم که بعد مرگ
جوید صبا نشان و نداند سراغ ما

ما نشنویم پند تو ناصح نفس مسوز
از ضعف تاب حرف ندارد دماغ ما

عرض دادند بمن حورے و نکشودم چشم
تا وفا خورده نگیرد که سزا وار نبود

نخل شمعم آفت از دوران نمی یابم هنوز
آتشم در برگ و بار افتاد و سیرابم هنوز

با تو خواهم شرح غم هائے دل محزون کنم
وین دل دیوانه از پهلوے خود بیرون کنم

باید امشب نظرے بر رخ جانان کردن
خاطر غم زده را خرم و شادان کردن

بیعت ما بکف پیر خرابات بس است
می توان بر در او کار مریدان کردن

قیس و فرهاد برفتند کنون از ما باد[۱]
سر به کهسار زدن سیر بیابان کردن

شب تنهائی و ظلمت کده دارد عالی
باید از داغ دلش ساز چراغان کردن

عبرت

عبرت تخلص، دولت رام، قوم کاتیه ابن رائے هیرا لال، ساکن کوچه بلاقی بیگم که ایک محله هے محلات

۱ - نسخهٔ مطبوعه نولکشور ۱۲۹۹ھ مین 'بود' هے -

آباد شاہ جہاں آباد سے ۔ مرد معقول اور متصدی پیشہ اور فن سخن میں شیخ ابراهیم ذوق مرحوم سے مستفید ہے ۔ یہ چند شعر اس کے اشعار سے تحریر تذکرہ کے وقت هاتھ آئے :

سخت جانی تو نے شرمندہ کیا قاتل سے هائے
وقت کشتن پھر گیا منھ یار کی تلوار کا

روسیاهی گو اٹھائی عشق میں هم نے بہت
لیک مانند نگیں نام اپنا روشن هو گیا

هر دم صبا سے ہے طلب بوے زلف یار
لڑتے هیں بات بات میں اب تو هوا سے هم

کون سا ہے وہ پری رو کہ جسے تم عبرت
دے کے دل ایسے بنے پھرتے هو دیوانے سے

عزیز

عزیز تخلص ، زبدۂ خندان عز و وقار ، جامع گفتار و کردار ، قدردان علم و هنر ، صاحب طبع فیض گستر ، چمن آراے ادراک و تمیز ، مولوی محمد عبدالعزیز مهین پور جناب کمالات انتساب استادی و مولائی مولوی امام بخش صهبائی سلمه الله تعالیٰ ۔ باوجود ایام شباب کے مزاج حلیم اور طبیعت بردبار اور با وصف اقتضاے جوانی کے حرکت میں سکون اور سکون میں وقار ۔ نہ حیا کو اس کی پیشانی کے بغیر محل اور نہ شرم کو اس کی آنکھ کے سوا مسکن ، نہ سخن کو بہ جز اس کی طبیعت کے منزل اور نہ معانی کو بدون اس کے دل کے موطن ۔ انسانیت کو ملکیت کے ساتھ فراهم کیا ہے اور بلندئ مرتبہ کو پستئ تواضع سے پیوند دیا ہے ۔ کتب درسی

کو اپنے والد ماجد کی خدمت میں نہایت تدقیق کے ساتھ پڑھا ہے اور مناسبت طبعی اور مذاق جبلی سے اوراق کتاب جزو لاینفک اور مطالعۂ علوم لوازم ذاتیہ سے ہو گیا ہے۔ اور اس توغل علمی پر سخن سنجی و تلاش معنی کی طرف ایسی التفات ہے کہ کثرت مشق سے الفاظ کو شمع زبان کا پروانہ اور مضامین کو فکر کے ساتھ ہم کاشانہ کر دیا ہے۔ اگر رنگینیٔ معنی کا بیان کیجیے تو زبان برگ گل بن جائے اور اگر صفائیٔ الفاظ کو بہ غور دیکھیے تو سیاہی مداد میں آب حیوان نظر آئے ۔ اگر سیاہیٔ رقوم کا پردہ نہ ہو تو فروغ معنی سے نگاہ ادراک خیرہ ہو جائے اور اگر مضامین سوز ناک کی گرمی مقاومت نہ کرے، طراوت عبارت سے چشم تماشا کاغذ کو نم ناک پائے۔ غزل کے اشعار عاشقانہ غزال دشت محبت اور قصیدے کے ابیات مدحیہ مسکن شان و شوکت۔ سوز[1] معانی سے پیچ و خم حروف رشک دخان ہے اور دہان دوایر لبریز فغان۔ راقم تذکرہ کے ساتھ وداد خالص اور محبت صادق ایسی ہے کہ برادر حقیقی کو برادر سے یہ حال بہم نہ پہنچا ہو گا۔ ہر چند سخن اس معنی یاب کا اکثر قابل انتخاب بل سراپا انتخاب ہے، لیکن اوراق میں یہ چند شعر بہ طریق اختصار لکھے جاتے ہیں:

نے کام ہے مسجد سے نے دیر سے کچھ مطلب
ہم کو، تو وہی کعبہ، وہ شوخ جہاں آیا

نہیں ہے رحم و مروت جو تجھ میں خیر نہ ہو
ذرا خدا ہی کا کچھ تیرے دل میں ڈر ہوتا

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نولکشور ۱۲۹۹ھ میں 'شوز' ہے۔

تجھی کو غیروں کے ملنے سے کرتے ہیں بد نام
مرا تو کچھ نہیں اس بات میں ضرر ہوتا

خدا نخواستہ کیا اس سے ہم کو تھا انکار
عزیز کعبہ اگر کوچۂ بتاں ہوتا

تم بھی تو ذرا اس سے چلو مل لو کہ یاں سے
بیمار محبت کا ارادہ ہے سفر کا

ساقی جلے ہے بزم میں کس کا جگر کہ آج
ہر سو رواں ہے قافلہ بوے کباب کا

دیکھا تھا ہم نے آج عزیز جگر فگار
کچھ بدلا بدلا رنگ تھا خانہ خراب کا

خرام ناز مبارک تجھے ولے اے برق
خیال رکھیو ہمارے بھی آشیانے کا

میں نقش پا کی طرح ہوں فتادہ رہ میں اور
ارادہ رکھتے ہیں رہ رو مرے مٹانے کا

میرے لب پر تو ذرا شکوہ بھی کچھ آیا نہ تھا
کیوں تو اپنے جور سے ظالم پشیماں ہو گیا

جب معنی وحدت کے ہوئے ظاہر تو یہ جانا
یہ شیخ و برہمن میں جو جھگڑا تھا یوہیں تھا

یک قلم کیوں کہ تمنا کو مٹا دوں ظالم
اک خدا ٹھہر گیا میں کوئی بندا نہ ہوا

تیری شوخی سے تو چھپتا نہ کبھی خون عزیز
پر ہمارا ہی یہ تھا ضبط کہ چرچا نہ ہوا

جـون شمع شغل تیرے سراپا نیاز کا
جلنا جو سوز کا ہے تو رونا گداز کا

کج فہمیوں سے خلق کی دیکھا کہ کیا ہوا
منصور کو حریف نہ ہونا تھا راز کا

ہم عاصیوں کا بارگنہ سے جھکے ہے سر
اور خلق کو گمان ہے ہم پر نماز کا

اب کے کچھ اور ڈھنگ سے ہے دل کا اضطراب
کیا جانیے شہید ہوا کس کے ناز کا

مغرور تھا ہی اور وہ مغرور ہو گیا
اس میں گلہ نہیں مجھے آئینہ ساز کا

اوروں کے ساتھ لطف سے تھا صورت نیاز
یاں بڑھ گیا دماغ تغافل سے ناز کا

کیا جائیں دیر سے کہ بس اب دل ہی لگ گیا
پا کر بتوں میں طور کچھ اس عشوہ ساز کا

کٹ کٹ کے خون آنکھوں سے آتا ہے بار بار
خنجر رکھا ہے پہلو میں میرے بجائے دل

اختیار اب مرا وحشت کے ہے ہاتھ اے گل رو
پھرتے پھرتے کبھی اس طرف بھی آ جاتا ہوں

یاد کرتے ہو مجھے گرچہ بری طرح سے پر
میں اسی بوجھ سے احساں کے دبا جاتا ہوں

وہ نہیں لطف وہ وفا ہی نہیں
تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں

بت اگر مہرباں نہیں تو نہ ہوں
کہیں بندے کا کیا خدا ہی نہیں

اب جو دیکھو تو ہے یہ صاف وہ تیغ
کہ کسی کا لہو پیا ہی نہیں

رہ رواں فنا ہیں نکہت گل
کہ کہیں ان کا نقش پا ہی نہیں

آ گئے کہنے میں اس دل کے کریں کیا ناصح
ورنہ ہم بھی ہیں سمجھتے ترے سمجھانے کو

تھے نہ قابل کہ بلا واسطہ دیکھیں اس کو
بت بنائے ہیں یہ جلوہ ہمیں دکھلانے کو

ہم درد اک ملا ہے ہم کو عزیز خستہ
ایسا نہ ہو کہ وہ بھی جائے نکل کہیں کو

تیری اس شوخیٔ رفتار سے نکلی بارے
خاک ہو کر جو تھی اک دل میں تمنا باقی

کچھ تو لذت ہے کہ ہے سودۂ الماس پہ بھی
اب تلک زخم کو کاوش کی تمنا باقی

خار الجھتے ہیں جو صحرا میں مرے دامن سے
یاں کے رہنے سے بھی کر دیں گے یہ بے زار مجھے

اگرچہ پست ہیں اہل ہنر پہ ہمت سے
نظر صدف کی طرح ابر پر نہیں رکھتے

رہا نہ کرنے میں صیاد ہے بہانہ طلب
کہو نہ منہ سے اسیرو کہ پر نہیں رکھتے

پارسائی کو ہے سلام کہ ہم
مغبچوں کی گلی میں آ بیٹھے

بے قراری کا کیا سبب ہے عزیز
کہیں دل تو نہیں لگا بیٹھے

عزیز

عزیز تخلص مرزا عزیز الدین کہ اولاد امجاد حضرت شاہ عالم بادشاہ مغفور اور تلامذۂ حافظ عبد الرحمان خاں احسان سے ہے۔ خلق و مروت میں عزیز الوجود ہے۔ یہ تین[1] شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں:

کہوں ہمدموں کیا کہ اس دل کے ہاتھوں
نہ تھا دیکھنا سو وہ ناچار دیکھا

تو جو تیغے کو اُدھر قاتل اُٹھا کر رہ گیا
میں ادھر حسرت سے اپنا سر جھکا کر رہ گیا

میں یہ حیراں ہوں عزیزو آہ یہ کیا ہو گیا
بیٹھے بیٹھے عشق کا آزار کیسا ہو گیا

عزیز

عزیز تخلص، نوجوان عبدالعزیز نام، متوطن فرید آباد۔ مدت تک شہر شاہ جہاں آباد میں طالب علمی میں صرف اوقات کر کے عربی اور فارسی میں استعداد معقول بہم پہنچائی۔ بالفعل اپنے وطن میں مقیم اور جادۂ مزاولت علوم میں مستقیم

۱۔ نسخہ نول کشور (ص ۳۵۷) میں ''تین'' درست ہے، نسخۂ اول میں دو شعر لکھ کر تین شعر دیے ہیں۔

ہے ۔ ہرچند عمر چھوٹی ہے مگر استعداد بڑی ہے ۔ حسن خلق و سنجیدگیٔ اوضاع ، اصالت نسب[1] اور شرافت حسب پر علاوہ ہے ۔ شعر سے مناسبت طبیعی اور مذاق سخن جبلی ہے ۔ جو کہ جوان لاوبالی مزاج ہے ، تالیف اشعار کی طرف کم متوجہ ہے ۔ یہ دو چار شعر ہاتھ آگئے تھے کہ مرقوم ہوئے :

یا سمجھتے تھے کبھی گھر کو ترے گھر اپنا
یا گزارا نہیں ہوتا ترے در پر اپنا

پھوڑنا سر ہی کا گر اپنا مقدر ہے عزیز
کاش اس کوچے کی دیوار ہو اور سر اپنا

سو زخم منھ پہ ، سینے پہ سو داغ کھا چکے
اک قصہ درد[2] دل میں ہے دیکھیں وہ کیا چکے

عالم میں اے عزیز نسیم و صبا کے ہاتھ
کیا کیا اڑی نہ خاک ہمارے غبار کی

عزیز

عزیز تخلص ، نواب زادۂ بلند مکان یوسف علی خاں ۔ آبا و اجداد اس کے خاندان صاحب اعتبار سے تھے ۔ فکر شعر کرتا ہے ، یہ دو شعر اس کے سنے گئے :

اب خاک گل رخوں سے کروں ارتباط عشق
وہ دل نہیں ، دماغ نہیں ، وہ جگر نہیں

نے تو رفو کی جا ہے نہ مرہم کا ہے مقام
کوئی علاج زخم دل اے بخیہ گر نہیں

---

۱ - نسخۂ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں 'طبع' ہے ۔
۲ - نسخۂ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں 'درد دل' ہے ۔

عزیز

عزیز تخلص ، مہاراج سنگھ ، قوم کالیتھ ۔ انسانیت مصور اور اخلاق مجسم ہے ۔ شاگرد قدیم شاہ نصیر مرحوم اور مشق سخن میں اکثر سے ممتاز ہے ۔ از بس کہ شاہ مغفور کثرت تلامذہ اور افراط مشغلۂ اصلاح اور مشغولیٔ فکر شعر سے اپنے دیوان کی ترتیب کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے ، اس نیک نہاد نے فرط اعتقاد سے کہ خدمت استاد میں رکھتا تھا ۔ اس کلام پریشان کو جمع کیا اور اشعار متفرقہ اور غزلیات پراگندہ کو مختلف مقاموں سے فراہم کر کے صورت کتابی بخشی ، گویا : ع

بقفس کرد پر و بال پریشانی را

یہ چند شعر اس کے نتائجِ طبع سے ہیں :

اب تو ٹک اے چشم طوفاں زا کہیں رونے سے تھم
اشک کا ہر قطرہ اپنا رو کش جیحوں ہوا

اس دہن کا ذکر چھیڑا کس نے اے موج نسیم
غنچۂ لالہ سحر کھانے کو جو افیوں ہوا

ہوا نہ صاف وہ آئینہ رو کبھی ہم سے
مدا ہماری طرف سے اسے غبار رہا

پہلے ہی کشتہ تھے ہم اس نرگس مخمور کے
تس پہ کافر اور یہ سرمے کا دنبالہ بنا

جام مۓ گل رنگ سے واقف نہیں ساقی
غنچے کی طرح پیتے ہیں خون جگر اپنا

لے کے نقد دل کبھی جو ایک بھی بوسہ نہ دے
اے عزیز اس مفت بر سے کس طرح سودا بنے

عسس

عسس تخلص ، ذو فنون روزگار ، بدرالدین نام ، ساکن مٹیا محل کہ ایک محلہ ہے محلات شاہجہان آباد سے مسجد جامع کے قریب اور خوبیٔ بنا اور لطف عمارات سے دل فریب ۔ عقل و دانش اس افلاطون وقت کی ایسی تھی کہ ابن ہنبق کو اس کا شاگرد سمجھنا اس کی کم تر توصیف ہے اور تناسب اعضا اس درجے میں کہ ''فلینظر الی الابل کیف خلقت'' ، اس عجیب‌الخلقت کی شان میں جاننا اس کی ادنیٰ تعریف ہے ۔ الفاظ پوچ و پادر ہوا کو پیرایۂ موزونی سے آرایش دیتا اور اس کو تین قسم ٹھہرا کر شعر کا نر اور مادہ اور استادہ نام رکھتا ۔ عرصۂ دراز ہوا کہ قافیۂ حیات کے تنگ ہونے سے مضمون فنا کی فکر میں گریبان لحد میں سر فرو کیا ۔ جو کہ اس کے اوصاف احاطۂ تقریر سے خارج ہیں ، اس ایک شعر پر کہ اس کے کمال ہنر اور بلاغت فضل پرادل دلائل اور اعدل شہود سے ہے ، کفایت کرتا ہے :

کیوں بے اولقّے چلا تھا کیا یہ جھکڑ رات کو
کس لیے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑ رات کو

عسکری

عسکری تخلص ، زبدۂ نوئینان[1] عالی منزلت ، اسوۂ بلند پائگان والا مرتبت ، ہمائے اوج بلند نظری ، محمد حسن عسکری

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور میں ''نوآئینان'' ہے ۔

کہین برادر و تلمیذ اقبال پناہ دولت دست گاہ نادر حسین خاں ہاشمی تخلص ۔ اوصاف حمیدہ اس بلند مرتبت کے خامۂ تنگ شق کے ذریعے سے ذخیرۂ کتاب کرنا ایسا ہے کہ تیغ ریختہ دم کے وسیلے سے کسی اقلیم کو حیطۂ تسخیر میں لائیں ۔ عزت و شان کو اس کی نسبت سے عزت و شان اور جاہ و حشمت کو اس کے آستانے سے علو مکان ۔ سخن ترقیٔ مدارج سے آسمان سے برتر اور کلام عروج معارج سے عرش سے ہم سر ۔ لفظ اس کی زبان پر قند سے شیریں تر اور معنی اس کی طبیعت میں گل سے رنگین تر ۔ حضرت استادی استاد الانامی نے درج تذکرہ کے واسطے جب اس زبدۂ سخن وران بلیغ سے اشعار طلب کیے ، ایک غزل قطعہ بند مسمی ''بذریعہ نیاز'' اپنے افکار گوہر نثار کے ساتھ شہر کالپی سے جناب ممدوح کے پاس بھیجی اور اس قطعے میں خلق و مروت کی داد دی ع ۔ بنازم بانصاف صاف دلاں ۔ اس کو نذر نگاہ احباب کرتا ہوں تاکہ اس کا مطالعہ تعارف غائبانہ کا سبب ہو :

ہے ظفر شاہ جو ملک سخن آرائی کا
اس کے در پر ہے مجھے شوق جبیں سائی کا

ذوق ہے زمزمہ پیرائے گلستان سخن
چاشنی گیر ہوں میں اس کی شکر خائی کا

اسد کلک فصاحت کا میں اس کے ہوں شکار
شیر غالب ہے نیستان سخن زائی کا

فیض سے اس کے نہ کیوں کر ہو مرے دل کو سرور
جام لبریز لطافت سے ہے صہبائی کا

میں ہوں طوطی صفت آئنہ ہے دیوان حضور
سخن شہ ہے معلّم مری گویائی کا

چاشنی قند بلاغت کی سخن کو دے کر
ذوق نے شوق دلایا سخن آرائی کا

غازہ مل مل کے فصاحت کا ہے غالب نے کیا
شیفتہ روے سخن کی مجھے رعنائی کا

لطف گل زار سخن دیکھ کے مجھ کو بھی ہوا
شوق بلبل کی طرح زمزمہ پیرائی کا

حالیؔ کلک کیے نالۂ موزوں میں نے
گو سلیقہ بھی نہیں قافیہ پیمائی کا

جام اظہار میں مے ریزی کا تھا کچھ نہ خیال
پر اشارہ ہوا اس باب میں صہبائی کا

ہزلیات اپنی سے کچھ شعر ہیں ارسال کیے
تاکہ غیبت میں ذریعہ ہو شناسائی کا

پیکر نظم اگر نقص کا پہنے ہو لباس
ملے اصلاح سے خلعت اسے زیبائی کا

عسکری ہاشمی استاد و برادر ہے مرا
کیوں نہ ہو شعر میں دعویٰ مجھے یکتائی کا

چھوٹا نہ عسکری کبھی دل اس کے دام سے
زلف اس کی اک نمونہ ہے قید فرنگ کا

الجھنا دل کا خم زلف شعلہ رویوں میں
ہماری جان کو اے عسکری عذاب ہوا

آب دریا اگر سیاهی هو
حال لکھوں میں دیدۂ تر کا

بیٹھے هیں چپ، کچھ آپ کا اس میں ضرر نہیں
نالہ نہیں فغاں نہیں کچھ شور و شر نہیں

مارے غصے کے وهیں هونٹھ چباتا هے وہ شوخ
لب پہ دھوکے سے جو آ جائے مرا نام کہیں

عسکری نے لی جنوں میں خانۂ دلبر کی راہ
ایسے مطلب کی نہ سوجھے گی کسی هشیار کو

عنبر افشاں هے صبا هند سے اے تا بہ ختن
کس قدر زلف مسلسل تری عطر آگیں هے

آمد گل هے طرب ساز صبا پھرتی هے
بلبلو مژدہ کہ گلشن کی هوا پھرتی هے

بس آگے اتنا نہ چھیڑو کہ راز کھل جائے
تمھاری هم هیں بہت پردہ پوشیاں کرتے

طرۂ یار کی خوشبو لیے کیا آتی هے
جو هواؤں پہ چڑھی باد صبا آتی هے

عسکری لے چلو گلستاں کو
دل مرا تنگ هے نشیمن سے

ان هونٹوں سے قند کا هے منھ بند
باتوں سے هوئی نبات پھیکی

عشرت

عشرت تخلص ، مرزا کلن پسر مرزا حیدو شکوہ ابن طہماسپ شکوہ مرحوم ۔ یہ نور چشم مرزا پیارے نعت تخلص کا داماد اور فن شعر میں انہیں سے مستفید ہے ۔ اس کی خوش صورتی کا حرف زبان پر لاؤں یا نیک سیرتی کا ذکر احباب کو سناؤں ۔ فن فارسی کے اکتساب میں کمر ہمت کو چست اور عزم رسا کو درست کیا ہے ۔ چند یہ شعر اس کے افکار سے مرقوم ہوئے :

صبا جب آئی تب اڑ کر مرا غبار آیا
موئے پہ بھی ترے کوچے میں لاکھ بار آیا

خاک ہونا بھی ہوا حق میں ہمارے کیمیا
ورنہ دامن تک پہنچنا اے فلک دشوار تھا

کر دیا آسان وہ تیری نگاہ قہر نے
ورنہ مرنا سخت جانی سے مجھے دشوار تھا

قیس جنگل میں رہا کوہ میں فرہاد رہا
بے ٹھکانوں کا تمہارے ہی ٹھکانا نہ ہوا

کیا بھروسا ترے وعدے کا کریں ہم کہ کبھی
جھوٹوں بھی ہم سے تو اے شوخ تو سچا نہ ہوا

کشتے تو لوٹتے تھے پر قتل گہ میں قاتل
خنجر کو دیکھتا تھا اور اپنی آستیں کو

تم جو کہو سو سچ ہے کس واسطے کہ ناصح
دیکھا نہیں ہے تم نے اب تک کسی حسیں کو

اب تو ستم ہمیں پر ہیں روز تازہ تازہ
پر یاد بھی کروگے اے دل ربا ہمیں کو

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں 'تو' ہے ۔

خوش بو کی آج لپٹیں آنے لگیں کہاں سے
کھولا ہے اس نے شاید پھر زلف عنبریں کو

عشرت تجھے کچھ اپنے مرنے کا غم نہیں ہے
دشمن ترے جہاں ہیں جاتا ہے تو وہیں کو

تن سے بھی اتر کر نہ گرا پاؤں پر اس کے
کیا کیجیے قسمت ہی بری ہے مرے سر کی

عشق

عشق تخلص، جالینوس فطانت، ارسطو ذہانت، حکیم عزت اللہ خاں خلف رشید حکیم قدرت‌اللہ خاں قاسم تخلص مرحوم - کتب درسی خصوصاً طب کو اپنے پدر عالی مقام کی خدمت میں کمال تحقیق و تدقیق سے پڑھا اور معالجۂ مرض کو حد اعجاز تک پہنچایا - صاحب دیوان ریختہ ہے اور اشعار اس صاحب استعداد کے اگرچہ شوخیٔ معنی سے خالی ہیں، متانت الفاظ اور رزانت تراکیب سے خالی نہیں - عرصہ چند سال کا ہوا کہ جہان فانی کو پدرود کیا - یہ چند شعر دیوان سے منتخب ہو کر بہ طریق یادگار مرقوم ہوئے:

قفس سے تجھ کو اور زلف بتاں کے دام سے مجھ کو
خدا کس رنگ سے اب دیکھیے بلبل نکالے گا

برنگ نگہت گل خانہ بردوش آہ بیٹھے ہیں
یہ آئے ہم بھی اے باد بہاری ٹک ٹھہر جانا

زنجیر بپا، دست بسر، داغ بدل ہائے
اے شوخ یہ ہے تیرے گنہگار کی صورت

کیوں کر آئے نہ مجھے اب کمر یار پسند
فکر باریک ہے اور معنیٔ دشوار پسند

سرگزشت اپنی لکھوں کیا خاک اس کو نامہ بر
حال دل جو بدگماں لائے نہ باور دیکھ کر

رسوائی خلق تو نے محبت کیا مجھے
میرا نہ جانتا تھا کوئی نام اب تلک

عظیم

عظیم تخلص، زبدۂ اہل فضل و اسوۂ ارباب کمال مولوی فضل عظیم مہین برادر جامع معقول و منقول حاویٔ فروع واصول، استاد الانام، مقبول طبایع خاص و عام علامۃالورا مولانا و بالفضل اولینا مبطل الباطل و محقق الحق مولوی محمد فضل حق سلمہما اللہ تعالیٰ ۔ علاوہ کسب علوم عقلیہ و نقلیہ کے کہ خاصہ اس خاندان فضیلت نشان کا ہے، فن سخن میں سعدی کو اس کی تحسین سے افتخار اور حافظ کو اس کی آفرین سے اعتبار ۔ سخن نے اس کی طبیعت سے رتبہ پیدا کیا وگرنہ اس کی خوبی میں کلام تھا، شعر نے اس کی نسبت سے اعتبار بہم پہنچایا والا کج بحثوں کی زبان درازی سے کیا کیا بدنام تھا ۔ بیاض اس کی اشعار عاشقانہ سے فغانی کا دیوان، ابیات اس کی معنی ایجادی سے خلاق المعانی کا دبستان ۔ اوایل سے سرکار انگریزی میں عہدہ ہاے جلیلہ پر مامور اور انتظام امور اور حسن خلق میں مشہور ہے ۔ اب چند سال سے نواح سہارن پور میں عہدۂ ڈپٹی کلکٹری سے سرفراز اور عدالت و انصاف کے شیوے میں ممتاز ہے ۔ راقم تذکرہ ہر چند

اس مظہر محاسن کی ملاقات سے کامیاب نہیں ہوا لیکن گوش محامد نیوش نے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ کا ذخیرہ اس قدر حاصل کیا ہے کہ حصول آشنائی کے واسطے چشم دیدار طلب کی وساطت کو کچھ دخل نہیں رہا ؛ خصوصاً استماع اشعار اور استفادۂ افکار گوہر نثار یہ تو بے اختیار دل رہا ہے اور کشاں کشاں عالم اتحاد کی طرف رہنما ہے ۔ یہ شعر عارفانہ روم عشق کا غالباً انہیں اشعار شعری شعار کی صفت ہے :

این زمزمہ مرکبی است مر روح ترا
بردارد و خوش به عالم یار برد

یہ چند شعر کہ صفا میں آب گوہر اور لذت میں کوثر سے کم نہیں ، مندرج تذکرہ ہوئے :

مرگ می جوید بسے لیکن نمی یابد[1] عظیم
در تن لاغر سراغ جان ناشاد ترا

خیز و به جلوه تیز کن تیغ نگاه ناز را
رخصت قتل عام ده نرگس نیم باز را

باد نصیب خاطرم ولولۂ که جذبه اش
سوئے حقیقت آورد موے کشان مجاز را

پرسی از من کیستی دانسته نادان گشتۂ
گوئیا این هم نمی‌دانی که می‌دانم ترا

ز شوخیٔ تو چه‌گویم که وقت اظهارش
به شعر نیست ز شوخی قرار مضمون را

---

۱ ۔ نسخہ اول (ص ۳۶۹) ''باید'' اور دوم (ص ۳۶۲) میں ''یابد'' ہے ۔

رفت دست از کار چون داماں یار از دست رفت
دست داد این غم که دست از کار و کار از دست رفت

عظیم

عظیم تخلص ، مرزا عظیم بیگ ساکن شاھجہاں آباد ، اس مرد قدسی نہاد کی عادت مستمرہ تھی کہ جب گھر سے نکلتا ایک بٹوا برگ پان اور اس کے لوازم سے لبریز خادم کے ھاتھ میں ھوتا اور جو آشنا راہ میں ملاقی ھوتا ایک گلوری اُس کو تواضع کرتا ۔ گویا اس بہانے سے آپ کو سرخ رو اور مدعیان ھمت کی زبان لال کرتا ۔ اور دس پانچ روز درمیان ایک پیالہ کباب لذیذ کا ھر دوست کے گھر بھجواتا ۔ ایسی ھمت کم کسی میں مشاھدہ ھوئی ھے ۔ خصوصاً ایام تنگدستی میں ظاھرا ایسا شخص اس شہر میں غریب سے امیر اور امیر سے سلاطین زادگان والا تبار تک نہ ھوگا کہ اس کی سرخیٔ پان کا شرمندہ نہ ھو یا اس کے کباب کا حق نمک اپنی گردن پر نہ رکھتا ھو ۔ چونکہ پان کی تواضع سے بہت مشہور ھو گئے تھے اس واسطے اس کو عوام عظیم بیگ گلوری باز کہتے تھے ۔ شعر ریختہ بھی اکثر کہتا ، یہ شعر اس کے اشعار سے انتخاب ھو کر مرقوم ھوا :

تو پان کھا کے ھاتھ سے غیروں کے ھے خموش
منھ لال ھوگیا ھے زبان لال تو نہیں

علوی

علوی تخلص ، جناب فیض مآب اسوۂ کملائے نامدار ، قدوۂ اکابر شہر و دیار ، صیرفیٔ نقود کمال ، گنجور خزینۂ

افضال ، بانیٔ بناے سخن گستری ، بانیٔ ارژنگ ہنروری ، قطب فلک بلند خیالی ، عضادۂ اصطرلاب بے مثالی ، قافلہ سالار سخن سنجاں ، مولوی عبداللہ خاں اسکنہ اللہ فی الجنان و تغمدہ بالغفران ۔ کمالات ظاہری و باطنی اور فضایل صوری و معنوی اس مجمع محامد اور منبع فواضل کے حوصلۂ شمار اور ظرف تعداد میں جب گنجایش پذیر ہوں کہ حساب ادوار فلک محاسب فہم یا دبیر وہم ضبط کر سکے ۔ از بس تدریس کتب فارسی اور تتبع محاورات زبان دری اور مشق انشاے نثر و ابداع نظم کی طرف میل طبیعت بیش تر تھا ، عوام یہ سمجھتے تھے کہ اس جناب کی آستین استعداد کا طراز یہی فنون ہیں ۔ وگرنہ علوم غریبہ اور فنون عجیبہ میں سے وہ کیا ہے جو اس جامع مکارم انسی و ملکی کی دقت فکر سے کام یاب نہ تھا اور دقایق حکمت سے کون سا دقیقہ ہے کہ اس کی آبیاریٔ مطالعہ سے سیراب نہ تھا ۔ موزونی تو گویا اسی کی طبع کی خانہ زاد تھی کہ زمین سخن سے جو نہال نکلا سرو ہوگیا ۔ فکر کی رسائی ، طبع کی بلندی ، سخن کی سنجیدگی ، تراکیب کی متانت ، طرز کی تازگی ، مضمون کی رنگینی ، نکات کی برجستگی ، اشارات کی شوخی ، الفاظ کی آشنائی ، معنی کی بیگانگی ، کلمات کی تنگ درزی ، ربط کی چسپانی ، جس قدر اس حضرت کی نظم و نثر میں دیکھی گئی ہے ، نہ خاقانی و انوری کے قصائد میں ہے نہ سعدی و حافظ کی غزل میں ؛ نہ نظامی و فردوسی کی مثنوی میں ہے ، نہ رباعیات سحابی و افضل میں ۔ اصناف سخن کو اصناف طرز سے مزین کرنا ایک اعجاز ہے کہ خداے عزوجل نے اسی خاتم نبوت سخن میں ودیعت رکھا تھا ۔ حشمت الفاظ خاقانی کو مناسب قصیدہ

اور چستی تراکیب نظیری کو شایستہ غزل اور متانت بنائے سخن نظامی کو لائق مثنوی سمجھ کر ان اصناف کو غالباً انھیں طرزوں سے مطرز کرتے، تھے، والّا جس صنف[1] کو جس طرز پر ارادہ کرتے، بہتر اس سے کہتے۔ ایک مثنوی نا تمام کہ آٹھ سات جزو کے قریب ضخامت ہے، تحفۃالعراقین کی بحر میں اور دوسری مثنوی قریب دو تین جزو کی گل گشتی میرنجات کے وزن میں کمال قدرت سخن وری پر دال ہے۔ سامع طرز شناس خاقانی کو اپنے سامنے گویا پائے اور میرنجات کو اپنے روبرو زبان آور دیکھے۔ انشائے صفیر بلبل نام نثر متین و مغلق اور صحت نامۂ علوی عبارت سلیس و شستہ میں ایسی ہیں کہ اگر سواد دیدہ ملک کی مداد اور مژگان حور کا خامہ میسر آئے تو ارباب انصاف ان کو سینۂ صافی کی بیاض پر تحریر کریں۔ تلامذہ کے اشعار حک و اصلاح سے لباس تازہ پہنتے اور خلعت نو بہم پہنچاتے۔ شاخ نہال ہو جاتی اور نہال طوبیٰ، قطرہ موج بن جاتا اور موج دریا۔ جو کہ اصلاح شعر میں صرف محبت معنوی کا افادہ ہے، چاہا کہ شکنجۂ امراض بدنی کے گرفتار بھی صحت صوری سے بہرہ یاب ہوں، خلعت ہنر طراز جامعیت سے مطرز اور لوح استعداد تماثیل کمال سے متمثل ہو جائے اور ارادت مندان صوری و معنوی سے کسی کی پیشانی[۳] حال داغ محرومی کے اثر سے متاثر نہ ہو۔ مسبب حقیقی کی کارسازی قابل حمد و ثنا ہے کہ یہ حدیقہ طراز کمال جب گل زمین طب کی باغبانی کی

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں 'صنعت' ہے۔

۲ - نسخہ مطبوعہ نول کشور میں 'تحفۃالعاشقین' ہے۔

۳ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں ''خال''۔

طرف متوجہ ہوا ، کیا کیا گل کھلائے ۔ معجزۂ عیسوی کو
اسی کے انفاس فیض اقتباس سے جلوہ نمائی اور بیماروں کی صحت
کو اسی کے نسخے کی نقاب سے چہرہ کشائی تھی ۔ نبض شناسی
سے چشم خوباں کی بیماری متیقن اور تشخیص امراض سے
زلف خوباں کا سودا متیقن ۔ باغبان کو پارچۂ زرد یاسمن
سے دیدۂ نرگس کی ''رمد'' کا علاج تعلیم کیا اور شاخ گل سے
جنون سنبل کا چارہ تفہیم ۔ مزاج گل کو تبرید نسیم سے
معتدل کر دیا والاّ کثرت ساغر سے قارورۂ شبنم ناری ہو
جاتا ۔ لالے کا خون فاسد نشتر خار سے کم کر دیا وگرنہ
فرط احتراق سے سارے بدن میں داغ کے سوا کچھ نظر نہ
آتا ۔ از بس کہ حصول روزی گردش آسیاے گردوں پر
منحصر ہے ، اتفاقاً فرخ آباد کا سفر در پیش ہوا اور اس
اطراف کے باشندے اس حضرت کے افادات سے کام یاب اور
اس کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ۔ مرزا دولھا نامی
رئیس شمس آباد نے کہ نواح فرخ آباد میں ایک معمورۂ
دل چسپ ہے ، کمال دل گرمی سے نان جویں پر قانع کیا اور
اس طرح محبت و خدمت گزاری سے پیش آیا کہ رئیس مذکور
کی رفاقت کا خیال اس حضرت کے دل میں مستحکم ہو گیا ۔
اس عرصے میں کئی موزوں طبع اس کے مایۂ فیض سے
پایۂ شاعری کو پہنچ گئے اور کتنے طالبان کمال منافع علمی اور
فوائد دانش سے بہرہ مند ہو گئے اور بہت علیل مزاجوں ۔
اس مسیحا نفس کے قانون علاج سے شربت صحت چکھا ۔
خرالامر چرخ سفلہ نہاد کو اس چشمۂ فیض کا جاری
رہنا پسند نہ آیا اور امراض گونا گوں کی فوج کو ان کے
شہر تن پر مسلط کیا ۔ کئی مہینے تک بدن افادت مسکن

آغوش بستر سے الگ نہ ہوا ۔ باوجود انواع تکالیف سن بارہ سو اڑسٹھ ہجری (۱۲۶۸ھ) میں بہ کشادہ پیشانی چمنستان عالم قدس کی گلگشت کا قصد مصمم کر کے گلشن جناں کی طرف سمند عزم کو گرم جولاں کیا ۔ ہر چند اس واقعے کو آٹھ نو برس[۱] عرصہ ہوا لیکن مخلصین کے دل سے داغ الم اب تک دھویا نہیں گیا ۔ حضرت استادی استاذالانامی مولوی امام بخش صہبائی نے کہ اس جناب مغفور کے ساتھ نسبت تلمذ رکھتے ہیں ، تاریخ وفات یہ پائی :

علوی کہ چو او نداد کس داد سخن
چوں او نرسیدہ کس بہ فریاد سخن

ناگہ ز جہاں رخت اقامت بر بست
ہاتف گفتا فتاد بنیاد سخن

۱۲۶۲ھ

ہر چند ریختہ کی طرف متوجہ ہونا ایسے عالی فطرت کی استعداد کا ننگ تھا اور قاطبۂ ہمت بلند نہمت کو انشاء نثر عربی کی طرف بیش تر مصروف رکھتے اور طالبان کمال کے افادے کے واسطے نظم و نثر فارسی ریختۂ کلک گوہر سلک فرماتے لیکن گاہ گاہ کسی مخلص قدیم کی تحریک سے دو چار شعر ریختہ بھی موزوں کرتے تھے ۔ جو کہ اشعار ریختہ

۱ ۔ اس تذکرے کا آغاز ۱۲۷۰ھ میں اور اتمام ۱۲۷۱ھ میں ہوا ۔ اگر علوی کی وفات ۱۲۶۸ھ میں ہوئی تو اس تذکرے کی تالیف کے وقت اس کو 'آٹھ نو برس' کس طرح گزر گئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ علوی کی وفات کا جو سن اوپر (۱۲۶۸ھ) دیا گیا ہے ، وہ غلط ہے ۔ بعد میں آنے والی صہبائی کی نوشتہ تاریخ وفات سے ۱۲۶۲ھ نکلتا ہے جو صحیح ہے ۔

بہت کم ہیں ، اول ان کو نذر تماشائیان ہنر کر کے پھر جواہر گراں بہاے فارسی کو طبق عرض پر جلوہ گر کروں گا تا کہ معلوم ہو عبارت فارسی اس فارسی سے عبارت ہے :

مضموں کا فکر کیا کریں اس کی ذقن میں ہم
گم ہیں خیال تنگیٔ کنج دھن میں ہم

کیا دم تھا کل جو دیکھ کے یارب نسیم صبح
غنچے کی طرح پھول گئے پیرھن میں ہم

دل غم سے تنگ سینہ سراپا الم سے خوں
لائے ہیں بخت غنچہ مگر اس چمن میں ہم

دامن سے ڈھانک جیسے کوئی لے چلے چراغ
جاتے ہیں سوز عشق لیے یوں کفن میں ہم

مت پوچھ ہم نشیں کہ یہ راتیں فراق کی
کس طور سے ہیں کاٹتے رنج و محن میں ہم

چھوٹے کمر کی فکر کے جو پیچ و تاب سے
اُلجھے خیال زلف شکن در شکن میں ہم

اشعار فارسی

نالہ بر بانگ دهل کن شغب نوحہ کم است
ماتمی گرم. ترک. باید ازیں شیون. ما

هیمہ از طوبلی و آتش ز جحیم آوردیم
بیم و امید بسوزد همہ در گلخن. ما

دشنۂ را کہ کسے بر دل کافر نزند
می زند بر دل ما ترک وفا دشمن ما

من و آئینه به چشمت ستم آموز شدیم
خون عالم همه در عهد تو بر گردن ما

خاک گشتیم و همان دیده براهے داریم
شمع را زنده مدارید سر مدفن ما

نخواست غارت دست زمانه باغ مرا
درون سینه نهان داشت عشق داغ مرا

گر چنین جام دهد گردش چشم ساقی
پشت بر شنبه گذارد شب آدینهٔ ما

صبح عید است کنون مغبچهٔ شوخ کجا ست
که به مے رنگ کند خرقهٔ پشمینهٔ ما

هم چو گل آتش افسردهٔ ما شعله نداد
تا نجنباند صبا گوشهٔ دامانے را

علوی این گریه که در روز وصالش کردی
تا چه در کیسه نهادی شب هجرانے را

هزار قلزم خون می کشیم و تشنه لبیم
ز آب تیغ تو گویا سرشته شد گل ما

گذشت عمر در آمد شد وجود و عدم
قضا به گردش چشم که بست محمل ما

به فتنه گرمیٔ هنگامهٔ طرب داریم
فروزد از نفس صبح شمع محفل ما

دلم شکست ستم هاے زلف او یا رب
شکسته تر شود آن کس که بشکند دل ما

تو فکر بازوے خود کن که مشتاق شهادت را
برنگ شمع گر برّی سرے دیگر شود پیدا

چون می زید میان وجود و عدم غریب
نازم خراب شیوهٔ مهر و عتاب را

تا حشر مست خال لبت هوشیار نیست
حسن تو پشت داد ز افیون شراب را

مرگ است آرمیدن عاشق که چون نفس
ما آزموده ایم درنگ و شتاب را

قربان آن زمان که تو گوئی بمے کشی
علوی جگر بیار که خواهم کباب را

عشق نه پسندد اگر درد تو مادر زاد نیست
همچو ماهی از محیط نیستی بسمل برا

با همه دیوانگی هشیاریٔ وصلش طلب
با صبا عاقل شو و باناصحان غافل برا

چه سادگی ست به بوے نظاره دعویٔ عشق
تو پاک دامن و کافر نگه بهانه طلب

صبر مارا عشق می داند ولے ریش درون
از براے عبرت دشمن نمایان کردن است

تن چوگل خون دل برنگ لاله داغم کرده اند
محشر چندیں بهار باغ و راغم کرده اند

آمدم تا از عدم از خویش پنهان زیستم
دل شکاران از کجا علوی سراغم کرده اند

گردش چشم تو ام جنبش گهواره بود
که گہے می برد از خویش و گہے باز آرد

نالہ چنداں کہ بود گرم غم از دل بہ برد
سوز ایں نغمہ بشدے کہ کشی ، ساز آرد

اشکم رود از دیدہ و مقدار نداند
ایں نوقدم اندازۂ رفتار نداند

گر جیب نماند است بزنجیر در آویز
آں کن کہ کسے بیند و بے کار نداند

داغم ز دل سادہ کہ خوش کردہ بہ ہر خوب
ارباب تماشا ز خریدار نداند

بے ہمرہیٔ غیر نیاید بہ گلستاں
ایں سادہ تو گوئی رہ گلزار نداند

جاں می طلبد در بدل نیم نگاہے
نقصان خود و سودخریدار نداند

اگر درد تو در آب و گل یک دل فرو ریزد
فشارد آں قدر تنگش کہ آب از گل فرو ریزد

در آئین وفا سعی تپیدن آں قدر باید
کہ خون کشتہ ہم از گردن قاتل فرو ریزد

فدائے شست صافت دل نگاہ تیز جولائی کے
کہ گردو نیم بسمل رنگ و بر بسمل فرو ریزد

بگرد کلفت مجنون ہجراں دیدہ می ماند
مباد اے سارباں ایں گرد بر محمل فرو ریزد

به چشم من اگر جا گرم کردی آن قدر بنشین
که بگدازد نگه در دیده و بر دل فرو ریزد

ز خاک علوی اے محشر خرام آهسته تر بگذر
که بنشیند اگر بر دامنت مشکل فرو ریزد

من بندهٔ آن نگه که خنجر
بر دل زد و از جگر بر آورد

نازم سحر مژه که بر دل
موے زد و نیشتر بر آورد

دل ز غم‌هاے تو خالی نشود در شب هجر
یک شب از دهر به قدر کلهٔ[1] می خواهد

رشکم آید که زیارت گه عشاق شود
ورنه مردن بسر کوے تو دشوار نبود

عروج نشهٔ فقرم بجام جم نمی گنجم
به خود بالیده ام یعنی بظرف کم نمی گنجم

طریقت وسعتے دارد که تا دوزخ بود سیرش
من اے علوی بصحن خلد چون آدم نمی گنجم

می گریم از فراق تو غافل ازیں ملال
باید بر ایں گریستن ما گریستن

صد ساله آتش است که پرورده ام بدل
اے دیده خوش بود بمدارا گریستن

---

۱ - نسخهٔ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳٦۷) ' گلهٔ '

رباعی

دمے بر سر کوے مے فروشم بردند
نا داده هنوز مے ز هوشم بردند
تقویٰ دامن کشید و رندان دستم
القصه نرفتم و بدوشم بردند

رباعی

آنان که ز دهر جز خطر نشناسند
صد ناله کنند و یک اثر نشناسند

این بست و کشاد مژه بر روے جهان
جز جنبش دست مویه گر نشناسند

عدة ابیات من قصائده

قصائد

دلے دارم کز آلفت جا دهد در دیده عمانش
محبت گر بیفشارد چکد زهرم ز دامانش

به دوزخ گر بر افشانند دامان ترش شاید
که جز سر ما نسوزد روے محبوسان زندانش

حباب موج سازد کشتیٔ واژون گردون را
بعالم گر بجوشد از تنور دیده طوفانش

ازین سو رخنۂ دیوار جنت چشم ناسورش
وزان سو مایۂ تسعیر دوزخ باد دامانش

بحنظل گیرد از دنیا بشکر در گلو ریزد
ازان سو حوض کوثر بین وزین سو حوض نعمانش

ولے با چشم زمزم ریز منت گیر آن لعلے
کہ گردد خنده‌اش چون حوض نعمان شکرستانش

تعالی الله چه شکر داشت آن لعل حیات آور
که گشته حوض نعمان قند و زمزم مانده تلخانش

سکندر دولتی و پیروا و خضر و اسکندر
سویدا دشت ظلمات است و سودا آب حرمانش

خضر اما نه تنها خور چو یابد قطرهٔ آبے
سکندر لیک نے همچون سکندر بخت حرمانش

جو در میخانه آید ، جم بود یک جام بردارش
چو بر سجاده شیند خضر گیرد آب‌دستانش

چه گفتم پر دهاے دیدهٔ جم لاے پالایش
چه گفتم طیلسان خضر روپاک وضو دانش

چه دل صد شرک رانده بر زبانها شکر توحیدش
چه دل صد کفر حرز ایمنی برده ز ایمانش

مجوسی ملّتی و روے خوبان آذر آبادش
مسلمان سیرتے و زلف جانان کعبهٔ جانش

غبارے بر سر دوش از رخ زردش بهود آسا
ز آه حلقه حلقه بسته زنجیرے جو رهبانش

دمش چون آتش نمرود هیمه تخت نمرودش
دلش چون آذر و چون پور آذر دیده بستانش

گہے در دیر پیمان است با بطریق و نسطورش[۱]
گہے بر طور پیوند است با موسیٰ و عمرانش

گہے در کعبه تصحیح سور با کعب احبارش
گہے در بیعه بیعتہا است با قسیس و مطرانش

گہے ازژند کرده بست و یک گان نسک را ازبر
گہے شرح مناسک یاد از سیپاره فرآنش

برای دیر صد تعویذ برده خط تجریدش
بروی کعبه صد لبیک رانده لب بهزمانش

کسے کیں دل دلیل اوست حاجت نیست باخضرش
کسے کیں دل ضمان اوست بر کس نیست تکلانش

من القصیدة الاخریٰ

باز بگیتی بدل گشت غنا از عنا
رنگ و گل و بوے مل یافت بہار و بہا

بہر دل زاهدان بوے مل آمد حنوط
بہر کف شاهدان رنگ گل آمد حنا

از اثر آن حنوط نفس پذیرد حیات
وز اثر آن حنا عشق برد خوں بہا

نگہت صد پیرهن ساخته کافور صبح
رونق صد انجمن سوخته عـود مسا

چرخ که کافور خورد کرده جوانی ز سر
زهره که آں عود یافت داد بدنداں جلا

---

۱ - نسخه نول کشور ۱۲۹۹ ھ (ص ۳۶۸) ''نسورش'' -

فصل بہاراں مگر خاست بجنگ فلک
آب بپوشد زرہ سرو فرازد لوا

لالۂ رنگیں قبا ابلکے سرخ پوش
سنبل اکسوں لباس دلیمیٔ مود و تا

صحن گلستاں مگر آئینۂ چرخ شد
صف سمن کہکشاں غنچۂ سوسن سہا

سبزۂ شبنم فشاں صولت پرویں شکست
رنگ رخ ارغواں داد بشعریٰ جلا

ژالہ چو ماہ تمام دیدۂ کاوش مقام
ماہ فلک را بلے دیدۂ کا واست جا

گر نہ ز عید بہار گرمیٔ ہنگامہ ایست
ورنہ بسیر چمن رفتہ ز سر ہوشہا

کیسہ بر آفتاب با ہمہ انوار روز
می برد از جیب گل اقچۂ شبنم چرا

ورنہ نشاط است چیست نرگس و ایں ابلہی
کو کند از شرب مے نقص بصر را دوا

فرض نمودم کہ مے شاہ ہمہ دارو است
کور نہ گردد بہ ارغورہ شود[۱] توتیا

قرطق رنگیں برید بر بدن لالہ باد
یلمق اخضر کشید در بر غنچہ صبا

غنچہ نازک دماغ گر ندرد چوں کند
شوخ تر آمد نگار تنگ تر آمد قبا

---

۱ - نسخۂ اول (ص ۳۷۶) 'شو' نسخہ دوم (ص ۳۶۸) 'شود'۔

گـرد سرت ساقیا جـان شهیدان تـو
جام گران خیز را خیزد سبک ساز

علوی اے تازہ ہوش پند من آور بگوش
یک دو مہ ساغر بنوش با صنم خوش لقا

سور کن اے بے خبر وقت طرب آہو است
آہو نآید دگر جست چو از دام ما

صوت شباہنگ را گوش کن اینک سحر
وان کہ شب آہنگ بر ہر سحر آمد کوا

داروے بے ہوشی است این کہ سپہر محیل
داشتہ ز انجم کنون از پے مالب چرا

ساقی و آن جام مے مطرب و آن بانگ نے
ساز و صراحی زوے مستی و رندی زما

توبہ دہد درد سر کو سرو خشتی ازانکہ
مست و نان رفت و خشت از سردن کردوا[1]

ساقی نو کرد جام مطرب گرد اند راہ
ہم تو بگردان قدم از رہ دیگر در آ

بیتے چند از مثنوی کہ بر طرز گل گشتی است

در چمن بار خدایا کہ برد خانۂ ما
از سر آباد کند گل گل رندانۂ ما

سر بازار محبت کہ جنوں مطلوب است
باد مفت سر عشاق کہ سودا خوب است

---

۱ - یہ شعر صحیح نہیں پڑھا جا سکا ۔

بیدلاں جوش بہار است جنوں می باید
سر رنداں چو سر شیشه نگوں می باید

از مے و مطرب و گل انجمنے ساز دهید
بے خودی گر همه رنگ است به پرواز دهید

چلچراغے شده هر شاخ ز گلهاے چمن
یا الٰہی که شود چشم تماشا روشن

نو عروسان چمن زار ز سرکار بہار
همه در بر بگرفتند قباے گل ، خار

چاک زد غنچهٔ گل پیرهن عریانی
که ضرور است دریں فصل قبا گردانی

زلف سنبل که فزوں باد سیه مستی او
دام صد مرغ نظر پیرهن شستی او

نیست باور که به دلداریٔ بلبل کو شد
شاهد گل همه گر جامهٔ مصحف پوشد

رقم عیش کشد سر بسر روے زمی
نرگس شوخ به بر کرد لباس قلمی

صبح دم تا چه بلا بر سر بلبل آرد
باغباں مشورتے با کلهٔ گل دارد

ساده لوح است برنگ ورق زیر نگیں
چوں نگیں هر که دریں فصل بود خانه نشیں

دم تاثیر ز آزادی سرو هست ایں جا
حلقهٔ دام خط بال تذرو هست ایں جا

چشم دل را به تماشاے چمن آب دهید
خانهٔ تقوی و پرهیز به سیلاب دهید

شوق گر صرفه دهد از پے نظارهٔ گل
می توان کرد به بر جامهٔ چشم بلبل

بعد ازیں والهٔ گل پیرهنے خواهم شد
چوں صبا پاے چنار چمنے خواهم شد

تا نسازد ره گل زار غلط مستانه
عشق گلبانگ زند بر قدم دیوانه

عشق کو تا خرد از عقل خراباتی را
سر بباغات دهد مردم باغاتی را

کو جنوں تا بخرابات کنم منزل خویش
از مے ناب زنم آب بروے دل خویش

بادهٔ لعل کشم داغ جگر لاله کنم
زنگ و زنجیر قلندر شوم و ناله کنم

در گلزار زنم دست نگارے گیرم
نازنینے چو دل خود به کنارے گیرم

بخورم از لب او بوسه و آبے نخورم
خبر دل سوختهٔ خویش کباب نخورم

گر به من وا شود آں فتنه گر بے پروا
خنده بر گل زنم و واکنمش بند قبا

در گلستان رخش آئینه تصویر کنم
از پے گم شدن خویش چه تدبیر کنم

طرح صحبت به کباب و مے و بط اندازیم
به در باغ کلیدے به غلط اندازیم

جام بر جام بنوشیم بر غم گردون
صلواتے بفرستیم بروح مجنون۔

بیتی چند از مثنوی٘ دیگر

بود فقیہے به بنارس مقیم
با دل آسوده ز امید و بیم

مرد خرد پرور و فرزانه کار
در همه فرزانگی آموز گار

مدرسه از فیض دمش بوستان
چون ز سخن طبع سخن دوستان

صحبت مردان خرد پیشه داشت
پاک دل و پاکی٘ اندیشه داشت۔

نام زنش تلخ نکرده مذاق
تانزده حرف ز خلع و طلاق

کوثر و جنت چو روایت نکرد۔
از مے و پیمانه حکایت نه کرد۔

نور خرد کرده ز رویش ظهور
چون مے خوش رنگ ز جام بلور

راست بکیش و بکنش هم درست
هم بدم و هم بقدم گرم و چست۔

نقد ورع انچه که دربار داشت
بسته بشاغولۂ دستار داشت

ناز ده مژگان بتے تند خو
نقب بگنجینۂ ایمان او

دامن زهدش نکشیده بخون
خنجر مژگاں و خراش درون

غمزه بجانش پے بازی نخاست
طره پے دست درازی نخاست

شانه ریشش نگرفته بزور
عشق پۓ زلف بتے پر غرور

دل به صنم خانه نیازے نه برد
در خم ابروے تمازے نه برد

بت بسوے سجده اشارت نکرد
مغبچه تعلیم طهارت نکرد

سنگ ملامت نه شکسته سرش
چاک نیفگنده جنوں در برش

مختصر آں مایۂ فرهنگ و فر
بود ز عشق و فن او بے خبر

داشت دریں منزل بیم و آمید
خاطر فارغ ز سیاه و سفید

رسته ز نیرنگۂ لیل و نهار
شاد همین برد بسر روزگار

یک سحر از در صنمے بے حجاب
چون ز گریبان سحر آفتاب

دلبر هندوے مسلمان فریب
برده بزلف از دل ایمان شکیب

ناز دران نرگس جادو سرشت
خفته چو روح القدس اندر بهشت

نیم نگاهے که به درویش کرد
سینه خراشید و جگر ریش کرد

غمزه بران ریش خراشے فزود
لب نمک آورد و بران ریش سود

ناوک مژگان سر پیکان کشاد
خون تمنا ز رگ جان کشا

علی

علی تخلص مولوی امانت علی ، ساکن نواح پورب - مرد سیاح ، آزاد منش ، خوش اخلاق ہے - اثنائے تحریر تذکرہ میں راقم اس بزرگ نہاد ، تقدس نژاد کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا اور اس کی تقریب یہ ہے کہ وہ عمیم الاخلاق سعادت زیارت حضرت فرید شکرگنج رحمۃاللہ علیہ حاصل کر کے وارد شاہجہان آباد ہوا اور تین روز اس مسجد میں (کہ شرق شہر لب دریائے جون[1] واقع اور زینت المساجد کے نام سے مشہور ہے) قیام کیا - عجب مرد خدا رسیدہ اور صاحب باطن پایا - معلوم ہوا کہ اکثر اشعار فارسی زبان ہدایت بیان سے صادر ہوتے ہیں اور ریختہ گاہ گاہ - اس وقت جو جو

---

۱ - جون سے مراد جمنا ہے -

اشعار کہ سامعہ نواز ہوئے تھے ، ان میں سے یہ ایک شعر ریختہ راقم کو یاد رہ گیا :

یوں تو سب کچھ لکھا پڑھا تھا ولے
ہم ترے عشق میں بھلا بیٹھے

علی

علی تخلص ، زبدۂ خاندان سیادت ، قطب علی ، فرزند دل بند یگانۂ عالم آشنائی ، میر امیر علی مرحوم ۔ نیک نہادی اور خوش اطواری میں رشک امثال اور باغ سعادت میں نونہال اور مولوی عبدالکریم سوز سے تلمذ رکھتا ہے ۔ یہ دو چار شعر اس کے درج تذکرہ ہوئے :

آخر آخر ترے رونے سے اٹھیں گے طوفان
اس کا انجام نہیں دیدۂ پرنم اچھا

کل تو علی کا حال بہت ہی تباہ تھا
کیا گزری آج اس پہ خدا جانے کیا ہوا

علی نے مفت اپنی جان کھوئی
لگا کر دل کو اس زلف دوتا سے

دل تنگ کیسے دبتی ہے اول تو اسیری
اور اس پہ قفس تنگ ہے ، صیاد غضب ہے

علیل

علیل تخلص ہے شیخ نصیرالدین کا ۔ خوش مزاج ، ظریف طبع ، علوم رسمی سے ماہر ہے ۔ سنین عمر ہنوز انتیس یا تیس سے متجاوز نہیں اور کہل میں اقران و امثال

سے قدم آگے رکھتا ہے۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے :

اب کے اچھے نہیں ہونے کے علیل
سخت بیمار ہو ہم جانتے ہیں

چھٹے بھی قید سے تو واں ملی ہے جا نشیمن کو
جہاں وسعت بقدر یک قفس ہے صحن گلشن کو

عیش

عیش تخلص ہے حکیم حاذق ، ارسطوے وقت ، لقمان دوراں ، شاعر خوش کلام ، سخن ور بلند مقام ، صاحب ذہن سلیم و خداوند طبع قویم ، یگانۂ جہاں حکیم آغا جان سلمہ‌الرحمان کا۔ شاہد کلام کو زیور صنایع لفظی سے بیش تر آرایش دیتے ہیں اور محاورہ بندی اور شستگیٔ زبان زیادہ ملحوظ رہتی ہے ۔ الفاظ روشن نور مضامین سے آفتاب ، سواد خط تازگیٔ معنی سے سبزۂ سیراب ۔ سبحان‌اللہ کیا رسائی فکر ہے کہ ہر مضمون بلند اس کے سامنے پیش پا افتادہ معلوم ہوتا ہے ۔ الفاظ سے معنی تاب ناک کا جلوہ گویا پرتو شمع کی جھلک فانوس سے ، سواد رقوم سے رنگینیٔ عبارت کا ظہور بعینہ سرخیٔ رنگ کا مشاہدہ سبزیٔ پر طاؤس سے ۔ بیماروں کی شفا ایک معجزہ ہے کہ خامۂ تقدیر نے ان کی زبان قلم میں ودیعت رکھا ہے ۔ معنی جاں پرور کی روح افزائی گویا اسی معجزے کا اثر ہے کہ دارالشفاے سخن وری کے بیماروں کی چارہ سازی کے واسطے پردۂ الفاظ شعر سے جلوہ گر ہے ۔ شیرینیٔ فصاحت کو نمک ظرافت کے ساتھ تراکیب دے کر مذاق سامعہ کو ہر کیف سے جداگانہ لذت یاب کرنا اسی قادر الکلام کا اختراع ہے ۔ یہ چند شعر

شعری شعار ان کے افکار بلند ، آسمان پیوند کے نتائج سے تحریر ہوتے ہیں :

مانا کہ ستم کرتے ہیں معشوق مگر آپ
جو مجھ پہ روا رکھتے ہیں ایسا نہیں ہوتا

کہتا ہے کوئی شعلۂ جوالہ کوئی برق
اس دل پہ گماں لوگوں کو کیا کیا نہیں ہوتا

اپنے پامالوں پہ بھی رکھتی نظر کچھ چاہیے
راہ چلتے ہو چلو لیکن مری جاں دیکھ کر

اک زلف کا بل ہو تو کہوں سیکڑوں بل ہیں
پیشانی سے ابرو تلک ابرو سے کمر تک

دخت رز کی دیکھنا سب مستیاں جھڑ جائیں گی
گر کبھی پہنچی وہ ان آنکھوں کے مستانوں تلک

واں تو ہیں ناز و ادا و عشوہ اور یاں ایک دل
عیش کس کس کی میں اس پر ناز برداری کروں

افشاے راز عشق کے باعث تمھیں تو ہو
سو بے حجابیاں ہیں تمھارے حجاب میں

اسے تو روز بہانے کو چاہیے دریا
کہاں سے لاؤں میں اس چشم خوں فشاں کے لیے

صلح ان سے ہمیں کیسے ہی بنی
دل پہ جھگڑا تھا دل دیے ہی بنی

زھد و تقویٰ دھرے رہے سارے
ہاتھ سے اس کے مے پیے ہی بنی

لائے وہ ساتھ غیر کو ناچار
پاس اپنے بٹھا لیے ہی بنی

کس کا تھا پاس شوق ظلم کہ عیش
ان جفاؤں پہ بھی جیتے ہی بنی

قدر ہی جب نہ ہو کسی کی تو پھر
کیوں کوئی جان دے کسو کے لیے

عیش

عیش تخلص ، رائے عزت سنگھ ، منشی دفتر خالصہ شریفہ ۔ جوان خوش خلق و نیک نہاد ، علوم ضروری سے آگاہ اور قواعد سخن وری سے واقف ۔ اشعار فارسی میں جناب کمالات انتساب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ‌اللہ تعالی سے اصلاح ہے اور ریختے میں شاہ نصیر مرحوم سے ۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں :

اشعار فارسی

می دهد افسانهٔ شیخ و برهمن حیرتم
آخر از یک کشور است این مختلف اخبارها

تا غم عشق میهمان من است
همه خون جگر بخوان من است

در خرابات جهان آمده ام از پئ دوست
غوطه در بحر فقط از پئ گوهر زده ام

نرگس مست از نگاه داد شکستے بدل
مے شکند شیشه را تندئ صهباے من

ریختہ

جان و دل پر عزم ہے اس چشم پر آزار کا
دیکھ کر ہر شے کو جی جلتا ہے جوں بیمار کا

رہی جب تک کہ نیچی تھا زمیں پر شور محشر کا
بنے گی کیا فلک پر ، اب نگاہ یار اونچی ہے

نہ ہو پست و بلند دھر سے غافل تو اے منعم
کہیں نیچی ، کہیں یہ راہ ناھموار اونچی ہے

باب الغین المعجمة

غافل

غافل تخلص ہے زبدۂ سادات عظام ، میر سید محمد نام کا کہ مرد سنجیدہ اور صاحب اطوار حمیدہ ہے ۔ مدت ہوئی کہ حکام وقت کی طرف سے مدرسۂ شاہجہان آباد میں خوش نویسوں کی سلک میں منسلک اور طلبۂ مدرسہ کے خط نستعلیق کی تہذیب کے واسطے ملازم ہے ۔ علاوہ اس کے زبان اردو اور ناگری کی تعلیم بھی اسی جامع فنون کی ذات سے متعلق ہے ۔ حل لغات ناگری میں ایک کتاب مبسوط مسمیٰ بہ ''مفتاح اللغات'' بہت خوب تالیف کی ہے اور علم حساب میں ''لیلاوتی'' کا ترجمہ زبان اردو میں کیا ۔ گاہ گاہ شعر کہنے کا اتفاق بھی ہوتا ہے اور تاریخ گوئی کی طرف التفات حد سے زائد ہے ۔ یہ دو چار شعر صفحۂ کتاب پر مرقوم ہوتے ہیں :

مبتلا عشق میں ہے کون بشر اپنا سا
دے نہ دشمن کو خدا درد جگر اپنا سا

ساقیٔ دھر نے عشرت کدۂ دنیا میں
خون دل روز پلایا ہے مجھے جاے شراب

ہے یقیں مجھ کو عداوت سے نہ دیتا گردوں
بخت کی جنس جہاں میں جو نہ ہوتی نایاب

کھانے کو غم جہان میں باقی نہیں رہا
پینے کو ایک قطرۂ خون جگر نہیں

غالب

غالب تخلص ، شیر نیستان سخن وری ، ببر بیشۂ معنی پروری ، یکہ تاز عرصۂ کمال ، یگانۂ کشور افضال ، سیاح زمین سخن ، دانا ے نوادر فن ، زبدۂ کملاے جہاں ، مرزا اسداللہ خاں معروف بہ مرزا نوشہ سلمہ‌الرحمان ۔ سخن سنج بے مثل و نظیر اور صاحب طرز دل پزیر ہے ۔ خامۂ گوہر بار سے اقلیم سخن میں لواے جہانگیری بلند کیا ہے اور یوسف معنی کو اس ہجوم ۔ تمیزی میں زلیخا منشان مصر سخن کی نظر میں ارجمند کیا ہے ۔ فضائل اگر اس قدوۂ افاضل کی ذات پر تکیہ نہ کرتے ، فضیلت نہ رکھتے اور کمالات اگر اس زبدۂ کملا سے مدد نہ لیتے ، عالم کی تکمیل کا سبب نہ ہوتے ۔ سیاہئی رقوم اس کی رنگینئ معنی سے ہم شکل طاؤس ، صفحۂ قرطاس اس کے فروغ مضامین سے ہم رنگ فانوس ۔ برق طور اگر اس کی تجلئ معنی کے مقابل ہوتی ، سرمہ ہو جاتی ، شمع ایمن اگر اس کے شعلۂ فکر کے سامنے آتی ، فروغ نہ پاتی ۔ ایوان سخن اس کے فکر کی معماری سے آسمان کے ساتھ ہم رفعت ، بناے کلام اس کی طبیعت کی مدد سے قاف کے ساتھ ہم متانت ۔ وصف بزم میں رفتار قلم رقص ناہید کے برابر ، بیان رزم میں صریر خامہ نعرۂ شیر سے ہم سر ۔ فکر اگر حوصلۂ ہمت کے لائق جہد کرے ، فضاے لا مکاں مرحلۂ مقصود کے روبرو دیدۂ مور سے تنگ تر نظر آئے ۔ خیال اگر اندازۂ قدرت کے موافق بلندی پر جائے ، خزانۂ تحت العرش کو اس جاے گاہ رفیع سے گنج قارون سے پست تر پائے ۔ سخن کی فراوانی اور ہجوم معانی اور

متانت تراکیب اور رشاقت اسالیب اور شوخیٔ اشارات اور چشتیٔ عبارات گاہ اجمال کی رعایت سے آفتاب کو لباس ذرہ میں جلوہ دینا اور گاہ تفصیل کے اقتضا سے تخم کو نہال کی صورت میں نشو ونما بخشنا ۔ جدائی کو فصل اور ملاقات کو وصل کے قبیل سے ٹھہرا کر مباحث سخن میں بلاغت کے ساتھ ادا اور حشو و زواید سے بزم کلام میں مثل صحبت زھاد اجتناب کرنا اور اسی طرح اور باتیں جو لوازم سخن اور مقتضیات فن سے ھیں ، جیسے اس ناظم کشور کمال میں مشاھدہ ہوئی ھیں ، کم کسی میں دیکھی گئیں ۔ ابیات ریختہ ، عمارت ریختہ ، دقائق فارسی جواھر قدس کا بیختہ ۔ ھر چند اشعار ریختہ حد حصر سے خارج اور اندازۂ شمار سے افزوں تھے لیکن از بس کہ کمر یار اور دھان دل دار کا مضمون زیب اشعار ھوتا ھے ، انھیں مضامین کی رعایت سے اختصار کو پسند کیا اور چند بیتیں دلبروں کے لب کے مانند نقطۂ انتخاب کے خال سے مزین کر کے ایک دیوان مختصر مرتب کیا ۔ اور مجموعہ فارسی کا تو دیوان محشر سے بھی زیادہ اشعار پرغوغا اور ابیات بلند صدا سے مملو اور مشحون ھے ۔ ریختہ میں گاہ گاہ اسد تخلص بھی کیا ھے لیکن غالب غالب اور ھر طالب اسی نام سے ھند و فارس میں اس کے نشان کا طالب ھے ۔ یہ چند شعر لکھ کر چشم بند غفلت کا چارہ اور جلوۂ شاھد مدعا کو آشکارا کرتا ھے :

ریختہ

گھر ھمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ھوتا
بحر اگر بحر نہ ھوتا تو بیاباں ھوتا

تنگیٔ دل کا گلہ کیا کہ وہ کافر دل ہے
کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا

میں اور بزم مے سے یوں تشنہ کام آؤں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

درد منت کش دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا

تازہ نہیں ہے نشۂ فکر سخن مجھے
تریاکیٔ قدیم ہوں دودِ چراغ کا

بلبل کے کاروبار پہ ہے خندہ ہاے گل
کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

تھی نوآموز فنا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
اڑنے سے پیش تر بھی مرا رنگ زرد تھا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

واے گر میرا ترا انصاف محشر میں نہ ہو
اب تلک تو یہ توقع ہے کہ واں ہو جائے گا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

ہے اب اس معمورے میں قحط غم الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے، کھائیں گے کیا

آئینہ دیکھ اپنا سا منھ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

غم فراق میں تکلیف سیر گل مت دو
مجھے دماغ نہیں خندہ ھاے بے جا کا

رشک کہتا ہے کہ اس کا غیر سے اخلاص حیف
عقل کہتی ہے کہ وہ بے مہر کس کا آشنا

کون ھوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق
ہے مکرر لب ساقی میں صلا میرے بعد

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا تھا
کہ مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا
یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

ھیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ھماری جناب میں

مانا ترا اگر نہیں آساں تو سہل ہے
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

کم نہیں وہ بھی خرابی میں پہ وسعت معلوم
دشت میں ہے مجھے وہ عیش کہ گھر یاد نہیں

نہ نکلا آنکھ سے تیری اک آنسو اس جراحت پر
کیا سینے میں جس نے خوں چکاں مژگان سوزن کو

بلا سے گر مژۂ یار تشنۂ خوں ہے
رکھوں کچھ اپنی بھی مژگان خوں فشاں کے لیے

نقش کو اس کے مصور پر بھی کیا کیا ناز ہے
کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام
ایک مرگ ناگہانی اور ہے

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپ ہوں
ورنہ کیا بات کر نہیں آتی

نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا پر اب
لب تک آتا ہے جو ایسا ہی رسا ہوتا ہے

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

اشعار فارسی

محو کن نقش دوئی از ورق سینۂ ما
اے نگاہت الف صیقل آئینۂ ما

وقف تاراج غم تست چه پیدا چه نهان
همچو رنگ از رخ ما رفت دل از سینهٔ ما

سخن کوته مرا هم دل به تقوی مایل است امّا
ز ننگ زاهد افتادم بـه کافر ماجرائی ها

ز درد دل که به افسانه درمیان آیـد
به نیم جنبش سر می توان فـریفت مرا

بیک دو شیوه ستم دل نمی شود خرسند
به مرگ من که به سامان روزگار بیا

هلاک شیوهٔ تمکین مخواه مستان را
عنان گسسته تر از باد نوبهار بیا

وداع و وصل جـدا گانـه لذتے دارد
هزار بـار بـرو صـد هزار بـار بیا

بپایان محبت یـاد می‌آرم زمانے را
که دل عهد وفا نابسته دادم دلستانے را

زمن کزبے خودی در وصل رنگ ازبوے نشناسم
بهر یک شیوه نازش باز می خواهد جوابش را

جهان از باده و شاهد بدان ماند که پنداری
به دنیا از پس آدم فرستادند مینو را

برده صد اربعین بسر بـر سر صـد هزار خم
گر به نهی به آفتاب بـاده چکد ز خشت ما

بـا اضطراب دل ز هر اندیشه فارغم
آسایشے ست جنبش این گاهواره را

با بندهٔ خود این همه سختی نمی کنند
خود را بزور بر تو مگر بسته ایم ما

فرمان درد تا چه روائی گرفته است
صد جا چو نے به ناله کمر بسته ایم ما

رسیدن هائے منقار هما بر استخوان غالب
پس از عمرے بیادم داد رسم و راه پیکان را

در کشا کش ضعفم نگسلد روان از تن
این که من نمی میرم هم ز ناتوانی ها ست

غالب زبان بریده و آگند گوش نیست
اما دماغ گفت و شنودش نمانده است

عقل در اثبات وحدت خیره می گردد چرا
هرچه جز هستی‌ست هیچ و هرچه جز حق باطل است

جوش حسرت برسر خاکم ز بس جا تنگ کرد
همچو نبض مرده دود شمع جنبیدن نداشت

دوستان دشمن اند ورنه مدام
تیغ او تیز و خون ما هدر است

کم خود گیر و بیش شو غالب
قطره از ترک خویشتن گهر است

گه رخ آرائی و گه زلف سیه تاب دهی
یاد ناری که مرا تیره سر انجامی هست

گیرم که رسم عشق من آورده ام به دهر
ظلم آفریدهٔ دل حق نا شناس کیست

رند هزار شیوه را طاعت حق گران نبود
لیک صنم به سجده در ناصیه مشترک نخواست

نشاط جم طلب از آسمان نه شوکت جم
قدح مباش ز یاقوت باده گر عنبی ست

نازم به امتیاز که بگذشتن از گناه
با دیگران ز عفو و بما از غرور بود

در بغل دشنه نهان ساخته غالب امروز
مگذارید که ماتم زده تنها ماند

مے بزهّاد مکن عرض که این جوهر ناب
پیش این قوم به شورابۂ زمزم نرسد

به التفات نگارم چه جاے تهنیت است
دعا کنید که نوعے ز امتحان نبود

نازم فریب صلح که غالب ز کوے تو
ناکام رفت و خاطر امیدوار برد

سرت گردم اگر پاے نزاکت درمیان نبود
تنم از لاغری صد خورده بر موے کمر گیرد

خون هزار ساده بگردن گرفته اند
آنانکه گفته‌اند نکویان نکو کنند

دید پر ریخته و از قفسم کرد آزاد
رحم در طینت ظالم ستم ایجاد آمد

آزادیم نخواهی و ترسم کزین نشاط
بالم بخود چنان که نه گنجم به بند تو

باهیچ کافر این همه سختی نمی‌رود
اے شب بمرگ من که تو فردائے کیستی

بگوشم می رسد از دور آواز درا امشب
دل گم گشتۂ دارم که در صحرا ست پنداری

چه گویم از دل و جانے که در بساط من است
ستم رسیده یکے نا امیدوار یکے

تاہم ز دل برد کافر ادائے
بالا بلندے کوته قبائے

اکنوں خود از وفائے تو آزار می کشم
رفت آں که از جفائے تو فریاد کردمے

غالب

غالب تخلص ، انور علی ، متوطن پورب ، ملازم نواب فیض محمد خاں والیٔ جھجر ۔ نوشت خواند میں ملکه حسب دل خواہ حاصل تھا اور خوش الحانی میں بے نظیر اور صلاح اور تقوے میں بے عدیل ۔ به سبب موزونیٔ طبعی کے شعر گوئی کی طرف راغب ۔ یه دو تین شعر اس کے نتائج طبع سے ھیں :

کام تو سو طرح نکل آئے
کوئی جانے بھی مدعا دل کا

آه کیجے که ناله وه پر فن
نہیں ھوتا ھے آشنا دل کا

ھم تو غالب کے بھی قائل ھیں که جا ھی پہنچا
پاس اس بت کے کسی ڈھب کسی عیاری سے

غریب

غریب تخلص ، غریب اللہ ، ساکن شاہ آباد ۔ مدت سے وارد شاہ جہاں آباد طالب علمان فارسی خواں سے ہے ۔ اول مومن خاں مومن مرحوم کو غزل ریختہ دکھاتا تھا ، اب اپنے طور پر داد سخن وری دیتا ہے ۔ کئی مہینے ہوئے کہ عہدۂ منشی گری' پلٹن انگریزی پر مامور ہو کر کسی طرف راہی ہوا ہے ۔ گاہ گاہ اشعار طبع زاد خط کے وسیلے سے جناب مستطاب مولوی امام بخش کی خدمت میں اصلاح کی توقع پر بھیجتا ہے ، لیکن جناب موصوف کسی مصلحت سے ان اشعار کو اسی طرح مسلم رکھ کر دو تین فقرے تعریف میں لکھ کر بھیجتے ہیں ۔ اتفاقاً چند شعر اس کے کسی کاغذ پر لکھے ہوئے مل گئے ، ان میں سے یہ دو تین شعر اس مقام میں تحریر ہوئے :

مفت میں پامال اعدا ہوگیا تو اے غریب
ہم تو سمجھاتے تھے کوے دل ربا میں تو نہ جا

ان کو دل دے کے کوئی کیا خوش ہو
دل ربا دل بری نہیں کرتے

خضر و عیسیٰ و جام آب حیات
لب سے کچھ ہم سری نہیں کرتے

غفور

غفور تخلص ، محمد غفور کشمیری ۔ باشندگان شاہ جہاں آباد کے سامنے اپنے آپ کو شاگرد ناسخ قرار دیتا

تھا اور کبھی تلمیذ آتش کا ۔ اور بعض واردان لکھنؤ سے معلوم ہوا کہ اُس سر زمین میں شاہ نصیر مرحوم کی شاگردی کا دم بھرتا تھا ۔ میرے نزدیک اس کا کلام اُس پایے میں نہیں کہ اس کے تلمذ کی نسبت کملا کی طرف کی جائے ۔ یہ شعر اس کا یاد تھا :

آ جائے غفور کچھ نہ آفت
تم خیر سے جلد گھر سدھارو

غلطان

غلطان تخلص ، کریم بخش ، ساکن موضع کرانہ ۔ مرد معمر ، درویش طینت ، وارستہ مزاج ، فن شعر میں شیخ ابراہیم ذوق سے مستفیض ۔ یہ دو تین شعر اس کے سنے گئے :

جب مچلتے ہیں طفل اشک تو پھر
سر پہ رو رو کے گھر اٹھاتے ہیں

خدا ہی جو اُس بت کا بندہ ہو ناصح
سنا ہے کہ ایسا ہوا چاہتا ہے

آج تک مجھ کو رہی آنے کی کل پر ہے اُمید
اک قیامت ہے ترا وعدۂ فردا کیا ہے

غم

غم تخلص ، محمد الف خان ، خلف اصالت خان رسالہ دار مرحوم ، ساکن عرب سرا ، اور وہ ایک معمورہ ہے کہ شاہ جہان آباد سے تین کوس کے فاصلے پر مزار پر انوار

حضرت سلطان المشائخ قدس سرہ العزیز کے جوار میں واقع اور محل سکونت شرفا ہے ۔ مدت دراز سے قصبۂ کول ضلع علی گڑھ میں قیام پذیر اور محمد فیض احمد خاں کی سرکار میں کہ قصبۂ مذکور کے اطراف و جوانب میں کسی آبادی کے رؤسا میں سے ہے ، ملازم ہے ۔ جودت فکر اور رسائی ذہن اس کے کلام سے ظاہر ہے ۔ یہ تین چار شعر اس کے ایک آشنا نے لکھ بھیجے تھے :

ایک جھگڑا ہے کہ چکتا ہی کسی طرح نہیں
دم اُلجھتا ہے تری شوخیٔ بے جا سے مرا

خاطر ہے اگر آپ کو دشمن کی تو بہتر
تم خوش رہو ان سے ہی ہمارا بھی خدا ہے

غم ترے اتنے تغافل سے موا جاتا ہے
تو اگر آئے تو اس میں ترا کیا جاتا ہے

نزع کے وقت ز بس شوق ہے نظارے کا
دم سمٹ کر مری آنکھوں میں کھچا جاتا ہے

غم

غم تخلص ، مہتاب سنگھ ، قوم کالیتھ ، شاگرد شاہ نصیر مرحوم ۔ اول سرکار بادشاہی میں سلک متصدیان علاقۂ بخشی گری میں نوکر تھا ، پھر ترک روزگار کر کے لاہور میں جا کر امرائے سرکار راجا رنجیت سنگھ میں سے کسی امیر کی رفاقت میں رہا اور وہیں راہیٔ ملک عدم ہوا ۔ یہ چند شعر اس کے مسموع ہوئے :

طاقت اٹھنے کی نہیں ہے ورنہ میں بھی اے صبا
ساتھ تیرے اک چمن کیا دشت و در کو روندتا

اک دن تو غم کے حال پہ الفت سے کر نظر
اتنا نہیں ہے خوب ستانا غریب کا

اک قطرہ مے میں ہم سے ہی ساقی ہے در گزر
ورنہ ہر اک کو تو نے سبو کے سبو دیے

ناخن کے بدلے خار ہی دیتا ہمیں وہ غم
جس نے گلوں کو باغ میں سو رنگ و بو دیے

صیاد بے خبر ہی رہا اور قفس سے ہائے
ٹکرا کے سر کو بلبل ناشاد مر گئی

غمگین

غمگین تخلص ، مولوی عبد القادر ، متوطن رام پور ۔ فاضل جلیل القدر اور عالم بے بدل تھا ۔ تمام علوم متداولہ خدمت میں اعلم العلما ، افضل الفضلاء ، اکرم کرام ، اعظم عظام ، مفتی شرف الدین رام پوری غفراللہ لہ کی تحصیل کیے ۔ مزاج باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند اور فکر باوجود ضعف پیری کے قوی ۔ ہر چند طول تقریر کا سر رشتہ لا ینقطع تھا ، لیکن نہ سامع کو اس کے تکلم کے وقت ملالت سے انتساب اور نہ کھیر کو اس کے مائدہ کلام پر بگلے کی صورت میں انقلاب ۔ مدت مدید مراد آباد میں عہدۂ جلیلہ صدر الصدوری پر مامور اور کار گزاری اور امانت کے ساتھ مشہور رہا ۔ اتفاقاً ایک بار حاکم بالا دست کی نا قدر دانی سے خاطر نازک

کو گرانی بہم پہنچی اور سر رشتۂ تعلق کو منقطع کر کے کنج عزلت میں انزوا اختیار کیا ۔ حافظ شیراز کی غزل کے مخمس کا ایک بند کہ اس کے نتائج افکار سے ہے ، اس مقدمے پر دال اور اہل کمال کے رتبے نہ شناسی کے بیان سے مورث ملال ہے :

خدمتیں ساری فراموش شکایت اک یاد
شبہے میں ایک خطا کے ہمہ نیکی برباد

بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد
گر نہادت ہمہ اینست زہے نیک نہاد

در سرشتت ہمہ اینست زہے نیک سرشت

گاہ گاہ ریختہ اردو گویان قدیم کی وضع پر کہتا ۔ یہ دو تین شعر اس کے مرّ دست یاد تھے :

جو مے رہی نہ ، تو شیشہ جھکا کے ساقی نے
کہا یہ رندوں سے لیجے سلام شیشے کا

مہ کر نہ سکا سامنے منھ اس کے تو ہر گز
اب ہم سے ہوا چاہے ہے گھٹ گھٹ کے برابر

عادت سے اپنے ہاتھوں کے ہم کو نہیں امید
لپٹے رہیں نماز تلک بھی کفن میں ہم

غمگین

غمگین تخلص ، میر عبداللہ پسر میر حسین تسکین غفراللہ لہما ، جوان خوش رو ، نیک خصائل ، پسندیدہ اطوار ، برگزیدہ شعار تھا ۔ حیا آئینۂ پیشانی میں اس طرح جلوہ‌گر تھی

جیسے گوہر میں آب ، شوخی آنکھوں میں اس طرح گنج نشیں جیسے آنکھوں میں شراب ۔ قامت دیوان سعادت کا مصرعہ ، دل گلبن مروت کا غنچہ ۔ سخن کو اس کی طبع سے ایسی مناسبت جیسے گویائی کو نرگس خوباں سے ، موزونی کو اس کی ذات سے ایسا تعلق جیسے رعنائی کو قامت محبوباں سے ۔ ہر چند سرمایۂ علمی سے چنداں بہرہ نہیں تھا ، لیکن استعداد ذاتی اور موزونیٔ فطری سے سخن میں رنگینی اور دل ربائی کا یوں ہجوم تھا جیسے ہنگامے میں تماشائیوں کا ۔ اتفاقات قضا و قدر سے خاک شاہ جہاں آباد سے دل برداشتہ ہو کر رام پور میں اپنے پدر مشفق کے پاس چلا گیا ۔ چند روز اقامت کو ہوئے تھے کہ فلک بے مہر نے ایسے گلبن نو شگفتہ کو نہ چاہا کہ ہر کسی کی نظر میں جلوہ گر رہے ۔ عین ہنگامۂ نشو و نما میں اس نونہال گلشن عمر کو گل زمین دنیا سے روضۂ خلد میں لےگیا ۔ حال اس داغ جگرسوز کا امکان تقریر سے خارج ہے ۔ دیدۂ احباب کی کیا محرومی ہے کہ ایسے جمال یوسف تمثال کے نظارے سے بے نصیب رہے اور خاک شور کی کیا قسمت ہے کہ ایسے شمشاد چمن زار خوبی کو یوں آغوش میں لے :

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

یہ شعر اس نسخۂ کمال کے بطریق یادگار لکھے جاتے ہیں کہ اگر آنکھیں اس معنیٔ نایاب کی رنگینی سے بہرہ ور نہ ہوں ، یارے گوش ہی اس کے صریر قلم سے آشنا رہے :

شور بختی نے مزا زور چکھایا دل کو
نالہ سو زخم جگر پر نمک افشاں نکلا

حشر میں فریاد کیا کرتا مجھے یاد آ گیا
قہر آلودہ نگہ سے دیکھنا جلاد کا

وہ خبر ہی جاں‌گزا تھی جس کو سن کر مر گیا
ورنہ اک تیشے سے ہوتا کام کیا فرہاد کا

امت نوح پہ طوفان ہی آیا یارو
شکر یہ ہے کہ مرا دیدۂ خوں بار نہ تھا

ہر چند رشک ہے پہ بنی اب تو جان پر
تو ہی صبا الٹ کہیں گوشہ نقاب کا

آتے ذرا نہ اور تو مر ہی چلے تھے ہم
تم نے یہ کہہ دیا کہ ہمیں کچھ خبر نہیں

عدو سے کیوں ہنسے تم جو اٹھایا اس نے طوفاں کو
بہانہ ہو گیا رونے کا میری چشم گریاں کو

کمی کریں جگر و دل تو کیا کروں یا رب
کچھ اور دے مجھے مژگاں خوں فشاں کے لیے

اب آ یوں ہی مرے سینے سے لگ جا
گرہ وا ہو چکی بند قبا کی

میں دیکھوں دل سے باقی کیا[1] رہا گر
لہو تھم جائے چشم خوں فشاں سے

چاہیے تھا کوئی مرنے کا بہانہ دل کو
تم چلے روٹھ کے اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

کی مری مٹی عزیزوں نے خراب
ہائے لا کر خانۂ خمار سے

---

۱ - نسخۂ اول ۱۲۷۱ھ (ص ۳۹۰) ''غلط کر، رہا'' نسخہ نول کشور (ص ۳۸۲) ''غلط کر'' دونوں غلط ۔ نسخہ اول میں لفظ 'غلط' کی جگہ ''رہا'' بنایا ہے، کاتب نے لفظ 'غلط' لکھ کر ''رہا'' بعد میں بڑھا دیا ۔ (مرتب)

بابُ الفاء

فاخر

فاخر تخلص ، شیر بیشۂ مردانگی ، فارس مضمار فرزانگی ، تہور پناہ ، شجاعت دست گاہ ، زبدۂ ارباب فہم و ذکا ، مرزا چھنگا ، قوم مغل ۔ نجابت کو اس کی ذات سے افتخار اور شرافت کو اس کی صفات سے اعتبار ۔ مروت کو اس کی طبیعت کے ساتھ ایسا ارتباط جس طرح موج کو دریا سے ، اور حیا کو اس کی پیشانی سے ایسا اختلاط جیسے آب کو آئینہ مصفا سے ۔ حلم کے اثر سے حرف درشت اس کی زبان پر ملایم ، استقامت کی تاثیر سے نقش اس کے قدم کا صفحۂ آب پر قائم ۔ سخن کے ساتھ مناسبت طبعی اور موزونی کی طرف التفات جبلی ہے ۔ سرو اس کے قلم کی مشابہت سے موزونی کے ساتھ منسوب ، صبا اس کے انفاس کی مناسبت سے خاطر گل میں محبوب ۔ سطر اس کے سخن کی کیفیت معنی سے موج مل ، دوائر اس کے حروف کے رنگینیٔ مضمون سے غنچۂ گل ۔ علم سے بقدر ضرورت سرمایہ فراہم رکھتا ہے اور ایسے صفات حمیدہ کی بیش مائگی پر جنس غرور کم رکھتا ہے ۔ کمال صداقت سے راقم کے ساتھ رقم اور الفاظ کی طرح وفاق اور حروف و نقش کے مانند اتفاق ہے ۔ میں اس کے سلوک برادرانہ سے سپاس دار اور اس کی محبت تہ‌دلی کا شکر گزار رہتا ہوں ۔ اس جگہ چند

شعر اس کے طبع زاد لکھ کر سامعان سخن سنج کو مسرور کرتا ہوں :

لب ہی تک آ کے پھر گیا نالہ
ورنہ کیا جانے کیا سے کیا ہوتا

میری گردش سے سب کو ہوتا فیض
میں اگر سنگ آسیا ہوتا

دشت الفت میں خضر کا کیا کام
کوئی دیوانہ رہ نما ہوتا

اب شکایت سے فائدہ فاخر
دیکھ کر تم نے دل دیا ہوتا

کس سبزہ رنگ کا ہے تعشق کہ زخم پر
جو کچھ رکھا وہ مرہم زنگار ہو گیا

تھا دل میں بوسہ سوتے میں لیجے پہ کیا کہیں
سوئے نصیب یہ کہ وہ بیدار ہو گیا

تیرے کوچے میں آن بیٹھے ہیں
ہم نے بھی ڈھونڈ اک مقام لیا

پاس بد نامی تھا کس پردہ نشیں کا کہ مدام
اپنا آزار چھپاتا ہی یہ بیمار رہا

آگ میں کوئی کسی کی نہیں پڑتا سچ ہے
دور تجھ سے اثر اے آہ شرر بار رہا

منہ چھپایا نہ کبھی اس نے پہ موسیٰ کی طرح
غش ہمارا ہی نقاب رخ دل دار رہا

آغوش میں ہے اور یاں جرأت نہیں ادب سے
اس اختیار پر کیا بے اختیار ہیں ہم

جنت ملی ہے اجر محبت میں پر ہے خوف
جوں کوے یار یاں بھی کہیں آسماں نہ ہو

واعظ کے منھ سے کس کو گوارا ہو طعن وطنز
گر اس سخن میں حرف بت دلستاں نہ ہو

ہے پاے بدگمانی بھی کتنا رسا کہ وہ
پہنچے ہے واں جہاں کا کسی کو گماں نہ ہو

ایسا جلا کہ خاک بھی باقی نہ کچھ رہے
اے سوز عشق سعی تری رائگاں نہ ہو

اس گرد میں ہے پیرہن یار کی سی بو
اے شوق دیکھ مصر کا یہ کارواں نہ ہو

آ جاؤ تم وگرنہ تھمے گا نہ مجھ سے دل
جاتی رہی ہے بات مرے اختیار سے

کس کی ہیں غمازیاں یا رب کہ اس نے راز دل
شب کو پوشیدہ کہا اور صبح دس میں شور ہے

خم کے خم پی تو چکا ہوں پہ یہ کہتی ہے ہوس
کہ نہ رہ جائے سبو میں کوئی قطرہ باقی

نہ کھلا غنچۂ دل باغ جہاں میں فاخر
رہ گیا ایک صبا سے بھی یہ عقدہ باقی

فایز

فائز تخلص ہے ایک شخص کا ساکنان کول سے ،
وطن و ماوا اس کے بزرگان والا تبار کا سبزوار اور اس کے
پدر بزرگ وار کا نام نظام الدین ہے ۔ مرد خوش خلق ،
نیک نہاد ہے ، سن چوبیس سے متجاوز نہیں ۔ یہ اشعار اس کے
افکار سے ہیں :

کیا خطر ہے تابش خورشید محشر سے مجھے
آہ سوزاں کا دھواں اک سائباں ہو جائے گا

حضرت فایز نہ سمجھے ہم بہت کہتے رہے
دوستی[1] ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

خیر ہے فایز کہو تو کیا ہوا کیا حال ہے
کو بہ کو کس واسطے پھرتے ہو دیوانے سے آج

فایق

فائق تخلص ، مرزا عبدالقادر بیگ ابن مرزا احمد بیگ
ابن مرزا مہدی بیگ ، قوم مغل ، اصفہانی الاصل ہے ۔ سکونت
قدیم سے حویلی اعظم خاں میں صورت پزیر ہے کہ وہ بالفعل
ایک محلہ ہے محلات شاہجہاں آباد سے ، آبادی میں بے مثل
و نظیر ۔ مدت سے زمرۂ سواران سرکار نواب بہادر جنگ خاں

---

۱ - مرزا غالب کا مشہور مقطع ملاحظہ فرمائیے :
فائدہ کیا سوچ آخر تو بھی دانا ہے اسد
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائے گا

بہادر والئ بہادر گڑھ میں منسلک ہے ۔ باوجود عمر سی سالہ کے کہ عین ایام شباب ہے ، حلم اور بردباری و اخلاق حمیدہ پیران صد سالہ سے زیادہ اور صفحۂ خاطر نقش رعونت سے سادہ ہے ۔ یہ دو شعر اس کے سنے گئے :

فائق عبث ہے تجھ کو شکایت سپہر سے
کون اس کے دور میں نہیں اندوہ گیں رہا

پینا ہے مے جو محفل رنداں میں تو پیے
ہم بن اگر پیے تو ہمارا لہو پیے

فخر

فخر تخلص ، محمد فخرالدین خان متوطن شاہجہان پور ، ارباب اعتبار اور صاحبان اقتدار میں محسوب اور حسن اخلاق اور عموم وفاق سے طبائع احباب میں مرغوب ہے ۔ شیرینئ سخن کو نمک ظرافت سے ترکیب دے کر مذاق ارباب وفاق کو لذت تازہ بخشی ہے ۔ موزونئ کلام طبعی اور ذوق سخن جبلی ہے ۔ یہ دو شعر اس کے ہیں :

ہم سے کچھ اور ہی ہے دل میں کدورت تجھ کو
یوں تو کہنے کو تو اے شوخ کسی کا نہ ہوا

بے خودی[1] سے ہے غرض کون ہے مے کا طالب
چشم ساقی تو ہے گو ساغر صہبا نہ ہوا

۱ - مرزا غالب کا مشہور شعر ہے :
مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
اک گونہ بےخودی مجھے دن رات چاہیے

فخر

فخر تخلص ، جوان متین ، محمد فخرالدین ، کہین برادر محمد احسان اللہ مخیر تخلص ، ساکن شاھجہاں آباد اور بالفعل مہین برادر کے پاس میرٹھ میں مقیم ھے ۔ طبیعت رسا اور ذھن مستقیم ۔ اصلاح ریختہ اپنے برادر شفیق سے لیتا ھے ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ھیں :

کفر و دیں کو تہ و بالا رخ و کاکل نے کیا
پیچ سے ان کے نہ کافر نہ مسلماں نکلا

یہ دل ناداں کہ نازاں اپنی ھشیاری پہ تھا
پھنس گیا جنجال میں زلف چلیپا دیکھ کر

اک اسی کے جلوے سے محروم ھیں ھم ورنہ فخر
اس تماشا گہ سے جائیں گے کیا کیا دیکھ کر

فدا

فدا تخلص ، مرزا بلند بخت ، ابن مرزا مکرم بخت بہادر دام اقبالہ ۔ بزرگ برادر حقیقی اس راقم آثم کے اور تلمیذ با تمیز جناب فیض مآب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی مدظلہم کے ھیں ۔ سخن فہم ، نیک نہاد ، متانت ان کی وضع کی خانہ زاد ۔ یہ چند شعر ان کے ثمرات طبع سے انتخاب ھوئے :

حشر میں پرسش مری پہلے ھو یارب ورنہ میں
جب تلک چپکا رھوں گا جی مرا گھبرائے گا

خاک ہو جائے گا جل کر اک نہ اک دن دیکھنا
سوز پنہاں سے رہے گا دل سلامت کب تلک

مجھ سے مل جائے جو وہ غنچہ دہن آکے فدا
اپنے جامے میں وہ پھولوں کہ سما بھی نہ سکوں

جاں باز زمانے میں کوئی ہو وہ فدا سا
جو تیر کے پیکاں کو کلیجے سے لگا لے

فدا

فدا تخلص ، مرزا سکندر بخت ابن مرزا منور بخت خلف مرزا فیروز بخت ابن شاہ عالم بادشاہ انارالله برہانہ شاگرد مرزا پیارے رفعت تخلص - یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے ہیں :

مجھ ناتواں کو سانس بھی لینا محال ہے
پہنچے گی خاک میری دعا آسماں تلک

نہ آیا کوچۂ قاتل سے پھر کر
الٰہی ہو گیا کیا نامہ بر کو

فلک بہتا پھرے گا بلبلہ سا
نچوڑا میں نے گر دامان تر کو

تمھیں آؤ تو آؤ ورنہ ہم تو
اٹھا سکتے نہیں بالیں سے سر کو

فراسو

فراسو تخلص ، فراسو صاحب ، قوم انگریز ، بیگم شمرو کا متبنٰی - آزادانہ زیست کرتا تھا - یہ شعر اس کا ہے :

قمری کے مانند وہ پہنے محبت کا طوق
باغ[1] میں گر قد ترا سرو کو دکھلائیے

فراق

فراق تخلص ، جالینوس فطرت ، طبیب بقراط فطنت ،
خادم فقرائے باب اللہ ، مخدوم کملائے دانش دستگاہ ، متکیٔ
ارائک قصور جناں ، حکیم ثناء اللہ خاں تغمدہ اللہ بغفرانہ
واسکنہ بحبوحۃ جنانہ ۔ اس بزرگ نہاد کو ارباب فہم درست و
اصحاب عقل سلیم نے ثقات شعرا اور اساتذۂ فن سے قرار دیا
ہے ۔ حق یہ ہے کہ سخن کو طرز نو بخشی اور معنی کو
بلندیٔ تازہ عطا کی ۔ شعرائے نامی کے ساتھ ہمیشہ مطارحہ
کرتا اور صحبت شعر میں ارباب علم کا مشارالیہ اور اہل
کمال کا ممدوح رہا ۔ سخن وری تو اس تقدس نہاد کا ادنیٰ
وصف ہے ۔ دقائق علوم اور غوامض فہوم اس جناب کے
دقت فہم سے ایسی کشایش پاتے جیسے غنچہ نسیم راحت انگیز
سے اور عقدۂ مالاینحل اس حلال مشکلات سے اس طرح حل
ہوتا جیسے ارزیز[2] اتش تیز سے ۔ صاحب دیوان اور انواع
سخن پر قادر اور اصناف کلام پر مقتدر تھے ۔ اخیر عمر میں
ترک سخن سنجی فرما کر سال میں ایک بار سلام امام ہمام
حسین ابن علی علیہ التحیۃ و انشاد ریختۂ کلک جواہر سلک
کرتے اور اپنی شاعری کو صرف اس نظم سعادت مضمون

---

۱ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ ھ میں یہ مصرعہ اس طرح ہے :
باغ میں گر وہ صنم سرو کو دکھلائے قد
۲ - رانگ ، قلعی -

میں منحصر کیا تھا ۔ یہ اوصاف ظاہری ہیں کہ زبان خامہ ان سے آشنا ہوئی ؛ اگر باعتبار صفائی عقیدت اور کمالات باطنی اور رقت قلب اور دل داری آشنا و بیگانہ اور اجرائے کار مردم اور اعلائے کلمۃالحق کے زمرۂ اولیاء و اصفیا میں شمار کریں تو عجب نہیں ۔ دیوان بلاغت عنوان سے یہ شعر منتخب ہوئے :

جو کچھ کہ دیکھنا منھ پر ہے صاف کہہ دینا
فراق بندہ ہوں آئینے کی صفائی کا

بہ رنگ آئنہ رہتا ہوں روز و شب حیراں
خدا ہی جانے کہ ہوں محو کس کی صورت کا

جہاں نظر کی ہر اک نوک خار ہے پر خوں
یہ کون دشت میں ایسا برہنہ پا گزرا

جوں ریگ رواں خاک نشیں ہوں میں ازل سے
نے قصد وطن کا نہ ارادہ ہے سفر کا

بعد مرنے کے بھی اک گردش رہی ہم کو مدام
مشت خاک اپنی رہی تھی کچھ تو پیمانہ بنا

دل تھامتا کہ چشم پہ کرتا تری نگاہ
ساغر کو دیکھتا کہ میں شیشہ سنبھالتا

چمن کی سیر کو آ جاتے ہیں کبھو گلچیں
دماغ کس کو ہے یاں آشیاں بنانے کا

یہ غم ہے ساغر و مینا مجھے کہ میرے بعد
ذرا بھی تم کو کوئی منھ نہیں لگانے کا

مت آنکھ لڑا اس سے فراق اب بھی کہا مان
کہتا ہوں تجھے میں مجھے الزام نہ دینا

زلفوں کا بہ با ھی رہے جس کو سدا یاد
پھر ہم سے غریبوں کو کرے اُس کی بلا یاد

تھا دل میں کچھ کہوں گا پہ جاتے ھی روبرو
میری زبان ہو گئی بے اختیار بند

کس زلف کا شیدا ہے مرا دل نہیں معلوم
کس چشم کا زخمی ہے یہ بسمل نہیں معلوم

یہ دل ھی ہے ہمارا جو اس کے ہو مقابل
منہ دیکھو آئنے کا جو اس کے روبرو ہو

کبھو تو زلف میں لے جائے ہے کبھو خط میں
پھرے ہے ساتھ لیے دل کہاں کہاں مجھ کو

ٹھوکر کے سوا چلتے نہیں، اُن کی بلا سے
پامال کوئی شخص ہو، برباد ہو کوئی

گل رو تو کسی طرح نہیں ہوتے ہیں اپنے
کاہے کو فراق ان کے لیے خوار ہو کوئی

آنکھوں میں کھب رہا ہے اے سرو ناز اب تک
دامن اُٹھا کے چلنا تیرا نزاکتوں سے

فراق

فراق تخلص، میر حیات اللہ، ساکن گلاوٹھی - نوجوان
صالح، خوش مزاج - تقریب طالب علمی سے وارد دھلی

ور شب و روز تحصیل کمال میں مصروف ـ یہ دو تین شعر اس کے نتائجِ افکار سے پیش نظر تھے ، سو درج تذکرہ ہوئے :

مصحف رخ کی ترے یاد ہمیں رہتی ہے
کیا عجب ہے جو کہیں حافظ قرآں ہم کو

جاں بھی باقی نہیں کیا کیجیے اب ان پہ نثار
مرتے دم آکے کیا اور پشیماں ہم کو

باغ جنت کی بھی خواہش نہ کریں ہم تو فراق
ہاتھ آجائے اگر کوچۂ جاناں ہم کو

فرحت

فرحت تخلص ، محمود علی خاں ، خلف جناب مستطاب حکیم نصراللہ خاں وصال تخلص ـ نوجوان خوش اسلوب اور وجاہت ظاہری سے بہرہ مند ، تحصیل علم کی طرف متوجہ ـ گاہ گاہ فکر شعر بھی خاطر مشتغل کا دامن گیر ہوتا ہے ـ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں :

کثرت لاغری سے اے ہم دم
ہو گیا ہوں میں تار بستر کا

اس نے تو نامہ بر کو کیا قتل، اور مجھے
ہر لحظہ انتظار ہے خط کے جواب کا

میں نے ہی بزم غیر میں کی شب کو مے کشی
میری ہی آنکھوں میں تو نشہ ہے شراب کا

لے جلد تو خبر کہ کچھ اب شام سے ہی آج
ہے حال بے طرح ترے خانہ خراب کا

مدت سے وہ تو بندۂ فرماں ہے آپ
فرحت سے کیا سبب ہے کہو اجتناب کا

عاشق تو سبھی ہوتے ہیں دنیا میں عزیزو
پر میری طرح سے کوئی رسوا نہیں ہوتا

فرحت

فرحت تخلص ، بشن پرشاد ، قوم کائیتھ ، ساکن شاہجہان آباد ، خلف گوبند پرشاد ، نبیرۂ راجہ کنول نین ، شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر ۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا :

یارو[1] جب تک جواب خط آئے
اور دو چار خط لکھو بیٹھے

فرحت

فرحت تخلص ، شیخ حسین علی، شاگرد مرزا نیاز علی بیگ ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

جب سے دیکھا ہے قد بالاے یار
سرو کو خاطر میں کب لاتے ہیں ہم

---

۱ ۔ مرزا غالب کا شعر ملاحظہ فرمائیے :
قاصد کے آتے آتے خط اک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

فروغ

فروغ تخلص ، نونہال حدیقۂ سعادت ، نوباوۂ باغ اہلیت ، قرۂ باصرۂ بخت مندی ، غرۂ ناصیۂ ارجمندی ، راحت جاں ، سرور جناں ، محمد عمر سلطان ، فرزند دل بند راقم صابر آثم۔ ہنوز سن اس نونہال کا بارہ تیرہ سے زیادہ نہیں ہوا اور مرحلۂ تحصیل فارسی میں اب تک نو قدم ہے لیکن زیادہ بخشیٔ واہب بے منت اور گراں عطائیٔ منعام بے ضنت نے ذہن براق اور طبع رسا اور فکر عالی عطا کیا ہے ۔ جناب مستطاب مولانا و مخدومنا حضرت صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ نے جب اس کی طبیعت کا یہ حال دیکھا ، فرمایا کہ سخن آفریں نے اس کے گنجینۂ طبیعت کے واسطے بسا جواہر نفیسہ خزانۂ تحت العرش میں ودیعت رکھے ہیں ۔ اگر موانع خارجی سے درِ گنجینہ مقفل نہ ہو جاوے تو خزانہائے نا متناہی جو اس کے واسطے امانت ہیں ، اس گنجینے میں نقل اور تحویل پائیں اور یہ فرما کر اس کی تعلیم اپنی شفقت اور مرحمت کے ذمے پر لی ۔ باوجودیکہ اب تک کچھ موزوں نہیں کیا ، صرف حضرت ممدوح کی تربیت کے فیض اور طبیعت خدا داد کی رہ نمائی سے طبیعت ایسی رواں ہو گئی ہے کہ بے اعانت غیر موزوں کرنا کیا بلکہ معانیٔ بلند اور تشبیہات تازہ اور خیالات دور کا سر انجام اس کے قلم کی انگشت کہین کے اختیار اور اس کے خامۂ جادو نگار کے ناخنوں میں ہے ۔ اللہ تعالیٰ یمن انفاس متبرکہ اور الطاف شاملۂ جناب ممدوح سے کمال استعداد کو پہنچائے اور عمر طبعی عطا فرمائے ۔ اس کے طرز سخن سے کوتاہ بینان روزگار اور ناقص فطرتان زمانہ

کہ نہ مبداء فیاض کے بخل سے کہ اس جناب مقدس میں بخل کا شائبہ کہاں ہے ، بلکہ اپنے ظرف کی تنگی سے موائد نعمت خانۂ قدسی سے محروم ہیں ، بمقتضاے اس کے کہ المرء یقیس علٰی نفسہ ، یعنی آدمی اپنے اوپر قیاس کرتا ہے اس برق لامع کے جولان پر نارسائی نقش پا کی تہمت باندھ کر کہتے ہیں کہ یہ اشعار اور یہ عمر ، یہ فکر بلند اور یہ استعداد کیوں کر باور کیا جائے ۔ اللہ تعالٰی ان ناتواں بینوں کی بد گمانی کو اس کے جمال معنوی کے واسطے سپند اور اس کے کمند فکر کو رسا اور کنگرۂ ایوان طبع کو بلند کر دے ۔ یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے لکھتا ہوں :

دیا ہو جھوٹ ہی گو نامہ‌بر نے مژدۂ وصل
پر اس کے کہنے سے دل کو تو اک قرار آیا

کیا ہو آپ نے گو سچ ہی وعدہ آنے کا
یہ سوچیے تو کہ مجھ کو کب اعتبار آیا

فروغ چھا گئی آنکھوں میں اک تجلیٔ طور
سحر نقاب اٹھا کر جو وہ نگار آیا

تھا میں تو ز خود رفتہ اسے دیکھتا کیوں کر
بے پردگیوں پر بھی وہ یاں پردہ نشیں تھا

دل لیا جان بھی لی اور وہ میرا نہ ہوا
رنج اس شوخ سے مل کر مجھے کیا کیا نہ ہوا

سوز دل کا نہ بجھا ہائے مرا گرچہ فروغ
کب میں رویا کہ رواں چشم سے دریا نہ ہوا

دیکھیے خط کا کیا جواب آئے
واں گیا تو ہے نامہ بر اپنا

دل تو ہم دیں نہ اس ستم گر کو
وہ بھی سمجھے اسے اگر اپنا

ہم سے تو کچھ کہا کر دل دل میں مت گھٹا کر
آخر فروغ تیرے مدت کے یار ہیں ہم

رنج دینے لگی وفا دل کو
اپنے انداز تو سکھا دل کو

کیوں نہ ہر دم گرے وہ برق نگاہ
اس نے سمجھا ہے آئنہ دل کو

ایک الجھاؤ اس کی زلفوں کا
سو بلا کا ہے سامنا دل کو

دل تو نہیں دیا ہے کچھ تو کہو فروغ اب
ہے ربط ان دنوں میں کیوں نالہ و فغاں سے

کوئی مر جائے درد فرقت سے
تم تو بیٹھے رہو فراغت سے

کبھی بوسہ "نہیں" بغیر نہ دے
ہے وہ ناچار اپنی عادت سے

لے کے آتے ہو ساتھ غیروں کو
باز آیا میں اس عنایت سے

چرخ دیکھیں رلائے گا کب تک
آج کی شب کٹی ہے عشرت سے

کیوں کہ اندھیر زمانے میں نہ ہو اس نے فروغ
کوئی رکھا نہ مرے نام کا زندا باقی

فروغ

فروغ تخلص ، عمدۂ اراکین دولت ، زبدۂ عائد حشمت ، زیب وسادۂ تفاخر ، خواجہ نور الدین خاں بہادر معروف بہ ''سانولے صاحب''، کہین برادر نواب انور الدولہ شفق تخلص کہ شہر کالی اس کے قدم بہار توام کے فیض سے رشک گلزار نعیم اور اس نواح کی سموم اس کے انفاس کرامت اقتباس کے اعجاز سے غیرت باد نسیم ہے ۔ سخن اگر رنگ گل رکھتا ہے اور اگر کیفیت مل ، اسی کی طبیعت کی تاثیر اور اسی کے لب و دہان سے فیض پذیر ہے ۔ حریفان مدعی کا سخن اس کے کلام کے رو بہ رو حرف پا در ہوا اور دعوے داران کمال کا کلام اس کے سخن کے سامنے بے جا ۔ چند شعر اس یکہ تاز ہنر کے نظر احباب میں جلوہ گری کرتے ہیں :

نہیں ملتی سرے سے میرے دل کو ایک دم فرصت
الم پروانے کا شب کو ، سحر شمع شبستاں کا

روے روشن کے تصور میں جو غش آیا مجھے
آنکھ میں بدلے اندھیرے کے اجالا ہو گیا

دام خط میں غل اسیروں نے کیا فریاد کا
بولتا ہے آج کل طوطی مرے صیاد کا

گیا افلاس لیکن پستیٔ طالع نہیں جاتی
دیا حصہ فلک نے مجھ کو قاروں کے خزانے کا

نہ ظالم نفع پائے مال سے ہرگز فروغ اپنے
ہوئی ہے موم سے کب روشنی زنبور خانے میں

قید ہستی میں پھنسے یاد وطن بھول گئے
دام ہم کو یہ خوش آیا کہ چمن بھول گئے

خیال غیر سے ہم راہ جاناں
تصور میں بھی تنہائی کہاں ہے

فسوں

فسوں تخلص ، شاہ زادۂ والا قدر بلند اقتدار ، عمدۂ سلاطین ذوی الاعتبار ، بلند پایۂ بارگاہ جلال ، گراں مایۂ گنجینۂ کمال ، فرازندۂ لوائے ہنروری ، فروزندۂ چراغ معنی پروری ، شناسائے کملائے نزدیک و دور ، دانائے حقائق امور ؛ مشہور فی الاطراف والاکناف ، مرزا منجھلے مستغنی عن المدائح والاوصاف ، خلف مرزا کریم بخش مرحوم ، نواسۂ حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی ادام اللہ سلطنتہ ، برادر عم زادۂ راقم آثم ۔ بیت اس کی قدر دانی سے سہات خانۂ معانیٔ دور ، شعر اس کی گراں مایگی سے جواہر گنجینۂ قدس سے معمور ، شاھدان محفل اسرار اس کے ضمیر کی راہ سے بزم صفحہ میں ایسے جلد پہنچتے ہیں جیسے آفتاب سے انوار ۔ غزل میں برجستگیٔ معنی سے شوخی غزال ، ابیات میں طراوت الفاظ سے سرسبزیٔ نہال ۔ ہر چند شعر میں الفاظ متین ہوں اس کی فکر رسا کے اثر سے گوش سامع میں صدا سے پیشتر پہنچتا ہے ۔ مضمون کیسا ہی سست ہو ، اس کی شوخیٔ اشارات کی تقریب سے بزم قبول میں معانیٔ غریب سے زیادہ تمکن پاتا ہے ۔ یہ چند شعر اس صاحب اعتبار کے نتائجٔ افکار سے ہیں :

رلاتے نہ تم گھر عدو کا نہ بہتا
اٹھایا ہوا ہے یہ طوفاں تمہارا

کیوں دوست اٹھا لائے مجھے کوچے سے اس کے
گو جاں پہ ستم تھا مگر آرام وہیں تھا

واں ظلم اٹھاتے تھے یہاں قبر کے صدمے
ہے زیر زمیں وہ ہی جو بالائے زمیں تھا

لیے آتا ہے نمک سے وہ نمک داں لبریز
اے لب زخم تو اپنی بھی تمنا دکھلا

جدھر کو جاتے ہیں بہتان ہم پہ اٹھتے ہیں
قدم نکالنا گھر سے ہمیں عذاب ہوا

دیکھ کر محراب ابروے صنم کو اے فسوں
خود بہ خود زاہد کا بہر سجدہ سر خم ہو گیا

لے گیا کون مرے صبر و تحمل دل سے
آج بے تاب جو پھرتا ہوں میں گھر سے نکلا

آرزو فریاد کی اور حشر میں عرصہ بہت
دیکھیے کس دن ٹلے چھاتی سے پتھر گور کا

آرزو نکلی نہ جاں دے کر بھی اے عیسیٰ نفس
ہم سنا کرتے تھے آوازہ ترے اعجاز کا

رکھا دل کی جا ہم نے پیکاں تمہارا
یہ مہماں ہمارا وہ مہماں تمہارا

مرض عشق سے جاں بر نہ ہوا ہائے فسوں
مفت بے چارہ مصیبت میں گرفتار رہا

اچھا ہوا کہ حشر کے ہنگامے سے بچے
ہونا تھا جو یہیں دم رفتار ہو گیا

فسون نازاورآٹھاؤ دم لبوں پر آن پہنچا ہے
گھڑی بھر کے لیے اپنا کیا سارا مٹاتے ہو

بس ہو چکی اے ناخن غم سینہ خراشی
اب جان فسون کی دل نالاں میں نہیں ہے

اللہ رے گرمی کہ رقم ہو نہیں سکتی
کاتب سے حقیقت بھی مرے سوز جگر کی

ہزار ہل نہیں سکتے پر اس کے کوچے تک
پہنچ ہی جائیں اگر شوق رہنما ہو جائے

فصاد

فصاد تخلص ہے ایک حجام ببو[۱] نام کا کہ شاہ نصیر کے فیض صحبت سے اس کی طبیعت نے فی الجملہ موزونی بہم پہنچائی تھی - نہایت ظریف ، خوش طبع ، کشادہ رو ، نیک خو تھا - شاید شعرگوئی سے غرض یہ تھی کہ مو تراشی کے ساتھ مو شگافی کو جمع کرے - جو کہ اس کے اشعار تذکرے میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، صرف ایک شعر پر کفایت کرتا ہوں :

بادے کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی
مے خون جگر، آبلہ ہے جام ہمارا

---

۱ - نسخۂ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳۹۰) 'نبو' -

فضل

فضل تخلص ، فضل الرحمان ولد شیخ حامد علی ابن قاضی احمد مرحوم ساکن قصبه مہم ضلع رھتک ، صوبه دارالخلافه شاھجہاں آباد ۔ پانسو برس کا عرصه ھوا که بزرگان والا نژاد اس نیک نہاد کے یمن سے وارد ھند ھو کر قصبۂ مذکور میں متوطن ھوئے ۔ فن شعر میں اول اپنے برادر زادہ محمد رفیع الدین نام سے استفادہ کرتا تھا ، اب محمد حیات خاں حیات تخلص سے مشورہ کرتا ھے ۔ یه شعر اس کا مسموع ھوا :

حاجت دام نہیں عاشق بے دل کے لیے
گیسوے یار ھی کافی ھے سلاسل کے لیے

فغاں

فغاں تخلص ، لال جی پرشاد پنڈت ۔ جوان وجیه ، حلیم مزاج ، ظاھر اس کا ارباب صفا کے باطن سے آراسته تر اور باطن اس کا آئینه رویوں کے ظاھر سے پیراسته تر ، زبان دل کی ترجمان اور دل سلطان خرد کا طابع فرمان ، کمال ذکا مثل ستارۂ اقبال کے پیشانی سے روشن اور جمال سعادت مانند فروغ خرد کے چہرے سے مبرھن ۔ تحصیل علم فارسی یک قلم فذلک دفتر دانائی فرازندۂ لواے یکتائی استادی مولوی امام بخش صہبائی سلمه الله تعالی کی خدمت میں کی ۔ رسائی فکر مضامین دور سے نزدیک ، شوخیٔ طبع نکات کے ساتھ چستگی میں شریک ۔ یه چند شعر اس کے افکار آبدار سے منتخب ھو کر مرقوم ھوئے :

آن که بر بے خودیم طعنۂ بے جا می کرد
نشۂ حسن ترا کاش تماشا می کرد

کاش از بہر مساوات من و خصم فلک
قہر یا لطف ترا عام بہر جا می کرد

بیم تکلیف مداوائے دلم داشت لبت
چشم بیمار ترا ورنہ مداوا می کرد

علاج درد دل از دلربا نمی آید
وفا نشاید و غیر از جفا نمی آید

بر رخ تابان خویش زلف معنبر شکن
زاہد صد سالہ را خار بہ بستر شکن

نامۂ مارا چو نیست رنگ تماشائے دوست
صر صر جان سوز خیز بال کبوتر شکن

غمزہ و ناز و ادا تشنۂ خونند و بس
در رگ جانم بیا این دوسہ نشتر شکن

توبۂ عشاق چیست مشغلۂ روز هجر
گر شب وصلے رسد از مئے احمر شکن

یار طلب می کند نقد دلت را نغاں
دل بدہ از دست یا خاطر دل بر شکن

فکری

فکری تخلص ، مرزا ممن ، نبیرۂ شاہ عالم بادشاہ مغفور ۔ صاحب طبع سلیم و ذہن مستقیم ہے ۔ طبیعت مضمون خیز اور

فکر معنی انگیز ہے - فارسی اور عربی میں فی‌الجملہ روشن سواد اور مسائل عروض و قوافی سے بقدر ما وجب یاد - طبیعت خدا داد کی مدد اور مبداء فیاض کی اعانت سے تازگیٔ معانی اور طراوت الفاظ اور شستگیٔ عبارت اور رفتگیٔ مقال اور پاکیٔ زبان اور فصاحت بیان کا ایک جا میں ہجوم ہے - یہ چند شعر اس کے انتخاب ہوئے:

جوں نکہت گل گردش تقدیر سے فکری
ہم خانہ بدوش آہ رہے اپنے وطن میں

میرے جاتے ہی کہا باہر چلو آتا ہوں میں
گھر سے اس پر فن نے ٹالا مجھ کو کس تدبیر سے

شاید اے قاصد یہ باتیں ہیں زبانی یار کی
جان سی آتی ہے کچھ مجھ میں تری تقریر سے

صاف آغوش کماں سے تیر جاتا ہے نکل
واقعی دیکھا تو ہے نفرت جواں کو پیر سے

مثل قلم اور کے میں ہاتھ ہوں
آپ نہیں چلنے کا یارا مجھے

ہم گنہ گاروں کی قسمت میں کہاں ہے ہر چند
کوچۂ یار میں جنت کی ہوا آتی ہے

فگار

فگار تخلص، سلالۂ دودمان سیادت، خلاصۂ خاندان شرافت، میر حسین مرحوم، شاگرد میر نظام‌الدین ممنون - فکر نہایت سلیم، طبیعت بغایت مستقیم - صحیح گوئی کی طرف

متوجه اور زبان کی شستگی کی جانب ملتفت - چند سال ہوئے کہ عالم باقی کی طرف راہی ہوا - یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں :

دیکھ آئنے کو اس نے کیا غصے سے ٹکڑے
یعنی مجھے کس واسطے مجھ سا نظر آیا

کرتا ہے غنچہ تیرے دہن کی برابری
شاید یہ اپنے بھول گیا ہے دہن کی بو

فوق

فوق تخلص ہے زبدۂ سادات کرام ، میر بادشاہ نام کا که سر کردۂ نیک طبعان روزگار سید احمد خان آہی تخلص صدر امین بجنور سلمہ اللہ تعالیٰ سے قرابت قریبہ اور ان کی نظر تربیت اور نگاہ عاطفت کے اثر سے قبول خاص اور پسندیدگیٔ عام کی شایستگی رکھتا ہے - جوان صالح و نیک نہاد اور خوش مزاج سراپا ابتہاج ہے - گاہ گاہ فکر شعر کا بھی اتفاق ہوتا ہے - یہ اشعار آبدار درر نثار اس کے ہیں :

فروغ روے جاناں نے یہ کی تاثیر آنکھوں میں
کہ مہر و مہ نظر آتے ہیں بے تنویر آنکھوں میں

نگاہ ناز سے اس کی نہ کیوں خوں ہوں ہزاروں کے
کہ رکھتا ہے وہ قاتل جوہر شمشیر آنکھوں میں

میں تو رہتا ہوں گریزاں ہی سدا اس سے[1] مگر
چھوڑتا کب ہے ترا طرۂ طرار مجھے

---

۱ - نسخۂ دہلی طبع ۱۲۷۱ھ میں ''سداد سی'' اور نسخہ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ میں ''بیداد سے'' ہے ، دونوں درست نہیں - (مرتب)

فیاض

فیاض تخلص، شیخ فیض الحسن ابن شیخ نظام الدین نظام تخلص، متوطن قصبہ ڈبھائی ضلع بلند شہر ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے منتخب ہوئے :

افسوں کا ہو عمل نہ عمل کا ہو کچھ اثر
میرا رقیب یار کا ہم زاد ہو گیا

صفت چشم وہ لکھوں کہ سبھی صاد کریں
شعر کو آنکھ پہ رکھ رکھ کے مجھے یاد کریں

اس میں ہے آپ کی جانب سے تقاضا ناحق
سر کے دینے میں کسے عذر ہے ہم دیتے ہیں

فیض

فیض تخلص، بحر مواج کمال، نہال مثمر فضل و افضال، بانیٔ بنائے دانش، حاکم محاکم بینش، مصدر مکارم اخلاق، اسوۂ اکابر آفاق، جامع معقول و منقول، حاویٔ فروع و اصول، زبان دان فارسی و تازی، اسرار فہم حقیقی و مجازی، مستجمع نوادر فن، مولوی فیض الحسن سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ ہر چند وطن اصلی اس مجمع مفاخر کا سہارن پور ہے لیکن حسن اتفاق سے ایک عرصہ ہوا کہ یہ گل زمین بہار آگیں قدوم بہجت لزوم کے اثر سے گل زار ارم پر افتخار اور جنت نعیم پر ناز کرتی ہے ۔ آوازۂ علم اس کی دانائی سے بلند اور پایۂ ہنر اس کے کمال سے ارجمند۔ قلم اس کی دست گیری سے اسرار لوح محفوظ کا خزینہ اور لوح اس کے قلم کی اعانت

سے سرائر غیب کا گنجینہ ۔ علوم غریبہ اور فنون عجیبہ خصوصاً علم ادب سیما انشاء خطب اور انشاد اشعار زبان عرب میں یگانہ اور ان فضائل میں یکتائے زمانہ ۔ فضل و کمال ایک جامہ ہے کہ خیاط ازل نے اس جزو زماں میں اسی گنجینہ دار جواہر قدس کے قامت استعداد پر قطع کیا ہے ۔ وہ شاہدان معنی کہ شبستان غیب میں نازک دماغان بلند خیال کے چہرۂ فکر پر کمال غرور سے نرگس چشم کو نیم باز نہ کرتے تھے ، اس کے صفحے کی بزم آرائی کی تقریب سے کسی وقت ان کی آمد و شد کی کثرت نے جادۂ قلم کو ہنگامے سے خالی نہیں رکھا ۔ باغ طبیعت کا ہر نہال شمشاد قامتان طوبیٰ سرشت کے جلوے سے دلربا تر اور گلزار فکر کا ہر برگ گل رویان لالہ رخسار کے چہرے سے خوش نما تر ۔ کاغذ اس کے سوز مضامین سے جل کر خاکستر ہو جاتا ہے لیکن وہ خاکستر کہ آئینۂ بصیرت کے لیے مایۂ جلا اور حرف حرف شوخیٔ معانی سے برق کا حکم رکھتا ہے ، مگر وہ برق کہ طبائع پژمردہ کے واسطے باعث نشو و نما ۔ کاغذ رنگ معنی سے برگ گل اور سطور کیفیت مضامین سے موج مل ۔ طراوت الفاظ سے بحر اشعار طوفان خیز اور لطافت معنی سے زبان قلم رگ ابر کے مانند گوہر ریز ۔ گل اگر اس کے مضامین سے رنگینی کا استعارہ نہ کرتا ، خاطر بلبل میں پسند نہ ہوتا اور سرو اگر اس کے مطلع کے ایک مصرع سے مشابہت بہم نہ پہنچاتا ، بلند نہ ہوتا ۔ ان کمالات پر حلم اور تواضع کا وفور اور ان فضایل پر عجب اور تکبر کے ننگ سے کوسوں دور ۔ لطف مروت اس کے اوضاع سے چہرہ کشا اور رنگ اخلاق اس کے اطوار سے جلوہ نما ۔ سنگ درشت اس کے لطف

کے اثر سے نرم اور طبائع سرد مہر اس کے اختلاط کے حرف سے گرم ۔ کون سی مروت اس سے زیادہ ہوگی کہ تہی دستان کمال کو گنجینۂ ہنر سے تونگر اور گرسنہ چشمان سخن کو خوان افاضہ سے حاتم کا ہم سر کر دیا ۔ ہر چند درس و تدریس کی کثرت اور طالبان کمال کی تربیت کا مشغلہ مانع ہے کہ فکر عرصۂ تلاش میں سبک جولاں اور قلم میدان صفحہ میں گرم عناں ہو سکے لیکن قائد تائید کی رہنمائی سے ان اشغال دائمی پر کثرت تصانیف کا وہ حال ہے کہ صندوق کدۂ خیال میں وہ مصنفات تو کیا بلکہ ان کی آسامی کی فہرست گنجائش پذیر نہیں ۔ ان میں سے شواہد تفسیر اور شواہد خمسہ اور تذکرۂ صحابہ رضی‌اللہ عنہم اور ایک مثنوی مسمٰی بہ ''روضۂ فیض'' اور دوسری نامی بہ ''چشمۂ فیض'' اس متانت عبارت اور جزالت معنی کے ساتھ اس یکہ تاز عرصۂ فصاحت کی زبان قلم سے زینت پذیر ہوئے ہیں کہ خامۂ انصاف اگر ان کی توصیف میں ایک حرف لکھے ، زبان عاشق کی طرح باوجود سیہ زبانی کے حرف مدعا پر لال ہو جائے ۔ اغلب اوقات قصائد عربی اور عبارات دل پذیر تازی اور اشعار فارسی اس کی زبان قلم سے آشنا ہوتے ہیں لیکن احیاناً احبائے صداقت کیش اور اخلاء موانست اندیش کی تکلیف سے لب نطق اشعار ریختہ پر بھی وا ہوا ہے ۔ اس مقام میں فارسی و ریختہ پر قناعت کر کے گوش شوق کو بہرہ اندوز کرتا ہوں تاکہ قند فارسی سے حاسدوں کا لب اعتراض بند ہو جائے اور نمک ہندی سے زخم جگر حال اعدا پر سر گرم ریش خند :

اشعار فارسی

علو مرتبه شد باعث رعونت نفس
خوشا دمے که بکوے تو نقش پا بودم

ملت عاشق رضاے خاطر جانان بود
کفر گو مرضیؑ او باشد به از ایمان بود

فیض خوش می باش و مے می نوش و شاهد می پرست
کاین چنین ها چون توئی آشفته را شایان بود

با خاطر چو غنچه نشستم بگوشۂ
وین جمله انبساط به گلشن گذاشتم

در قسمت کلیم بجز پرتوے نبود
از جمله آتشے که در ایمن گذاشتم

ریختہ

عجب کچھ طور تھا شب فیض کا کیا جانیے کیا تھا
کوئی وحشت سی وحشت تھی کوئی سودا سا سودا تھا

غنیمت ہے کہ بعد از مرگ عاشق اتنا کہتے ہو
برا تھا یا بھلا تھا خیر جیسا تھا وہ اپنا تھا

ہر روز برق کوندے ہے چاروں طرف مگر
اجڑا ہوا چمن میں کوئی آشیاں رہا

گر وہ سنتے نہیں پر ہم تو کسی حیلے سے
ایک دو بات محبت کی سنا جاتے ہیں

پکڑ کے ھاتھ اٹھاتے ھیں گر نہیں اٹھتے
یہ قدر ہے تری محفل میں ہم غریبوں کی

باب القاف

قابل

قابل تخلص ، شاہ زادۂ بلند قدر ، مرزا علی بخش۔ وارستہ مزاج و آزادہ منش ، طبع با وصف عمررسیدگی کے عیش دوست واقع ہوئی ہے ۔ فن سخن میں ذوق مرحوم سے استفادہ کیا ہے ۔ یہ اشعار اس کے ہیں :

یہ خار اور صحرا اور یہ برہنہ پائی
وحشت مری کرے گی کیا کیا خراب مجھ کو

لکھا تھا وہ ہی کہ جو تھا نصیب کا لکھا
بلا سے خط کا جواب اس نے کچھ لکھا تو سہی

ہو چکی توبہ ہم سے اے قابل
جب تلک عالم جوانی ہے

قادر

قادر تخلص ، میرزا قادر شکوہ ابن مرزا عباس شکوہ معروف بہ مرزا ببر ابن مرزا سکندر شکوہ معروف بہ

مرزا چھنگا، کہین برادر حضرت عرش آرام گاہ محمد اکبر شاہ بادشاہ نور اللہ مرقدہ۔ مرثیہ گوئی میں داد فصاحت دے کر حرف بلاغت کو کرسی پر بٹھایا اور اس فن کو ضمیر سے کہ مرثیہ گویان لکھنؤ سے ممتاز ہے، حاصل کیا۔ جب سے گل زمین لکھنؤ سے وارد نزہت آباد شاہجہاں آباد ہوئے ہیں، راقم آثم سے رابطہ مودت اور علاقہ محبت کو غایت تک پہنچایا۔ غزل گوئی کی طرف طبع صافی کو میلان اور اس عرصۂ ناپید کنار میں تلاش جولان ہے۔ جو کہ فکررسا اور اور طبیعت سلیم ہے، اس چمن کی نخل پیرائی و خیابان آرائی میں بھی ید طولٰی رکھتے ہیں۔ یہ چند شعر ان کے اشعار سے منتخب ہو کر مرقوم ہوئے:

دیکھتے دست درازی مری وحشت کی اگر
کچھ سلامت مرے جامے میں گریباں ہوتا

مرقد میں جو بے تاب تمہارا یہ حزیں تھا
اک شور قیامت سا بپا زیر زمیں تھا

ایسا میں سمجھتا تو نہ ملتا کبھی ناصح
دل مفت میں لے جائے گا یہ کس کو یقیں تھا

نوبت ہی نہ تلوار تلک پہنچی کہ ہم کو
خنجر سے زیادہ وہ خط چین جبیں تھا

کس کو تھی یاں رات ساقی مے کشی کی احتیاج
جو کہ تھا اس نرگس میگوں سے ہی سرشار تھا

دیکھ کر صحرائے وحشت میں مجھے ثابت قدم
پاؤں پڑ پڑ کر بٹھاتا دم بدم ہر خار تھا

مجھے بھی جذبۂ وحشت پہ ناز ہے کہ یہاں
کہاں کہاں نہ مرے واسطے پھرا صیاد

بہار آئی کہ بلبل پہ اک بلا آئی
چمن میں آنے لگا روز اک نیا صیاد

قاری

قاری تخلص ، قاری علی احمد ۔ نوجوان صالح اور برنائے سعادت سرشت ہے ۔ تجوید حروف میں پایۂ والا اور خوش آوازی میں مرتبۂ اعلیٰ رکھتا ہے ۔ گاہ گاہ شعر ریختہ کہتا ہے ۔ یہ دو شعر اس کے نتائجِ طبع سے ہیں :

چین ابرو نے خوب روک دیا
تھا میں کہنے کو مدعا اپنا

سچ بھی کہیے تو جھوٹ سمجھے ہے
کہیے کیا خاک ماجرا اپنا

قاسم

قاسم تخلص ، میر قاسم علی ولد میر طالب علی ، سادات بارھہ سے تھا ۔ مذھب تشیع سے دل گرفتہ ھو کر جناب غفران مآب مولوی محمد اسماعیل طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ کے دست حق پر توبہ اور راہ تسنن اختیار کی اور اسی حضرت کے ساتھ زمرۂ شہدا میں داخل ھوا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔ یہ دو شعر اس مسلمان پاک اعتقاد کے گوش زد ھوئے تھے سو لکھے جاتے ھیں :

تھی بات ہنسی کی پہ بنی جان پہ قاسم
اب اس کے نمک ریز ہوئے زخم نہاں پر

خوں سے مرے بھرتی نہیں اب تک تری پیکاں
کیا تیر میں تیرے پر پرواز نہیں ہے

قاسم

قاسم تخلص ، سید قاسم علی خاں ، نواسۂ عطا حسین خان صاحب نو طرز مرصع۔ ان کے خاندان عالی اور دودمان متعالی کے اوصاف خامۂ دو زباں کی مجال سے خارج ہیں۔ مجملاً سادات جیلانی اور اولاد ہادیٔ کونین غوث الثقلین ابو محمد سید عبدالقادر گیلانی سے ہے۔ سید محمد غوث جیلانی کہ حضرت غوث الثقلین کی نویں پشت میں تھے ، عرب سے ملک سندھ میں وارد ہوئے اور ظہیر الدین بابر بادشاہ نے فرط عقیدت سے پچاس ہزار بیگھہ زمین میں قطعات متعدد ان کے مصارف کے واسطے مقرر کر دیے۔ اسی سر زمین میں شہر اوچہ گیلانیوں کا ان سے آباد اور ان کی اولاد کا موطن ہوا۔ پھر ان کی اولاد میں سے کچھ لاھور میں اور کچھ اور اطراف میں قیام پذیر ہوئے۔ جب لاھور میں سکھوں کا غلو ہوا ، سید اصغر علی کہ سید نکتہ طراز سخن سنج کے جد امجد تھے ، ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ مرزا جہاں دار شاہ عرف مرزا جوان بخت مہین پور حضرت شاہ عالم بادشاہ کی رفاقت میں زمین لکھنؤ میں تشریف فرما ہوئے۔ جب سے وہ خطہ اس بزرگ کا موطن اور مسکن ہو گیا۔ چند شعر ان کے افکار گوہر نثار سے مرقوم ہوتے ہیں :

مر کے قاسم ایک دن ہم بھی پہن لیں گے کفن
زندگانی میں تو کچھ موقع نہیں پوشاک کا

ایک ہی حسن کا جلوہ ہے کہ ہر پردے میں
دل کو لیتا ہے کہیں رنگ کہیں بو ہو کر

رخ دکھا دیجے کوئی بات سنا دیجے کہ ہیں
کان مشتاق سخن ، طالب دیدار آنکھیں

نیم باز آنکھوں کے عالم نے کیا عالم قتل
ان کی سونے میں بھی رہتی نہیں بے کار آنکھیں

کہاں کی توبہ اے زاہد کہ اب دل رہ نہیں سکتا
یہ رنگت چہچہاتی دیکھ کر گلنار شیشے میں

موقوف ضد ہی پر تو ہے ہر شے کی معرفت
کچھ کفر بھی ضرور ہے اسلام کے لیے

قاسم

قاسم تخلص ، حکیم کامل ، طبیب فاضل ، زبدۂ کملاے دوراں ، اسوۂ فضلاے زماں ، حکیم قدرت اللہ خاں مرحوم ۔ شعر نے اس کی ذات سے رتبۂ حکمت لیا اور مجاز نے مرتبۂ حقیقت ۔ جالینوس اس کی شاگردی سے صاحب دانش و دید اور بقراط اس کے تلامذہ کے سلک میں ادنلی مستفید ۔ سخن کی متانت اور کلام کی رزانت حیطۂ بیان سے خارج ہے ۔ وہ خود صاحب دیوان ہے اور وہ دیوان فصاحت تبیان شعراے ریختہ گو کے حال میں ایک تذکرہ مبسوط ریختۂ کلک جواہر سلک ہے کہ قدما اور متاخرین کے حال کی تحقیق اس سے زاید

متصور نہیں ۔ یہ چند شعر اس کے دیوان سے منتخب ہوئے :

موجب طوفان سرشک و باعث محشر فغاں
طرز گریہ وہ غضب اور یہ ستم نالہ کی طرح

زلف جنجال مژہ قہر قیامت قامت
کیا کیا تو نے یہ اے دیدۂ خوں بار پسند

گھبرا کے نکل جائے گا جی یوں ہی کسی روز
کچھ رہنے لگی اب ہمیں اکثر طپش دل

ہیں رو سیہ و خستہ جگر مثل نگیں ہم
اے وائے کہ تس پر بھی نہیں خانہ نشیں ہم

ہے اگر یہی مرضی ، ہم چلے ، پر اس دل کو
رہنے دو کہ عاشق کی کچھ رہے نشانی یاں

غنچے کو سب ہیں کہتے مانا ترے دہن سے
تو بھی تو پھوٹ ظالم اپنے ذرا دہن سے

کافر ترا ہے کوچہ یا دشت کربلا ہے
کتنے پڑے ہیں کشتے کتنے ہیں نیم جاں سے

تفصیل سے کہہ قاسم حال دل دیوانہ
ہم سے نہ چھپا ظالم ہم یار ہیں یاروں کے

کہا مان قاسم نہ روک آنسوؤں کو
یہ لڑکے ہیں ، ناحق گلوگیر ہوں گے

زلفوں کا دیکھ جلوہ کچھ ہم سا ہو رہا ہے
آئینہ جب سے دیکھا برہم سا ہو رہا ہے

تو نے یوں ہم سے سر رشتۂ الفت توڑا
جیسے تار نفس باز پسیں ٹوٹے ہے

دن تو جوں توں کٹے ہے ہر شب کو
سخت دل بے قرار ہوتا ہے

قاسم

قاسم تخلص ، میر قاسم علی ، منصف شہر پانی پت ۔ شیوۂ عدل و انصاف میں مشہور زمانہ اور کمالات کسبی اور وہبی میں یگانہ ہے ۔ گاہ گاہ شعر فارسی اس یکتاے عصر کی زبان قلم سے آشنا اور ہوش رباے اہل کمال ہوتے ہیں ۔ بالفعل یہ شعر یاد تھا ، سو مرقوم ہوا :

گرچہ پیدا کرد نام خود بہ گل رنگی شراب
چوں بہ لعل او رسد از عکس گل گوں تر شود

قلق

قلق تخلص ، سلطان خاں ، قوم افغان ۔ علوم رسمی میں استعداد تمام اور فنون متداولہ میں دست گاہ مالا کلام ۔ کتب فارسی کو بہت تحقیق اور تدقیق کے ساتھ پڑھاتا ہے ۔ اکثر فنون کو جناب مولوی امام بخش صہبائی سلمہ‌اللہ تعالیٰ سے حاصل کیا ہے ، خصوصاً فن فارسی کو ۔ گاہ گاہ شعر ریختہ بھی آشناے زباں گوہر فشاں ہوتا ہے ۔ اس وقت یہی ایک شعر یاد تھا سو لکھا گیا :

مر کے بھی اس کے نظارے کی تمنا نہ گئی
کون سا سبزہ کہ وہ نرگس شہلا نہ ہوا

قلق

قلق تخلص نوجوان خوش وضع ، خندہ پیشانی ، غلام مولا عرف مولا بخش ساکن میرٹھ ۔ طبیعت شعر سے مناسب اور فکر اس فن کے لائق ۔ راقم آثم سے رشتۂ اتحاد کو مربوط اور قاعدۂ وداد کو مضبوط رکھتا ہے ۔ تحریر تذکرہ کے وقت یہی ایک مقطع یاد تھا ، ناچار اسی کو مرقوم تذکرہ کیا :

دیرینہ رفیق تھا قلق ہائے
وہ کیا ہے موا کہ مر گئے ہم

قلق

قلق تخلص ہے سید والا حسب ، عالی نسب ، محمد امجد علی ولد سید اسد علی کا ۔ وطن اس کے آبا و اجداد کا حضرت شاھجہاں آباد ہے مگر تقالیب ادوار سے اتفاق اقامت اس کے بزرگوں کا خاک لطافت بنیاد لکھنؤ میں صورت پذیر ہوا ۔ یہ سید بلند مرتبت عین ایام شباب میں وارد کالپی ہو کر اب تک اوقات زندگانی کو کمال عزت واحترام سے بسر کرتا ہے ۔ مختصراً فنون نظم اور اصناف شعر میں قدرت تمام اور دست گاہ مالا کلام حاصل ہے ۔ یہ چند شعر لکھ کر ارباب مذاق کی ضیافت طبع سے دست کش نہیں ہوتا :

کاہ کی طرح سے کاھیدہ اگرچہ ہے قلق
غم سلامت ہے تو کچھ اور بھی لاغر ہوگا

وہ صاف دل ہوں میں کہ پس از مرگ بھی مرے
مرقد پہ بیٹھنا نہیں ممکن غبار کا

خواب عدم میں چین سے سوتا تھا میں قلق
ٹھوکر لگائی کس نے کہ بیدار ہو گیا

ہجوم آپ کے در پر ہے داد خواہوں کا
ستم تو دیکھیے ان شرمگیں نگاہوں کا

بیٹھنا ممکن کہاں تھا آستان یار پر
اتفاق ہے یہ احسان خار دامن گیر کا

بے مثالی کا گھمنڈ آپ کو ہوتا معلوم
پر یہ کہیے کہ خود آئینہ مقابل نہ ہوا

دل مضطر کا حال اس سے بیاں کیجے تو کیا کیجے
وہاں نازک دماغی یاں یہ عالم ناتوانی کا

آنے سے جلد ہے وہ شب وصل میں خجل
فرقت کی شب کو خاک مجھے منھ دکھائے صبح

میں نے ان سے جو کہا دل میں خفا ہو مجھ سے
ہنس کے بولے ہے قلق تجھ کو کرامت شاید

سنگ در جاناں سے سر ہم کو پٹک آنا
دو چار گھڑی دن کو دو چار گھڑی شب کو

کم ہمتی سے تو نہ گیا ورنہ اے قلق
ملک عدم کو قافلے تھوڑے نہیں گئے

قمر

قمر تخلص، مرزا قمر طالع مرحوم، فرزند مرزا محمد ایزد بخش مغفور، عرف مرزا نیلے ابن حضرت فردوس منزل،

شاہ عالم بادشاہ مبرور۔ فن شعر میں حافظ احسان علیہ الرحمۃ والغفران سے مستفید تھے۔ یہ اشعار ان کے نتائج طبع سے ہیں :

دامان وصال اس کا نہیں غیر کے بس کا
پہونچا ہی اترتا ہے وہاں دست ہوس کا

نالاں ہے قمر وار غم عشق سے وہ بھی
کب ہرزہ دراؤں پہ کھلا راز جرس کا

قمر

قمر تخلص ، حافظ قمرالدین ، ابن کاسہ لیس عرفائے سلف حافظ اشرف ۔ ہر چند اس کو شعر گوئی کی طرف توجہ بہت تھی لیکن شعر کو اس کی طرف توجہ کم تھی ۔ با ایں ہمہ ایسا شخص تھا کہ اپنی نیک نہادی اور نیک اطواری سے مرغوب طبائع اور مطلوب ضمائر تھا ۔ ایک عرصہ ہوا کہ عالم فانی کو ترک کیا اور گلشن فردوس کی طرف راہی ہوا ۔ اس پاک طینت کی کیا خوش طینتی ہے کہ اس کی لاش کا سر خاک قدم فیض توام اشرف المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ اجمعین کے طفیل سے کنگرۂ عرش پر پہنچ کر اصناف شرف سے مقرون ، یعنی درگاہ ملائک سجدہ گاہ کے دروازۂ اولین کے ایک گوشے میں مدفون ہے یہ دو شعر اس کے یاد تھے :

اس گل خوبی کی خوشبو سے معطر آپ ہوں
ذکر مت لانا مری تم نعش پر کافور کا

خانۂ دل میں جو روشن ہو چراغ عارض
دھیان پھر خاک رہے لعل بدخشانی کا

قمر

قمر تخلص ، محمد قمرالدین خاں اکبر آبادی ۔ افاغنۂ یوسف زئی سے ہے ۔ ابتدا میں منشی محمد مصلح الدین فتح پوری سے تلمذ اختیار کیا اور پھر حاجی مولوی محمد مہدی بریلوی خوش باش فتح پور سیکری سے کتب فارسیہ کو تحصیل کیا ۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں :

مجھ سے کو مرید کر لیا دم میں قمر
یہ خانہ خراب عشق مرشد نکلا

کسی کے عشق سے پابند صد رنج و تعب ہم ہیں
ہزاروں آفتیں ہیں ایک ہم ہیں کچھ عجب ہم ہیں

قناعت

قناعت تخلص ، مرزا غلام نصیرالدین خلف الرشید مرزا ولی الدین ابن مرزا زاھد الدین ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ ۔ سخن سنجی میں یگانہ اور معنی یابی میں یکتائے زمانہ ۔ ذہن رسا اس کا مضامین دور کی تلاش میں ملک تقدس کے اقصا تک جاتا ہے اور خیال بلند آہنگ اس کا معانیٔ باریک کو خلوت عنقا سے کھینچ لاتا ہے ۔ قلم اس کے معنی کی رنگینی سے شاخ ارغواں اور خامہ[۱] اس کے مضامین کے فروغ سے شمع فروزاں ۔ دل اس کے لطف سخن سے مسرور

---

۱ ۔ نسخہ نول کشور میں "خانہ" ہے ۔

اور کتاب اس کے فروغ کلام سے کنج خانۂ نور ۔ کاغذ اس کے سخن کی تازگی سے سیراب اور صفحہ اس کے معنی کی نور باشی سے چادر مہتاب ۔ رنگینیٔ معنی سے ہر لفظ یاقوتہ رخشاں کو رشک افزا اور صفائی الفاظ سے عبارت گوہر آبدار کو غیرت فرما ۔ متانت کلام سے بنائے ابیات کوہ سے سنگین تر اور رنگینیٔ عبارت روئے صفحہ اوراق گل سے رنگین تر ۔ سرو کو اس کی سطور سے کیا مناسبت اور سنبل کو اس کے خطوط سے کیا مشابہت ۔ ذہن رسا ہے اور طبیعت مستقیم ، وضع متین ہے اور مزاج حلیم ۔ ذہن کی رسائی سے زبان قلم اعدا پر دراز اور طبیعت کی استقامت سے رشتۂ مسطر کو خط استوا پر ناز ۔ متانت کی تعریف کے صفحے میں نقطہ نقطہ ایسا مستحکم کہ زبان کذلک اس کو جگہ سے نہ اٹھا سکے اور حلم کی توصیف کے ورق میں سطر سطر ایسی گراں بار کہ زانوے کاتب اس کے بوجھ کی تاب نہ لا سکے۔ ساغر طبیعت بادۂ ادب و تواضع سے لبریز اور چشمۂ خاطر ہوائے انکسار سے موج خیز ۔ نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کے تابع کیا ہے اور تہذیب اخلاق کا جامہ پہن لیا ہے ۔ اول مشق سخن حضرت استاد مغفور احسان علیہ الرحمۃ سے بہم پہنچائی ۔ جب اس جناب نے اپنے تلامذۂ سخن سنج کی نوبت راقم آثم کی وضع پر موقوف رکھی ، یہ یگانۂ عالم دوستی اپنے کلام کو میری ہی نظر اصلاح میں لانے لگے اور اپنا سخن مجھے دکھانے لگے ۔ اب تک با وجود کمال مشاق کے وہ ہی صلاحیت طراز آستین اور وہی اہلیت خط جبین ہے ۔ جناب مولانا مخدومنا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت سراپا افادت میں استفادۂ علوم میں مصروف اور

تحقیق حقایق اور تدقیق دقائق میں مشغوف ۔ دیوان فصاحت بنیان اس سخن طراز کا اصناف سخن سے مملو اور ہر صنف کلام نواع لطائف سے مالا مال ہے ۔ اس مقام میں کچھ شعر اس معجز نگار کے نتائجِ افکار سے انتخاب کر کے خوان مہانی آمادہ کرتا ہوں کہ ارباب مذاق اس کی لذت سے بہرہ یاب ہوں :

گر انقلاب دہر یہی ہے تو ہے امید
آ جائے گا زمانہ کبھی وصل یار کا

پھرتی ہے اپنے ساتھ لیے در بدر آسے
کھویا صبا نے وقر ہمارے غبار کا

کچھ عشق کے ہیں طور نرالے کہ کر دیا
صاحب کو بندہ ترک نگاہ ایاز کا

ظلمت کا دود دل سے زبس شب وفور تھا
داغوں کا تھا چراغ پہ پیدا نہ نور تھا

دیوان ہوا تھا کس کا کہ محشر کے بعد بھی
دیکھا تو مدتوں وہی افغان و شور تھا

تزئین میں آئنے کے نظارے کا تھا نہ دھیان
ورنہ مزاج حسن تو کیا کچھ غیور تھا

دیکھنا شوق شہادت جب لگی قاتل کو دیر
نوک مژگاں سے ہی دل کار سناں لینے لگا

اس کے یہ کہنے کے میں صدقے کہ گھبرا کر کہا
سانس الٹی ہائے کیوں یہ نوجواں لینے لگا

جلائے آئنہ ہوتی ہے خاک سے ظالم
صفا بھی چاہیے ، ہو دل میں جب غبار آیا

کیا حلق بھی میرا تھا کوئی حرف شہادت
رکھتا جو زباں پر بھی ترا خنجر کیں تھا

ا کر نہ سکوں اس سے تغافل کی شکایت
جب دیکھنے آیا کہ دم باز پسیں تھا

کچھ تو وہ شوخ ہے برخود غلط اور کچھ میں غیور
اک نہ اک حیلے سے واں تک مرا جانا نہ ہوا

خواب جوں چشم زلیخا جلوہ گاہ یار تھا
پردۂ غفلت بھی اپنا دیدۂ بیدار تھا

اس نے جب تھانبا مجھے میں نے نہ تھانبا آپ کو
بے خودی میں بھی میں ہمدم کس قدر ہشیار تھا

ہائے رے شوخی کہ ظالم کے خرام ناز تک
اتنی جلدی پر پہنچنا شوق کو دشوار تھا

پرے گو لامکاں سے وحشت آہو ہے جلوے کو
نگاہ شوق سے آگے پڑے ہے پاؤں الفت کا

سمجھتا ہوں کہ وہ بھی تیرے ہی غمزے کی شوخی ہے
کبھی گر حال سنتا ہوں قیامت کی صعوبت کا

نہ ہوتیں گر غلط اندازیاں منظور جلوے کو
دوئی کو کیوں بناتا پردہ وہ رخسار وحدت کا

گنہ اپنے تو کیا زاہد کی نیکی بھی ہے واں ... اں
بڑھا ہے رتبہ کیا عصمت میں دامان طریقت کا

کھویا غم فراق نے دل سے جہاں کا غم
غم ہی ہمارے واسطے غم خوار ہو گیا

ہنگام طوف دھیان بتوں کا رہا مجھے
میں کعبے جا کے اور گنہ گار ہو گیا

میں جاگ اٹھا جو خواب میں آیا وہ فتنہ گر
کیوں بخت میری طرح نہ بیدار ہو گیے

فیض اسلام سے بھی کفر کا جانا معلوم
سبحہ کے دل میں سدا رشتۂ زنار رہا

ضعف پیری نے کیا راست روی پر مائل
تیر کے حکم میں ہے قد کا کماں ہو جانا

وقت دیدار کے گریے کو تو روکوں لیکن
ایک آفت ہے یہ آہوں کا دھواں ہو جانا

شوخیاں برق کی سیکھیں ہیں کہ رخ دکھلا کر
دم کے دم میں وہیں نظروں سے نہاں ہو جانا

دل آنا تو حسینوں پہ نہیں چنداں پر
ہے غضب ہر کس و ناکس پہ عیاں ہو جانا

بدن میں جان بھی باقی نہیں ہے اپنے تو ، اور
خیال یار کو اب تک ہے آزمانے کا

سانس کے ہمراہ ہوتی ہے کھٹک سی کچھ مدام
دل مرے بر میں ہے یا پیکاں ہے تیرے تیر کا

لاغری سے پیرہن ہی بن گیا سامان قید
ہے گریباں ایک حلقہ پاؤں کی زنجیر کا

دل کھنچے جاتے ہیں لاکھوں دیکھ کر رفتار کو
نقش پائے یار گویا نقش ہے تسخیر کا

ہائے رے شوق شہادت اس کی اس نفرت پہ بھی
دل نے پیچھا ہی نہ چھوڑا مثل پیکاں تیر کا

ناتوانی کو بھی ہے کیا کیا کفایت پر نظر
ہے گلے کا طوق ہی حلقہ مری زنجیر کا

کام جب تدبیر سے بگڑے تو قسمت پر رکھیں
تہمتوں کے بوجھ سے سر ہے گراں تقدیر کا

مری آنکھوں ہی سے لیوے گا عوض اس کے بھی چرخ
گر لب زخم جگر بھی کبھی خنداں ہوگا

بدگمانی کا برا ہو کہ ہے آغوش میں اور
دل یہ کہتا ہے کہ گھر غیر کے مہماں ہوگا

نہیں معلوم کیا ہے وہ کہ اسے
کوئی بت اور کوئی خدا سمجھا

دل چسپیاں تو دیکھو آپس کی ہمدمو، وہ
غیروں کو دیکھتا ہے مجھ سے نظر بچا کر

کیا جانے کس طرف کو قناعت نکل گیا
مدت ہوئی کہ وہ نہیں آتا نظر کہیں

ضعف اپنا یاں تلک پہنچا کہ ہم
آ نہیں سکتے تمہارے دھیان میں

لوگ سمجھے کفر اور یاں بت کو دیکھ
کچھ ترقی ہو گئی ایمان میں

ہم کو جو دے ہے چرخ تو ہم سے پھر وہی واپس لیتا ہے
ہم بھی یہاں دولاب کی صورت الٹی قسمت رکھتے ہیں

آگے قیامت آفت ہوگے ڈھنگ یہی ہیں آپ کے گر
ماشاءاللہ آپ ابھی سے اتنی شرارت رکھتے ہیں

سنگ دل جب میں تری بزم میں آ جاتا ہوں
روگ اک اور نیا دل کو لگا جاتا ہوں

اس توقع میں کہ لائے ہے کوئی مژدۂ وصل
مثل گل دیکھ صبا کو میں کھلا جاتا ہوں

روزن آہ ہوئے دل کے مگر بند کہ اب
دم کچھ اس طرح گھٹے ہے کہ موا جاتا ہوں

ضعف پہنچا ہے یہاں تک کہ میں جوں کاغذ باد
گر ہوا چھیڑے تو کوسوں ہی اڑا جاتا ہوں

دم آخر ہے ذرا دیکھ تو لوں سیر اس کو
اے اجل میں ترے ہاتھوں سے موا جاتا ہوں

مرتے مجھے دیکھا تو بولا متبسم ہو
آج آپ زیادہ سے مضطر نظر آتے ہیں

مستی یہ ٹپکتی ہے آنکھوں سے کہ اس لب پر
خالی بھی ہوے اور پر ساغر نظر آتے ہیں

اظہار ہنر اے دل مت کیجو کہ آئینہ
ہوتا ہے مکدر جب جوہر نظر آتے ہیں

کیسا ہے قناعت تو ہم سے بھی تو کہہ ظالم
احوال ترے ہر دم بدتر نظر آتے ہیں

موجۂ ریگ بھی اس جا کی ہے گویا دم تیغ
پاؤں رکھیں ترے کوچے میں یہ مقدور نہیں

مجھ میں اور تجھ میں ہے موسیٰ و تجلی کا سا ربط
ایک مژدہ ہے یہ کہنا بھی کہ منظور نہیں

کچھ اناالحق میں بھی جو بوئے انانیت ہے
تو سیاست کے سوا در خور منصور نہیں

حسرت کشتہ کی ہے داد رسی سے مجھے یاس
کہ قیامت بھی ہو برحق پہ یہ محشور نہیں

خلوت دل ہے ترے حسن کو اک پردۂ شرم
لائق طرز حیا جلوہ گہ طور نہیں

آشنا ہر نگہ شوق سے ہے پرتو حسن
گو ہے پردے میں پر اس پر بھی وہ مستور نہیں

ناتوانی سے ہوں میں قید کہ گویا کہ نہ تھا
میں بھی جز حرف فراموش لب گور نہیں

امید پر ترے جولاں کی کب تلک ظالم
صبا سے اپنا بچائے ہوئے غبار رکھوں

یہ تو مانا امتحاں کے بعد ہوگی قدر کچھ
پر کریں کیا وہ ستم گر آزماتا ھی نہیں

کیوں نہ شک جائے مجھے جب کہ مرے بیٹھ کے پاس
مضطرب ہو کے تم اس طرح سے در کو دیکھو

کھلے محشر میں ھیں دفتر کے دفتر حرف شکوہ کے
مبادا خوں سے آلودہ کہیں دامان قاتل ہو

سینے میں دل جو اچھلے زیر زمیں تو ظالم
جوں گرد جا بھڑا دے افلاک سے زمیں کو

خوں گشتہ دل جگر کا کیا حال پوچھتے ہو
دیکھو تم آ کے میرے دامان و آستیں کو

قسمت کی دشت گردی جائے کہاں وگرنہ
میرے غبار نے تو پکڑا ہی تھا زمیں کو

کچھ یہ بھی مصلحت تھی جو وہ دھن بنا کر
پردے میں سو گماں کے پنہاں کیا یقیں کو

جھڑتے ہیں پھول اپنی رنگینیٔ سخن سے
گلچیں بنا دیا ہے اب ہم نے نکتہ‌چیں کو

ذوق ستم میں پاس سے اٹھا نہ ایک دم
یارب وہ شوخ مجھ پہ کبھی مہرباں نہ ہو

عنقا کا آشیاں ہے زبان جہان پر
اہل فنا کا نام تو ہے گو نشاں نہ ہو

میں ہوں وہ ناتواں کہ سعیٔ صبا سے بھی
میرا غبار بدرقۂ کارواں نہ ہو

پتھر کے سامنے 'ارنی' ہر سوال میں
ہو کس طرح جو رغبت روے بتاں نہ ہو

تیرے لیے گر اتنے مسلماں نہ جان دیں
آباد بھی یہ کوچۂ جنت نشاں نہ ہو

چلیو صبا سمجھ کے کہ اس گل کی راہ میں
افتادہ مثل گرد کوئی ناتواں نہ ہو

نازک ہے وہ دماغ صبا بوے گل نہ لا
ساتھ اس کے عندلیب کا بھی کچھ فغاں نہ ہو

عشق و ہوس میں ہو ہی رہے گا اب امتیاز
آئی ہے طبع آپ کی گر امتحاں پہ کچھ

کہتے ہیں میرے حال پریشاں کو دیکھ لوگ
آفت نئی سی آئی ہے اس نوجواں پہ کچھ

اتنا بھی ضبط کیا ہے قناعت کہ اب تلک
تیرا کھلا نہ حال ترے راز داں پہ کچھ

جھٹکا کچھ اس طرح سے کہ جی ہی نکل گیا
رکھا جو میں نے دست بت فتنہ گر پہ ہاتھ

بنوا چکے بھویں بس اشارے سے کیجے قتل
اب دیر کیا ہے تیز بھی تلوار کر چکے

پہنچیں نہ کام دل کو تو قسمت وگرنہ ہم
مطلب تو باتوں باتوں میں اظہار کر چکے

اے ضعف جا کہ ہاتھ سے تیرے شب وصال
بند قبائے یار بھی ہم سے نہ وا ہوئے

بہ ظاہر آپ تو آئے ہیں صلح کو لیکن
اسے[1] کہ تیغ بھی زیب کمر ہے کیا کہیے

تا غمزۂ خوں خوار کا پاک اس سے ہو دامن
شوخی سے لیا نام قضا کا مرے آگے

سامنے اس کے ہیں یوں گویا کہ ہم
بیٹھے ہیں نا آشنا کے سامنے

اے بتو جو چاہو اب کر لو ستم
ہو رہے گی کچھ خدا کے سامنے

۱ - نول کشوری نسخے میں ''اسی کو'' ہے -

اپنی بیماری سدا کرتی رہے
شکوۂ غفلت شفا کے سامنے

اب اجابت میری ناکامی کو دیکھ
ہے خجل کیا کیا دعا کے سامنے

الجھ کے تو ہی چل اے خار دو قدم کہ یہاں
ہم اپنے ساتھ کوئی ہم سفر نہیں رکھتے

شوق کو کثرت نظارہ سے رشک آتا ہے
حشر سے پہلے میسر ہو وہ دیدار مجھے

کعبے تک جانے میں تھی خاطر زاہد ورنہ
دیر میں بھی تھی صدا رخصت دیدار مجھے

جنس دزدیدہ کی مانند ہے الجھاؤ میں جان
کہ نہ لیتا ہے نہ پھیرے ہے خریدار مجھے

میں بھی کیا گرد ہوں صحرائے جہاں میں کہ مدام
جھٹکے دامن کو پڑے جس سے سروکار مجھے

راز دل لب پہ نہ لانا کبھی منصور کہ یاں
کر دیا بات کے کہنے نے گنہگار مجھے

کعبے سے چل کہ دیر ہوا اب بتوں کا گھر
دوڑے ہے کاٹ کھانے کو خالی مکاں مجھے

پڑ پڑ کے پاؤں مجھ کو بٹھائے ہیں خار دشت
پھر ایسے قدر دان ملیں گے کہاں مجھے

وہ خستہ دل قناعت بے چارہ ہی نہ ہو
کل ناتواں سا ایک ملا تھا جواں مجھے

اس حال میں تو منت دشمن بھی ہے قبول
کچھ میرے حق میں سعی کرے جس سے ہوسکے

اب تو شب وصال ہے تھم چشم اشک بار
رو لیجیو فراق میں جتنا کہ رو سکے

گئے تھے تم کہاں آئے کہاں سے ؟
کہ ہے مسکی ہوئی چولی قبا کی

واعظ ہے مجھے آتش دوزخ کا تو ڈر لیک
ساتھ اس کے توقع بھی ہے کچھ دامن تر کی

رفتہ رفتہ دیکھیے کس کس کے منہ پڑتی ہے بات
میری وحشت کا ابھی تو آٹھ دن میں شور ہے

قیس

قیس تخلص ، حافظ عبدالحی ، کہین برادر حافظ عبدالصمد یوسفی ساکن کاکوری ۔ باوجود حداثت سن اور خورد سالی کے تلاش سخن بلند اور فکر شعر عالی ہے ۔ اس کا نہال احوال ہمیشہ سعادت ذاتی سے بار ور اور خندۂ نشاط دائماً اس کے لب خوش سخن سے جلوہ گر ۔ اس کے نتائج افکار سے یہ شعر یاد تھا سو مرقوم ہوا :

ہم زبانی کیوں نہ ہو باہم ہمارے اس کی قیس
ترجمان اپنی ہے وہ ہم ترجمان عندلیب

قیس

قیس تخلص ، محمد عنایت اللہ ۔ وطن آبائی اس کا قصبۂ بیگم پور علاقۂ سکندر آباد اور مولد اس کا کول ہے ۔ فن سخن میں نو مشق اور منشی نبی بخش کا شاگرد ہے ۔ یہ دو تین شعر اس کے مسموع ہوئے :

لے گیا دل کو ساتھ پیکاں کے
تیر بھی اس کا دل ربا نکلا

لڑ کے ہیں کلیجا کہیں پھٹ جائے نہ ان کا
اشک آئیں تو نالہ کبھی دل سے نہ نکالو

کرتے تھے پتھر کے جو دل میں اثر
آہ وہ نالے مرے کیا ہو گئے

قیصر

قیصر تخلص ، شاہزادۂ بلند مرتبت ، عالی درجت ، گردوں رخش ، مرزا خدا بخش سلمہ اللہ تعالی ، نواسۂ حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ مرحوم ۔ راقم آثم صابر ہیچ مدان کے ماموں اور باب الہ کے دلجو ہیں ۔ تواضع اور فروتنی گویا لوازم ذات سے ہے اور خلق و مروت ان کی ادنلی[1] صفات سے ہے ۔ مشق سخن مومن خاں مرحوم سے کی ہے ۔ ان کے سخن کی طرز فصاحت اور ان کے کلام کی بنا متانت سے خالی نہیں ہے ۔ یہ چند اشعار ان کے افکار سے ہیں :

---

۱ ۔ نول کشوری نسخے میں 'ذاتی' ہے ۔

کریں گو کلفت دل کا بیاں ہم
ملائیں خاک میں ہفت آسماں ہم

ہوس غیر سے عشق اپنا آسے یاد آیا
کیا نئی طرح سے ہم دل میں گزر کرتے ہیں

تو لطف کرے یا نہ کرے خوش ہو کہ ناخوش
اس بات پہ مرتا ہوں کہ عاشق ہوں ترا میں

اس کُو میں خاک ہونے کا چرچا ہے جا بجا
نام اپنا جب ہوا کہ رہا کچھ نشاں نہیں

جنوں میں بھی مری شوکت نہیں جاتی کہ اے **قیصر**
جہاں جاتا ہوں میرے ساتھ اب لڑکوں کا لشکر ہے

نبھے گی خاک محبت کہ نام سے **قیصر**
وہ اپنے زعم میں سمجھیں ہیں مال‌دار مجھے

باب الکاف التازی

کامل

کامل تخلص ، مرزا ناصر الدین معروف بہ محمد مرزا ابن مرزا ابو سعید ابن مرزا طالع مراد شاہ مرحوم ابن حضرت عالم گیر ثانی ۔ احقر کے عم زاد اور مرزا رحیم الدین حیا کے بھی عم زاد بھائی اور مرزاے موصوف سے فن سخن میں مستفید ۔ فارسی سے بہ قدر ضرورت آگاہ اور صناعت موسیقی میں صاحب دست گاہ ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں :

نوچ کر پر قید سے چھوڑا تو کیا چھوڑا ہمیں
تو ہی کہہ اس حال میں جائیں کہاں صیاد ہم

اس ستم گر کے عشق میں کامل
جو نہ کرنا تھا سو کیا ہم نے

کامل آشفتہ سر کو دیکھ کر کہنے لگے
رہ گئے تھے اک یہی عاشق مری تقدیر کے

کامل

کامل تخلص ، سدا سکھ پنڈت کشمیری ، کاک لقب ۔ مرد معمر ہے کہ عربی و فارسی میں استعداد تمام رکھتا تھا اور نظم و نثر میں دست گاہ تام ۔ فارسی کی زبان دانی کا دعویٰ اور مقامات مشکلہ کی تحقیق کا لاف ایسا تھا کہ کوئی صاحب استعداد اس کے زعم میں علم مباہات بلند کرنے کی لیاقت نہ رکھتا تھا ۔ زبان عربی کی تحقیق کے حیلے سے تمام کلام مجید کو حفظ کیا ۔ اس سے دریافت ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت میں دست گاہ تمام رکھتا ہو گا ۔ سنین عمر سو کے قریب پہنچے تھے ۔ اکثر عمر کو سفر میں صرف کیا ۔ آخرکار لب دریاے گنگ پر وارد ہو کر کشتیٔ عمر کو ملاح قضا کے اختیار میں دے دیا ۔ یہ اشعار اس کے سنے گئے

تیر ترا ہدف کنم از جان تازۂ
باشد عزیز خاطر مہمان تازۂ

بلبل کرا دماغ کہ سیر چمن کند
دارم ز داغ سینہ گلستان تازۂ

خاکم بباد رفتہ و بر مشہدم ہنوز
دارد سمند ناز تو جولان تازۂ

کامل بہ قول طالب آمل بہ فصل گل
گشتیم عندلیب گلستان تازۂ

کاظم

کاظم تخلص ، کاظم علی، ساکن منڈاور ۔ جوان خوش مزاج ، تیز طبع ، اهلیت و سعادت سے بہره ور اور استعداد خدا داد کی اعانت سے سخن گستر ۔ اوائل میں تحصیل علوم کی تقریب سے وارد شاہ جہاں آباد ہو کر نقد ہنر کو حاصل اور مومن خاں مرحوم سے فن شعر کا استفادہ کیا ۔ اب چند سال سے شہر رڑھ کی (رڑکی) میں علوم ریاضی میں دست گاہ تمام بہم پہنچا کر کسی علاقے پر مامور ہے ۔ یہ شعر اس کا یاد تھا :

اے طفل اشک ہم تجھے آنکھوں میں یوں رکھیں
اور تو ہمارے راز کو یوں برملا کرے

کرامت

کرامت تخلص ، کرامت اللہ شاہ ۔ آزادہ منش و بے پرو روش تھا ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

مقبول حق ہے جو کہ ہے اہل سخن کا دوست
ہے حب اہل بیت وسیلہ نجات کا

کیف

کیف تخلص ، فضل احمد ، شاگرد صبا ۔ جوان نیک نہاد خوش مزاج ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

کیوں کر رہیں نہ دل کو تصور وصال کے
کچھ پر بندھے نہیں مرے مرغ خیال کے

باب الکاف الفارسی

گرم

گرم تخلص ، مظفر خان ۔ جوان خوش طبع ، ظریف مزاج ؛ متوطن رام پور ۔ مدت مدید سے نواب عبداللہ خان برادر حقیقی محمد سعید خان والیٔ رام پور کی رفاقت میں خاک پاک شاہ جہان آباد کو رشک ارم کیا اور اب آسی نواب مستطاب کے ہم رکاب شہر میرٹھ میں مقیم ہے ۔ مشق سخن شیخ ابراہیم ذوق مرحوم سے بہم پہنچائی ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں :

حال عاشق کبھی پوچھے ، نہ ملائے تو چشم
آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

نہ رہی ہائے تصور کو ترے جا خالی
بس کہ لخت جگر و دل سے ہوئی مملو چشم

چاہ میں اک بت ہرجائی کے
دربہ‌در ناصیہ فرسائی کی

گویا

گویا تخلص ، فقیر محمد خاں ، شاگرد شیخ امام بخش ناسخ ۔ لکھنؤ میں زبدۂ امرائے نامی اور قدوۂ کبرائے گرامی سے

شمار کیا جاتا ہے ۔ اس سواد میں مومنین پاک کی کثرت اور حضرات شیعہ کی افراط پر اس سنی عالی مرتبہ کا وجود نادر بل مغتنمات سے ہے ۔ سخن اس کا الفاظ فصیح اور معانی غریب اور نکات برجستہ اور اشارات دل چسپ سے مملو ہے ۔ یہ چند شعر اس کے دیوان فصاحت بنیان سے منتخب ہوئے :

نہیں ہے علم جاں بازی میں کچھ حاجت معلم کی
تڑپنا آپ ہی استاد ہے تعلیم بسمل کا

قیامت کے منکر جو ہیں اے ستم گر
ترے قد و قامت کو دیکھا نہ ہو گا

وہ ایسا نہیں چپ رہے بات سن کر
کوئی اور ہووے گا گویا نہ ہو گا

ہے جو مضموں فتنہ انگیز اس میں تیری چال کا
اب زمین شعر میں بھی خوف ہے بھونچال کا

کب تلک ان بتوں کے ظلم سہوں
اے خدا دل نہیں ہے پتھر کا

مصرع ابرو مکرر لکھ دیا استاد نے
اس سے بہتر دوسرا مصرع نہ جب موزوں ہوا

موت جب نزدیک آئی پھر ملے اس سے تو کیا
فائدہ گر وہ ہوا تو یہ زیاں ہو جائے گا

تھا جو افتادگی شعار اپنا
نہ زمیں سے اٹھا غبار اپنا

نہ رہی بعد مرے نامہ و پیغام کی رسم
خاک اڑاتی پھری گلیوں میں صبا میرے بعد

منھ دکھانا تو کہاں باتیں تھیں اس کی مجھ تک
لن ترانی کی بھی آئی نہ صدا میرے بعد

سنگ مدفن کی جگہ رکھ دیا مدفن پہ مرے
کوہ غم جب کہ کسی سے نہ اٹھا میرے بعد

باب اللام

لطف

لطف تخلص ، حفیظ اللہ تلمیذ شیخ ابراھیم ذوق ، مرد معقول و نیک نہاد اور مطیع عزیزی میں سلسلۂ چاکری مربوط رکھتا ہے ۔ یہ شعر اس کا درج تذکرہ ھوا :

وہ پڑھ کے سطر کون سی چیں بر جبیں نہیں
ھر چند خط میں حرف شکایت کہیں نہیں

لطیف

لطیف تخلص ، دولت سنگھ ، قوم کھتری ، شاگرد شاہ نصیر مرحوم ۔ مشاق قدیم اور شعر سے مناسبت طبیعی رکھتا تھا ۔ چار پانچ برس ھوئے کہ دار فانی سے رحلت کی ۔ یہ شعر اس کا ہے :

کوئی کہتا تھا قصہ مجنوں کا
میں اسے اپنا ماجرا سمجھا

باب المیم

ماہ

ماہ تخلص ، مرزا عنایت علی بیگ ، کوچک برادر مرزا حاتم علی بیگ مہر - آگرے میں مصاحبت راجا بلوان سنگھ راجا تخلص والیٔ کاشی سے ممتاز اور شاگردان خواجہ حیدر علی آتش سے ہے - یہ دو شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوئے :

کیوں کر ورق آڑائے نہ تلوار یار کی
ہڈی بھی کاغذی ہے مرے جسم زار کی

ہر روز نیا وعدہ ہے ہر شام نیا عذر
بن بن کے بگڑتا ہے مقدر کئی دن سے

ماہر

ماہر تخلص ، شاہزادۂ بلند اقتدار ، گردوں اعتبار، صاحب تمکین وسادۂ فطانت و ذکا ، مسند نشیں شبستان عز و علا ، جلالت پناہ ، مرزا جمعیت شاہ خلف الصدق مرزا زور آور بخت مرحوم ابن مرزا جمشید بخت مغفور ابن حضرت

فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ مبرور ۔ بزرگیٔ اعتبار ظاہری کو وسیلۂ اوصاف قرار دے کر خامۂ سخن سنج کو عرصۂ اوراق میں گرم جولان کرنا ایک امر زاید اور کار لا طایل ہے کہ نسبت شاہ زادگی سے اور کون سا مرتبہ فایق تر ہے جس کو اسباب مدایح اور وسایل اوصاف سے مقرر کیا جائے ۔ دو چار سطر مناسب مقام مسطور اور چند حرف حسب موقع مذکور کرتا ہوں ۔ مبدأ فیاض نے ایسا ضمیر آفتاب تنویر دیا ہے کہ اس کی مدّ انفاس عمود صبح کے برابر ہے اور اس کا نقطۂ سویدا ستارۂ سحر سے ہم سر ۔ اس کی طبیعت کی روشنی سے زمین سخن پرنور اور اس کے معنی کی تجلی سے چوب قلم شجر طور ۔ ایسا کلیم کلام ہے کہ مصر سخن میں حریفان نخوت سرشت کی فرعونی اس سے پیش نہیں جاتی اور اس کے اعجاز کلام کے سامنے شعراے جادو فن کی سحر طرازی رونق نہیں پاتی ۔ قلم اس کا نیل دوات میں عصاے موسیٰ اور مقابلۂ اعداء میں ہم نفس اژدہا ۔ ہر صفحہ اس کا رنگینیٔ معانی سے غیرت گلشن اور ہر بیت چون بیت ابروے خوبان ناخن بہ دل زن ۔ قصر سخن ایسا عالی ہے کہ پیک تصور جس قدر بالا دوی کرے اس کا پایہ اس سے بھی زیادہ تر بلند ہے اور طرز سخن ایسی دل چسپ کہ دل سوختگان محبت کو مژدۂ وصال محبوب سے زیادہ تر دل پسند ہے ۔ سوز محبت کا کیا اثر ہے کہ ہر دائرہ اس کے الفاظ کا مشرق آفتاب محشر ہے اور ہر نقطہ داغ دل عشاق سوختہ جگر ۔ سطر سطر آہ جگر سوز اور کلمہ کلمہ داغ دل افروز ۔ معنی ہر بیت کے شمع محفل عشاق ، مضمون ہر رباعی کا دست آویز عرفاے آفاق ۔ نور افشانیٔ معنی سے ہر صفحہ زر نشان اور

فروغ مضامین سے ہر سطر کہکشاں ۔ ہرچند اصناف سخن مثل غزل و قصیدہ و رباعی و قطعہ و ترجیع بند کے سرانجام میں قدرت تمام اور دست گاہ مالا کلام حاصل ہے لیکن از بس کہ ایام شباب ولولہ افزاے شوق اور روزگار جوانی پردہ کشاے ذوق ہے ، غزل گوئی کی طرف التفات بہ حد کمال ہے اور شعر پڑھنے کی طرز ایسی ہے کہ بزم مشاعرہ میں جب اس کی زبان حرف سے آشنا ہوتی ہے ، ارباب بزم ہمہ تن گوش ہو جاتے ہیں ۔ شمع سراپا گداز ہو کر ایک نہ ایک مصرع سوز ناک اس کی تعریف اور تحسین میں اپنی زبان پر لے ہی آتی ہے ۔ راقم آثم سے علاوہ تلمذ و استفادۂ شعر کے رابطۂ محبت کو ایسا مستحکم کیا ہے کہ اس یکتاے عصر کی صحبت یک دمہ کو عمر ابد و زندگیٔ جاوید سمجھتا ہوں ۔ جناب مستطاب استادی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی کی خدمت سراپا افادت میں صفاے اعتقاد اور نونہال گلشن جوانی ، نوباوۂ حدیقۂ زندگانی ، مرہم سینہ ہاے مجروح ، خلف رشید جناب ممدوح ، مظہر اخلاق عمیم مولوی عبدالکریم سوز تخلص سے روابط اتحاد اس قدر ہے کہ زبان اس کے بیان میں قاصر اور بیان اس کی تفصیل میں کوتاہ ہے :

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز دم در کش
حسن این قصۂ عشق است در دفتر نمی گنجد

اب اس کے کلام فصاحت سرانجام سے کچھ انتخاب کر کے نذر احباب ہوتا ہے :

پہلے اک سوز سا تھا دل میں پر اب تو ہمدم
شمع کی طرح ہے شعلہ مرے سر سے پیدا

هم بھی ضرور کعبے کو چلتے پر اب تو شیخ
قسمت سے بت کدے ہی میں دیدار ہو گیا

ناصح کی بات سننے کا کس کو یہاں دماغ
تیرا ہی ذکر تھا کہ میں ناچار ہو گیا

اے ہم نشیں وہ حضرت ماہر نہ ہوں کہیں
اک پارسا سنا ہے کہ مے خوار ہو گیا

ہوں وہ دیوانہ کہ روتا ہے مرے احوال پر
چشم حسرت سے ہر اک حلقہ مری زنجیر کا

کھینچ لے اے چارہ گر پہلو سے میرے دل سمیت
ورنہ مشکل ہے نکلنا یوں تو اس کے تیر کا

چارہ گر شغل کو کچھ کچھ تو خلش بھی ہے ضرور
رہنے دے دل میں اگر ناوک دل دار رہا

لبوں تک آ نہیں سکتا ہے نالہ سینے سے
اور اتنے ضعف پہ ہے قصد سر اٹھانے کا

ہر اک قدم پہ ہیں سو سو قیامتیں برپا
نہیں وہ چال کہ فتنہ ہے اک زمانے کا

سمجھ ہی الٹی ہے دیوانگان الفت کی
کہ دل کے جانے پہ رکھتے ہیں نام آنے کا

ملے پہ بھی نہ ہوا ہم سے وہ ستم گر صاف
کہ ڈھنگ یہ بھی ہے اک خاک میں ملانے کا

وہاں تو روز ترقی ہے اور یہاں مقدور
نہیں ہے ایک بھی دم کے ستم اٹھانے کا

ترے تو لطف سے بھی جان کانپتی ہے کہ یار
نہیں ہے برق سے کم طور مسکرانے کا

نہ ربط ایک سا ہر ایک سے رکھو ماہر
ذرا تو دیکھو کہ کیا ڈھنگ ہے زمانے کا

کیا میں بھی کوئی نقش کف پا ہوں کہ ظالم
رفتار میں موجود تھا ٹھوکر میں نہیں تھا

رو دیا قتل کے بعد اس نے پشیماں ہو کر
اس کو پیدا جو جفا کش کوئی مجھ سا نہ ہوا

آتی ہے دل میں لب معشوق تیر یار تھا
میری اور اس کی طرح ان میں بھی باہم پیار تھا

کش مکش میں بھی اگر رکھا تو میری خاک کو
باد کا جھوکا بھی اس کی شوخیٔ رفتار تھا

خون کی میرے دیت مجھ سے ہی لینی تھی ضرور
قتل کا میرے سبب میرا لب اظہار تھا

جو اشارا تھا حریفوں سے سو میرے قتل کا
ترک چشم یار تھا تو مست پر ہشیار تھا

بے خبر دل اور جگر کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے
ان پہ کس کافر کی دزدیدہ نظر کا وار تھا

اپنی نادانی تو دیکھو بے وفا سے جور کا
اس طرح سر پر لیا گویا ہمیں درکار تھا

جذبۂ دل میں بھی تھا اس ناتوانی کا اثر
اس کا رخ گہ سوے عاشق گہ سوے اغیار تھا

سر بلندی روزیٔ حق گو ہے کوئی وضع ہو
تھا سر منصور اونچا گو بہ سعیٔ دار تھا

خدا ہی جانے اثر تھا یہ کس کی شوخی کا
کہ دل میں ہوتی تھی رہ رہ کے بےقراری رات

تمام زلف کو یوں دل نے چھان مارا ہے
کہ جس طرح کوئی رستہ چلے ہے ساری رات

ہونا پامال جو قسمت میں نہ تھا اپنی تو کیوں[1]
اتنے اندازوں میں آئی تری رفتار پسند

ٹھوکروں میں ہی رکھے دل کو مرے تادمِ زیست
گر سمجھ لے کہ اسے ہے مری رفتار پسند

بےتابیٔ دل دیکھ جگر کے ہوئے ٹکڑے
ہم درد ہوا تھا اسے ہم خانہ سمجھ کر

کعبہ بیت اللہ ہے اور اس میں نہ تھا بت کے سوا
اہل حق کرتے ہیں زاہد بت پرستی دیکھ کر

خاک اڑائیں گے ترے دیوانے کب تک دشت میں
پڑ رہیں گے کوئی گورستان کی بستی دیکھ کر

یوں ہی اگر رہیں گے یہ وحشت کے ولولے
صحرا میں مل رہیں گے کبھی خار اور ہم

وصل کی رات ہر اک بات پہ منہ پھیر کے وہ
بے مزہ یوں ہیں کہ گویا انھیں منظور نہیں

---

۱ - نسخہ اول (ص ۲۱۶) میں ''کون'' اور نسخۂ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ میں ''کیوں'' ہے -

رونا تھا دل کے ساتھ سو خوں ہو کے بہہ گیا
اب دل نہیں تو نام کو بھی چشم نم نہیں

محراب کعبہ جانتے ہیں اہل دیں اسے
کافر یہ مرتبہ تری ابرو کا کم نہیں

رگڑے ہے ایک عالم در پر ترے جبیں کو
کعبہ سمجھ لیا ہے گویا اسی زمیں کو

بولے تو تھے پر اس کی حاضر جوابیوں سے
ناچار چپکا رہنا آخر پڑا ہمیں کو

جیتے تو آسماں سا دشمن ٹلا نہ سر سے
چھاتی کی سل موئے پر پاتا ہوں اب زمیں کو

مجھ کو تو[1] اس دہن کا ہونا عدم یقیں ہے
جب بوسہ مانگتا ہوں سنتا ہوں میں نہیں کو

تیرے تو نقش کی بھی ظالم نہ تھی توقع
کیا جا کے پھوڑتے ہم کہسار میں جبیں کو

جوں شمع رات بھر کا جلنا ہے اور میں ہوں
شادی سے بزم کی کیا میرے دل حزیں کو

اس عجز نے تو پہلا سب اعتبار کھویا
لکھا مٹے ہے جو جو گھستا ہوں میں جبیں کو

مرنے کے بعد دل کی بے تابیوں سے اک دم
لاشہ ہمارا رکھنا مشکل ہوا زمیں کو

---

۱ - نسخۂ اول (ص ۳۱۶) میں 'تو' نہیں ہے، مصرع ساقط الوزن تھا - نسخۂ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں تصحیح کی گئی -

گر در نہیں بتوں کا کعبے ہی کو چلوں میں
اک سنگ چاہیے ہے آخر مری جبیں کو

پہنچوں غبار بن کے تو دامن کو دے جھٹک
محنت کسی کی میری طرح رائگاں نہ ہو

ایسا مٹا دیا ہے فلک نے کہ مثل باد
گر خاک پر چلوں تو قدم کا نشاں نہ ہو

ماہر کا شکوہ کیا ہے اسے بھی بلا تو لو
کہیے کسی کو آپ نہ اپنے گماں پہ کچھ

وہ میری لاش پر روتے ہوئے آئے ماہر
سچ ہے یہ بات کہ اُلفت سے ہے اُلفت ہوتی

بگڑ کے بیٹھنا اُس کا بناؤ ہے گویا
ہر ایک بات میں خوبی ہے خوش نما کی لیے

بڑھائی تم کو تو مشق ستم ہے اور ہم بھی
نہیں کچھ ایسے کہ اتنا جگر نہیں رکھتے

جگر میں لگتے ہیں اُڑ کر وہ ناوک مژگاں
یہ کہنے کو ہے کہ وہ تیر پر نہیں رکھتے

اس کے ہنسنے سے کھلی رمز عدم کی ماہر
کس قدر سہل ہوا عقدۂ دشوار مجھے

آنکھوں سے تو دکھا چکی کیا کچھ یہ چشم تر
کانوں سے کیا سنائے گی دیکھوں زباں مجھے

میں ہوں اسیر مجھ کو رہائی کی دے نوید
ورنہ یوں ہی بہار سے کیا باغباں مجھے

میرے تمھارے ملنے پہ کیا کیا ہیں مفسدے
اغیار واں ستائیں تمھیں یار یاں مجھے

باقی جو عمر تھی وہ تجسس میں کی تمام
پر عمر رفتہ کا نہ ملا کچھ نشاں مجھے

مانا کہ مجھ کو اور سے صحبت نہیں ولے
رکھتا ہے حسن شوخ ترا بدگماں مجھے

رکھا نہ سر کو زانوے نازک پہ شوخ نے
ان ناتوانیوں پہ ہے سمجھا گراں مجھے

بزم خرد میں یوں ہوں کہ جیسے گناہ گار
پتھر پڑیں سمجھ پہ کہ لائی کہاں مجھے

لا کشتیٔ شراب کہ غم کے محیط میں
توبہ ڈبوئے دیتی ہے پیر مغاں مجھے

ہمت سے دل نے عشق کو آساں اٹھا لیا
ہلکا ہوا یہ بوجھ دیا تھا گراں مجھے

دعویٰ تو یہ دعا کو کہ پہنچی خدا تلک
اور جا سکی نہ لے کے کبھی تا[1] بتاں مجھے

فرط سوال شوق سے ماہر نہ تنگ ہوں
کرنے دیا نہ ایک بھی پورا بیاں مجھے

کیا لیا آن کے کعبے میں سوا اس کے کہ ہم
ہوئے شرمندہ برہمن سے صنم سے جھوٹے[2]

صحرا کو لے چلے ہمیں وحشت کے ولولے
دیکھی نہ راہ آمد فصل بہار کی

---

۱ - نسخہ اول میں ''نہیں''۔ نسخۂ نول کشور میں ''تا'' ہے۔
۲ - نسخہ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ میں ''چھوٹے''۔

کہتے تھے وقت نزع سرے سب جوان و پیر
اس نوجوان نے کس پہ جوانی نثار کی

کتنا ھی ھم چراتے ھیں آنکھ اس سے پر نظر
ناچار پڑ ھی جاتی ہے کم بخت پیار کی

دل میں اک سوز سا پاتے تھے سدا ھم لیکن
اب جو دیکھا تو ہے اک خاک کا تودا باقی

شوخیوں پر ہے یہ تمکیں کہ ھوا حشر بھی اور
سب کو اب تک ھے قیامت کی تمنا باقی

ڈبڈبانے ھی میں آنکھوں کے ھوا عالم غرق
اور اب تک ھیں بہانے کئی دریا باقی

اب تیرے تغافل سے ھے پامال وگرنہ
جو چاھیے خنجر نے خبر لی مرے سر کی

اس کی زلفیں بلا ھیں اور یہ بلا
اپنے سر پر ھمیں لیے ھی بنی

جس کی دوری میں مرتے تھے ماھر
آخر اس بن ھمیں جیے ھی بنی

مبتلا

مبتلا تخلص ، جوان متین ، خوش مزاج ، نیک رفتار ، دوست رسا ، محبت افزا ، سعادت نہاد ، پنڈت اجودھیا پرشاد ، معروف بہ منشی ۔ اخلاق حمیدہ اس کے مثل نکہت گل مشام نواز اور کردار پسندیدہ اس کے اھل روزگار کے

اوضاع سے ممتاز ۔ اس کی زبان دانی سے ہند کو اصفہان پر صدہا سخن اور اس کی نکتہ طرازی سے نقاط حروف خال محبوب پر طعنہ زن ۔ مقامات کتب فارسی کو حلّال مشکلات سخن جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں نہایت تحقیق اور تدقیق سے حل کیا اور مشق سخن بھی انھیں سے بہم پہنچائی ۔ حق یہ ہے کہ معنی کی نزاکت اور الفاظ کی متانت اور کلمات کی تنگ درزی اور تراکیب کی گرمی نشینی دائرۂ ستایش میں محصور نہیں ہو سکتی ۔ یہ چند شعر اس کے افکار سے ہیں :

از دل ما ہر نفس بیروں نیاید غیر آہ
جز الف دیگر نخواند این طفل ابجد خوان ما

برق بے تابانہ خود را در تہ ابر آورد
از گزند گرمیٔ آہ شرر افشان ما

تا چو صہبائی زبان‌دان اوستاد مبتلا ست
بہتر است از خون ایران خاک ہندوستان ما

شمع چوں در بزم گرم صحبت آرائی شود
سوزش غیرت بجاں آتش زند پروانہ ر

ناتوانی قطرۂ اشکے بدامن در فشان
صاحب خرمن شود ہر کس فشاند دانہ را

اے کہ داری گردش چشم ازمن مسکیں دریغ
با رقیباں چوں بہ گردش آوری پیمانہ را

او در آغوش من است و من ہماں در جستجو
در بر سرو ست جاے قمری و کوکو زن است

اے دوست یک دم سرمہ آن چشم سخن گو را
سوالے کردہ ام از وے جوابے آرزو دارم

مبین

مبین تخلص ، بلبل گلزار سخن وری ، عندلیب گلشن معنی پروری ، فرزند دل بند حافظ قطب الدین مشیر حافظ محمد غلام دستگیر ۔ سعادات ظاهری و باطنی سے بہرۂ وافر اور کمالات صوری و معنوی سے نصیبۂ متکاثر رکھتا ہے ۔ کسب فن شعر اپنے والد ماجد کی خدمت سراسر افادت سے کیا اور موزونیٔ وہبی سے اکتساب کا سر چرخ افتخار تک پہنچا دیا ۔ ابیات غزل شوخیٔ معنی سے دشت بیاض میں نو خاستہ غزال اور سطور اشعار رنگینیٔ مضمون سے گلشن صفحہ میں تازہ نہال ہیں ۔ مصرع برجستگیٔ معنی سے برق اور کنارۂ اوراق فروغ مضمون سے شرق ۔ سن جوانی میں حلم اور تواضع اور تحصیل هنر کا شوق اور کسب کمال کا ذوق اور کثرت مروت اور فرط اهلیت جس طرح اس نیک نہاد میں جمع ہیں ، سعادت مندان روزگار سے کم کسی میں فراهم ہیں ۔ چند شعر کہ دستیاب ہوئے ، مرقوم ہوتے ہیں :

نزع کے وقت جو وہ حور شمائل آیا
ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ایک داغوں سے بھرا ایک پھپولوں سے پھلا
جگر آیا ادھر آفت میں ادھر دل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا
مے خانے میں ماتم ہے ماہ رمضان آیا

کس منھ سے بے وفا کہوں تم کو کہ میں نے بھی
شکوہ کیا ہے دل میں کئی بار آپ کا

سخت جانی کو مری کھیل کہیں سمجھے ہو
توڑنے آئے ہو کیوں خنجر برّاں اپنا

نہ سوزش جگر میں نہ دل میں طپش
مرا غم میں رونا دوا ہو گیا

نکالا صنم نے تو کعبے گیا
میں مفت میں پارسا ہو گیا

کان نازک ہیں گلوں کے کر نہ نالے عندلیب
ہے یہ مقراض محبت کھولنا منقار کا

وحشیوں کے دم سے ہیں آبادیاں
ورنہ یہ غل پھر کہاں زندان میں

وہ ادھر آتے ہیں اور پاؤں آدھر پڑتا ہے[۱]
غیر کے جذبۂ الفت کے اثر کو دیکھو

اس بزم مہ جبیں میں ہر جا خوشی تھی لیکن
کونے میں ایک دیکھا روتے ہوئے میں کو

وہی اب تک ہے ان بوسوں کی لذت
لبوں پر پھیرتا ہوں میں زباں کو

میں کعبے گئے لیکن چھپا کر
بغل میں نقشۂ کوے بتاں کو

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ مرتضوی دھلی ۱۲۷۱ھ میں یہ مصرع اس طرح ہے : ''وہ ادھر آتے ہیں اور پاؤں آدھر پڑھتا ہے میں''. اس مصرع میں 'میں' زاید ہے ۔

مرتے ہیں ایسے قاتل بیداد پر کہ ہائے
ہم موت ہی سمجھتے ہیں عہد شباب کو

نہیں رخ سے نقاب اس کے اگر محفل میں اٹھ جائے
تو پروانے کبھی مڑ کر نہ دیکھیں شمع روشن کو

کوئے بتاں سے نکلے تو کعبے گئے ہمیں
شرمندگی آتارنے کو پارسا ہوئے

ملانا یہ دو دل کا کیا جانتا ہے
فلک خاک ہی میں ملا جانتا ہے

وہ دیکھے مری نبض اے چارہ سازو
جو تم میں اجل کی دوا جانتا ہے

بے خودی میں بھی عجب چین سے دن کٹتے ہیں
کچھ خبر ہی نہیں دنیا میں کہ کیا ہوتا ہے

علاج زخم کیا اچھا مرے قاتل کو آتا ہے
کیے زخموں کے روزن بند ہر ناوک کے پیکاں سے

تڑپتے اتنے ہو رو رو کے اے ہمیں توبہ
بتوں کے غم میں ، خدا پر نظر نہیں رکھتے

بیٹھا ہوں بزم غیر میں پتھر کیے جگر
یہ بھی کیا سلوک دل بے قرار نے

ایمان اے ہمیں بتوں نے لیا ہی تھا
لیکن بچا لیا مجھے پروردگار نے

شمع روشن کو ہمیں دیکھ لے تو بھی رو کر
تفتہ جانوں کی یوں ہی رات بسر ہوتی ہے

متین

متین تخلص ، زبدۂ معتبران روزگار ، اسوۂ اقبال مندان کام گار ، رائے کانجی سہائے ، متوطن قدیم شہر لطافت نہاد الہ آباد ۔ اس صاحب اقتدار کے والد ماجد جھکڑو لال نے ابتدائے عمل داری انگریزی میں مدت ہائے مدید عہدۂ تحصیل داری پرگنۂ اہرکھ ضلع بنارس پر مامور ہو کر جاہ و اعتبار کے ساتھ بسر کی اور عم بزرگوار حکام وقت کی جانب سے تحصیل دار پرگنۂ مند کی ضلع فتح پور پر ۔ اور فن شعر گوئی اور سخن طرازی میں شاگرد شاہ محمد علیم الہ آبادی تھا ۔ یہ والا جاہ اوایل میں عہدۂ منصفی موضع منجھن پور ضلع آباد(؟)سے سرفراز ہوا اور بالفعل مسند صدرالامینی رھتک پر متمکن ہے ۔ قلم تحریر اوصاف میں عاجز اور نفس تقریر محامد میں قاصر ہے ۔ نہ عموم اخلاق کے بیان سے عہدہ برا ہو سکتا ہے اور نہ وفور حلم و بردباری کے دفتر سے حرف سرا ۔ فن سخن سے از بس کہ مناسبت ذاتی اور ذوق طبیعی ہے ، گہ گہ اوقات فرصت میں شعر فارسی کا فکر دامن گیر ہوتا ہے ۔ ہر چند اس فن میں کسی سے مشورے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن استعداد خداداد سے قدم فکر جادۂ استقامت سے منحرف نہیں ہے ۔ یہ چند شعر اس مدعا پر شاہد اور اس دعوے پر گواہ ہیں :

رنگیں بود ز بس کہ کلام متین ما
گوئی کہ کشتہ اند گل اندر زمین ما

ما دریں بزم از مذاق بادہ آگہہ نیستیم
ریخت ساقی جائے مے خون دل اندر جام ما

یک اشارت بہر دفع اضطراب دل بس است
جنبش ابرو بود گہوارۂ آرام ما

بہر مستقبل بود آئینہ حال من متین
باشد از آغاز پیدا صورت انجام ما

من چہ گویم تا چہا دیدم ز دانائی متین
اے خوشا وقتے کہ حاصل بود نادانی مرا

دیگر ز دام کاکل مشکیں رہا مکن
ایں صید زخم خوردۂ تیر نظارہ را

ہم چو فوارہ رایگاں شد صرف
بود نقدے کہ در خزانہ ما

متیں نبود رخم سرخ از مسرت بل ز ضعف تن
ندارد مرغ رنگ روے ما تاب پریدن‌ہا

از طلعت[1] تو یافت بہ عالم رواج روز
وز کاکلت گرفت بہ گیتی مدار شب

بہ ہجر دیدہ و دل غیر ازیں چہ کار کنند
کہ دیدہ گرید و دل نالہ ہاے زار کنند

از دست من چو دامن دلدار می رود
کارم ز دست و دست من از کار می رود

مجرد

مجرد تخلص محمد پناہ ۔ مرد ظریف ، خوش مزاج تھا ۔ ہر چند فکر میں مضمون یابی اور طبیعت میں معنی‌خیزی تھی لیکن کچھ اپنے مزاج کے اقتضا اور کچھ تحریک احبا

---

۱ - نول کشوری نسخے میں ”ظلمت“ ہے ۔

سے غزل خصوصاً مقطع کو مضامین ظرافت آمیز سے مملو کرتا اور مانند اس رند کے کہ ظرف حوصلہ سے زاید شراب پی جائے، ایسے اشعار کہ پڑھنے سے عین مشاعرہ میں کچھ باک نہ کرتا ۔ چند سال ہوئے کہ عالم باقی کو راہی ہوا ۔ یہ دو شعر اس کے تحریر ہوئے :

مسجد کو تیری شیخ ہمارا سلام ہے
ہم نے تو آستان بتاں سجدہ گاہ کی

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پھٹا
اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محب

محب تخلص ، شاہ زادۂ بہرام شاہ خلف الصدق شاہ زادۂ جہانیاں مدار مرزا اختر شاہ بہادر ابن شاہ زادۂ حسن شاہ بہادر مرحوم درانی ۔ ان والا شانوں کی بلند پائگی شہرۂ آفاق ہے ۔ کہتے ہیں کہ شاہ زادۂ موصوف فن شعر میں میاں جان صفیر تخلص سے مشورہ کرتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے سنے گئے :

حشر میں بھی اگر ملا وہ محب
تو یہ سمجھیں گے ہم شتاب ملا

دل میں ہر ایک کے میں کھٹکتا ہوں رات دن
گویا میں دشمنوں کے لیے خار ہو گیا

اے محب کوچے میں اس کے اڑ کے جاتا ہوں سدا
پائے شوق اپنا بھی اب بال کبوتر ہو گیا

محب

محب تخلص ، میر ابو القاسم ، برادر زادۂ میر نظام الدین ممنون ۔ خوش اخلاق ، صاحب طینت نیک ، سرمایۂ علم سے بہ قدر ضرورت بہرہ ور ، فکر سلیم و طبع مستقیم کی اعانت سے پایہ سخن سنجی کا بلند تھا ۔ جالینوس زماں ، بقراط دوراں ، حکیم احسن اللہ خاں کی قدر دانی سے وقائع نگاریٔ خاص سلطانی کے عہدے سے ممتاز اور تا دم مرگ یہی منصب اس کے واسطے موجب امتیاز رہا ۔ چند سال ہوئے کہ عالم فانی کو پدرود کیا ۔ اس کے کلام سے یہ دو شعر بہ دقت ہاتھ آئے :

کل جنازے کو محب کے دیکھ کر کہتے تھے لوگ
ایک بھی ارمان دل نکلا نہ اس مغفور کا

ہم کہتے نہ تھے خوب نہیں دل کا لگانا
لو دیکھ لیا اب تو کہ اچھا نہیں ہوتا

محبت

محبت تخلص عنایت اللہ ۔ پیشہ رنگ ریزی کرتا تھا ۔ کسی نے اس سے اصلاح شعر کی استدعا کی ، اس نے بر محل یہ مثل کہی ''رنگ ریز بریش خود در ماندہ'' چار پانچ برس ہوئے کہ اس کے ماتم سے وابستان دل فگار کا جامہ نیلی ہوا ۔ یہ شعر اس کا یاد تھا :

کپڑے تو ہزار طرح رنگے لیکن
افسوس کہ جامہ دل کا رنگیں نہ کیا

محبوب

محبوب تخلص ، محبوب خان قوال ، فن موسیقی خاندانی اور اقلیم زمزمہ سنجی میں منصب ترخانی رکھتا ہے ۔ الحان داؤدی کے اثر سے طائر رنگ کو چہرۂ عشاق سے اڑنے نہ دے اور سیلاب اشک کو روانی سے باز رکھے ۔ اگر باربد اور نکیسا اس عہد میں ہوتے، اس استاد فن کے نام سے کان پکڑتے ۔ خامہ جب اس کی زمزمہ پیرائی سے تر زبان ہوتا ہے ، اس کے صریر پر صدائے نے کا گمان ہوتا ہے ۔ گاہ گاہ زمین سخن بھی اس کے قدم افکار سے غیرت گل زار ہوتی ہے ۔ یہ دو تین شعر اس کے نتائجِ طبع سے نذر احباب ہوتے ہیں :

بیاں کیوں کر کروں درد نہاں کو
نہیں پاتا ہوں قابو میں زباں کو

خنجر بھی نہ سنبھلے جو دم قتل تو کہیے
تقصیر ہماری ہے کہ تقصیر تمھاری

قاصد آیا تو واں سے پر محبوب
دیکھیے کیا جواب لایا ہے

محزون

محزون تخلص ، جناب کمالات انتساب ، گل گونۂ روے کمال، خال چہرۂ افضال ، مورد سعادت ازلی و ابدی محمد ناصر جان مجدی ابن حضرت محمد نصیر مجدی رنج تخلص ۔ اس جناب فضیلت مآب کے خاندان والا شان کی بزرگی اور عظمت کا حال آفتاب سے

روشن تر ہے ۔ کون ہے کہ ان حضرات بابرکات کی تجلیٔ معارف کے آگے ''ارنی'' گوئی سے موصوف اور ''خر موسیٰ صعقا'' کے ساتھ معروف نہ ہو ۔ ذات تقدس آیات اس جامع کمالات کی اسی تجلی کا مظہر اور اسی شجر کا ثمر ہے ۔ جو کمالات وہبی و کسبی کہ اس خاندان فیض نشان سے اختصاص رکھتے ہیں ، ان سے قطع نظر کرکے صرف انہیں صفات حمیدہ کے ساتھ منسوب کرنا اور ثنا کا مدار انہیں اوصاف پر رکھنا ایسا ہے کہ ماہی کی ستایش میں شناوری پر افتخار کرنا ۔ اکتساب علوم رسمی میں سعی کو رکاب شوق میں ایسا دوڑایا کہ عرق کے ہر قطرے نے دامن کو دریا اور آستین کو گرداب بنایا ۔ ہر فن میں یک فنی ، خصوصاً میدان ریاضی میں یکہ تاز اور اس جولان گہ کو ان کی شاہ سواری پر صدہا ناز ہے ۔ عرصۂ دراز ہوا کہ سواد شاہ جہاں آباد سے عظیم آباد کی طرف تشریف فرما ہو کر چندے اس سر زمین کو اپنے قدم فیض توام سے رشک گل زار کیا ۔ ناگہ درد گردہ عارض ہوا اور جو کہ قرابادین مشیت میں اس مرض کی دوا نے ترکیب نہ پائی تھی ، استعمال ادویہ مفید نہ ہوا ۔ چند روز کے بعد آسمان تقدیس سے ندائے ''ارجعی'' پہنچی اور بہ کشادہ پیشانی معارف نا متناہی کا بدرقہ لیے ہوئے گلشن جناں کی طرف راہی ہوئے اور والد ماجد کو درد جدائی سے 'موتوا قبل ان تموتو' کے مضمون سے موصوف کر دیا ۔ آپ کا جنازہ اس راہ دراز سے شاہ جہاں آباد میں لائے اور جسم مطہر اور بدن مقدس کو درگاہ فلک پائے گاہ کے احاطے کے اندر حضرات کے قدم کے نیچے مدفون کیا ۔ جو کہ علوم شریفہ اور فنون منیفہ کے اشتغال سے فرصت بہت کم دست یاب ہوتی تھی ، فن شعر کی طرف کم التفات

فرماتے۔ الا ماشاءاللہ یہ دو تین شعر اتفاقاً جزدان حافظہ میں محفوظ رہ گئے تھے، تیمناً مرقوم کیے:

تھی جس سے نہ ایک دم گوارا فرقت
دکھلائی فلک نے پھر دوبارہ فرقت

اب زیست تلک بھی اس سے ملنا معلوم
گردن پہ تری خون ہمارا فرقت

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی آیا
آہ محزوں ہمیں یاران وطن بھول گئے

محزون

محزون تخلص مرزا منگو ابن مرزا ایزد بخش معروف بہ مرزا نیلی ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بادشاہ۔ شوکت ان کے خاندان کی کنیزان خدمت گزار سے اور اقبال ان کے دودمان کے غلامان وفا شعار سے ہے۔ دین داری کی طرف بہت مائل اور پرہیزگاری میں اپنے اقران و امثال سے ممتاز۔ اصلاح شعر کا عبداللہ خاں اوج تخلص سے اتفاق ہوا ہے۔ یہ شعر ان کے نتائجِ طبع سے ہے:

اس کے منہ کون چڑھ سکے محزوں
ہاں مگر منہ پر اس کے آیا خط

محزون

محزون تخلص ہے آغا علی نام جوان وجیہ، خوش مزاج، حلیم طبع، پسندیدہ اخلاق کا۔ ساکنان شاہ جہاں آباد میں

اس صفت کے ساتھ کم کوئی پایا جاتا ہے ۔ کتب درسیہ کو تحقیق سے پڑھا اور شاہ جہاں آباد سے ایک دو منزل پر کسی شہر میں عہدۂ مدرسی پر مامور ہے ۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے :

حرم کعبہ مبارک ہو تجھی کو زاہد
سجدہ گہ اپنا تو سنگ در دل دار ہوا

اب ہے دزدیدہ نظر کیوں مری جانب ظالم
پہلے ہی دل تری زلفوں میں گرفتار ہوا

محسن

محسن تخلص ، حافظ محسن ۔ مرد معمر ، حافظ قرآن اور تجوید حروف سے فی الجملہ بہرہ ور اور خوش آوازی کی بدولت عزیز دل ہا ، ریختہ گوئی میں مشاق قدیم ۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے :

سب آنکھ بند کیے یار ہو گئے راہی
عدم کا صاف ہے رستہ چلے چلو تو سہی

بتاتا یار ہے اپنا پتا ہر اک جانب
کہیں تو کھوج ملے گا چلے چلو تو سہی

شروع عشق میں ہم سے وہ بت آنکھیں چراتا ہے
ابھی تو دیکھیے آگے خدا کیا کیا دکھاتا ہے

محمود

محمود تخلص محمود علی خان ، برادر زادۂ نواب اعظم الدولہ سرور تخلص ۔ جوان خوش مزاج ، بلند فکر ، تیز طبع تھا ۔ ہرچند اس کی ذہانت اور ذکا میں شک نہیں لیکن کم استعدادی اور موزونیٔ طبع کی نخوت سے اس کا ثمرۃ الفواد خام پخت رہا ۔ اور اپنی خوش فکری کے خیال سے سراپائے سخن کو خلعت اصلاح سے آرایش نہ دینا اس پر مزید ہوا ۔ اس کے سارے دیوان سے یہ چند شعر انتخاب ہوئے :

افسوس ہوا حشر میں کیا بے گنہی کا
قاتل جو ہمیں سر بہ گریباں نظر آیا

جام مے سے کیا کھلے اسرار عرفاں شیخ پر
ہو چراغ اصلا نہ رہبر دیدۂ بے نور کا

دیکھ گلزار میں جاوے نہ بھڑک آگ کہیں
بلبل سوختہ جاں کھینچ نہ افغاں گستاخ

ایک شب کیا ہے رہے گا گر یہی کچھ انتظار
روز محشر تک نہ ہوں گے دیدۂ بیدار بند

چشم سے خوں نہ جاری رہے ہر دم کس طرح
خار غم دل میں خلیدہ ہی رہا ایک نہ ایک

محمود

محمود تخلص مرزا محمود شاہ ابن مرزا بابر بہادر مغفور ابن حضرت عرش آرام گاہ اکبر شاہ بادشاہ ۔ یہ بلند مکان

داماد حضرت ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی سے مشرف اور اپنے جدامجد کے عہد سے اب تک ممتاز اور مفتخر ہے ۔ فن شعر میں ذوق مرحوم سے مستفید ہے ۔ یہ دو شعر ان کے مسموع ہوئے :

ہاتھوں سے اے جنوں ترے جاؤں کہاں نکل
دامن سیا نہیں کہ گریباں نکل گیا

غیر کو ساغر شراب ملا
اور ہمیں دیدۂ پر آب ملا

محو

محو تخلص ، نواب غلام حسین خاں مہین برادر نواب زین العابدین خاں عارف تخلص خلف نواب غلام حسین خاں مرحوم مسرور تخلص ۔ جوان وجیہ ، خوش اخلاق اور لطف و مروت میں شہرۂ آفاق ہے ۔ اس والا نژاد کی عالی خاندانی شرح و بیان سے مستغنی اور اس کے حماید اوصاف حیطۂ تقریر سے خارج ۔ ہرچند شعر و سخن کی طرف گہ گہ ملتفت ہوتا ہے لیکن حسن طبیعت اور رسائی فکر سے کلام سے مشاقی برستی ہے ۔ یہ اشعار اس کے نتائجِ افکار سے ہیں :

قید ہستی سے رہائی غیر ممکن تھی ہمیں
آج دم دے کر اجل کو ہو گئے آزاد ہم

موجود ہوں میں سامنے تیغ و کفن لیے
جو جو تمہارے دل میں ہیں ارماں نکالیے

سخت جاں صحبت سے تیری اے ستم گر ہوگیا
بت پرستی کرتے کرتے میں بھی پتھر ہوگیا

گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں اب بام پہ وہ بھی
اتنا تو ہوا ہے مرے نالوں کے اثر سے

انداز جنوں کون سا ہم میں نہیں مجنوں
پر تیری طرح عشق کو رسوا نہیں کرتے

گل کھانے کو دیتے ہیں مجھے غیر کا چھلا
ڈھب میرے جلانے کے وہ کیا کیا نہیں کرتے

اس کو استقبال کہیے آپ کے دیدار کا
آ گیا آنکھوں میں دم ہی مجھ نحیف و زار کا

اپنا اپنا حوصلہ ہے اپنا اپنا ضبط ہے
میں نہیں موسیٰ کہ مجھ سے عذر ہو دیدار کا

دل لگانے کا مزا دیکھ لیا آخرکار
ہم نہ کہتے تھے کہ اے محو پشیماں ہو گا

محوی

محوی تخلص ہے محمد بیگ نامی ساکن ریواڑی نوجوان خوش ترکیب ، خوش زبان ، بلند فکر ، سلیم طبع کا کہ مدت سے زمرۂ طلباے مدرسۂ شاہ جہاں آباد میں منسلک اور زور استعداد سے اماثل و اقران سے ممتاز ہے ۔ نظم و نثر فارسی اور ریختہ میں دست گاہ تمام اور قدرت مالا کلام حاصل اور ان سب فنون میں جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی

سے مستفید ہے - یہ چند شعر اس کے نتائجِ طبع موزوں سے ہیں :

فارسی

چوں زلف تاب خوردۂ خورشید عارضاں
دارد ہزار صبح در آغوش شام ما

محوی چو بگذری سوے گلزار عرض کن
با عندلیبِ عشق و بہ قمری سلام ما

ساغر بنوش بر لب آب رواں کہ عمر
بیش از دمے نگشت میسر حباب را

بہر ما زنجیر شد موجے کہ صبح
از نسیم افتاد بالاے شراب

ز حد مبر ستم اے بے وفا کہ در بر دل
بہ این ضعیفیٔ تن نالۂ رساے ہست

بیا بکش کہ شہیدان تیغ جور ترا
بناز تست اگر میل خون بہاے ہست

ز حال محویٔ آزردہ دل چہ می پرسی
جگر فگار، ستم دیدہ، بی نواے ہست

ناتواں صید تو امروز ندارد تابے
بہ چہ تقریبِ تو اے زلف بتاب آمدۂ

پشتم از درد کماں کردی و رفتی چوں تیر
بے وفا پیشہ مگر عہد شباب آمدۂ

برما چه جفا ها که تو صیاد نه‌کردی
شد فصل بهار آخــر و آزاد نه کردی

یکے بر سر خاکم نه گذشتی که تو ظالم
جولاں نه زدی بر وے و برباد نه کردی

دیگر که در آید به فریب تو که محوی
از دست غمت مرد و گهش یاد نه کردی

ریختہ

جیر دکھلایا جو پہلو اس ترے نخچیر کا
دل کی جا سینے میں پیوستہ تھا پیکاں تیر کا

اثر سے ضعف کے دامان یار تک ہمدم
ہزار جاے ٹھہر کر مرا غبار آیا

سپاہ فتنہ چلی آئے ہے یـہ سنتا ہـوں
اجل ٹھہر یہ گماں ہے مجھے کہ یار آیا

عالم تھا خدائی کا ترے کوچے میں کل رات
زاہد بھی وہیں سبحہ بہ کف گوشہ نشیں تھا

کبھی اجل ، کبھی آفت ، کبھی قیامت کی
ترے بغیر تھی کس کس کی یادگاری رات

محوی کو قتل کر کے اب افسوس کیا ضرور
ہونا جو کچھ تھا وہ تو مرے یار ہو گیا

بگڑے غیروں سے تو دی داد وفا کی دل نے
تھا تو دیوانہ یہ کیا وقت پہ ہشیار رہا

پیکان یار دل نے یوں کر رکھا ہے مخفی
رکھتا ہے پاس گویا اک راز دل نشیں کو

اس کی گلی سے کل تو لائے قضا کے منھ سے
جاتا ہے آہ محوی پھر آج تو وہیں کو

اب تو لا نام خدا لب پہ کہ محوی اس وقت
تیرے کچھ اور نظر آتے ہیں آثار مجھے

دم بھر جو یوں ہی روئے یہ چشم تر تو ہم بھی
برپا ہزار طوفاں اے ابر تر کریں گے

محوی کو اس گلی سے لے آئیں گے اٹھا کر
دو چار یار مل کر تکلیف اگر کریں گے

کر۔٘ سے قتل میرے مت ڈر کہ ان لبوں کو
اک کھیل ہے جلانا اک بات خوں بہا ہے

مخمور

مخمور تخلص : جوان ارجمند و برنائے سعادت پیوند ، مقبول کونین شیخ غلام حسنین ، متوطن قدیم ، معمورہ مینو سواد فرید آباد ۔ قرابت[1] مولوی ابو الحسن شیدائی ۔ اس سنجیدہ اطوار کی اہلیت مزاج اور حلم و بردباری کو لکھوں یا لیاقت و ہوشیارخرامی و آدم‌شناسی کو بیان کروں ۔ جو کہ موزوں طبع ہے ، گہ گہ فکر شعر کرتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

گل زار کھلاتی ہے یہ داغ جگری کا
رکھتی ہے اثر آہ بھی باد سحری کا

۱ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں ''قرابتی'' ہے ۔

، کچھ اپنے پرائے کا خیال اب نہیں اصلا
عالم ترے نظارے سے ہے بے خبری کا

کچھ سعی سے بھی ہم کو تو حاصل نہ ہوا حیف
پھل نخل تمنا سے ملا بے ثمری کا

ہے موج ہوا سے بھی تو جوں گرد پریشاں
مخمور یہ کیا ڈھنگ ہے شوریدہ سری کا

مخیر

مخیر تخلص ، جوان سعادت دست گاہ محمد احسان اللہ متوطن قدیم شاہ جہاں آباد اور بالفعل تحصیل معاش کی تقریب سے قصبۂ میرٹھ میں مقیم ہے ۔ فن فارسی میں استعداد معقول اور ریختہ گوئی میں فکر رسا ہے ۔ شیخ ابراھیم ذوق مرحوم سے تلمذ رکھتا ہے ۔ چند اشعار اس کے کلام سے انتخاب ہوئے :

بنا کر آئینہ خود ہیں کیا آئینہ رویوں کو
ہمیں حیرت ہے ہم نے کیا بگاڑا تھا سکندر کا

ہے مخیر اس پری کی جستجو میں ہرزہ تاز
رات دن پھرتا ہے دیوانہ خدائی خوار اب

واعظا جس دن سے کی ہے توبہ پی جاتا ہوں میں
میرے لب تک گر کبھی آتی ہے پیمانے کی رات

گو کہ میرا خون ناحق حشر تک سر پر رہے
خوش تو ہو لو رقص بسمل کا تماشا دیکھ کر

حضرت دل مہر تھی اس میں نہ اُلفت نے وفا
تم نے اس کافر کو چاھا تھا بھلا کیا دیکھ کر

هم نہ کہتے تھے کہ کعبے کو مخیر جا چکا
رہ گیا رستے میں آخر اک کلیسا دیکھ کر

یہ نہ ہو گا کہ مرے قتل سے در گزریں گے
جو رقیبوں نے سکھایا ہے وہ کر گزریں گے

ہجر کے دن ہیں مخیر انھیں آسان نہ جان
اک مصیبت ہی سے گزریں گے اگر گزریں گے

کس لیے پہلو میں مچائی ہے دھوم
حضرت دل خیر تو ہے جان کی

مدبر

مدبر تخلص ، سید امیر الدین ساکن شاہ جہان آباد ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر ۔ یہ دو شعر اس کے مرقوم ہوئے :

اے مدبر جو کچھ ہے قسمت سے
وہ ہی ہوتا ہے وہ ہی ہووے گا

چاند سا مکھڑا وہ جب دیکھا مجھے غش آ گیا
جوں کتاں ٹکڑے گریبان شکیبائی ہوا

مرحوم

مرحوم تخلص ، مرزا محمد یار بیگ شاگرد حافظ قطب الدین مشیر۔ یہ دو شعر اس کی غزل سے منتخب ہو کر درج کتاب ہوئے :

پر ہے داغوں سے غضب سینۂ سوزاں میرا
آتشیں پھول یہ رکھتا ہے گلستاں میرا

کیا بنی دل پہ جو رو رو کے کہے ہے مرحوم[1]
ملک الموت کے اب ہاتھ ہے درماں میرا

مرزا

مرزا تخلص میرزا حسین بخش خلف مرزا وجیہ الدین مغفور معروف بہ مرزا کوچک سلطان ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ۔ زمرۂ شاگردان حافظ عبدالرحمان احسان سے ہے اور شوق سخن گوئی قدیم سے گوشۂ خاطر میں جا گزیں :

گہہ داغ کو سہوں ہوں، گہہ زخم جھیلتا ہوں
مرزا ستا رہا ہے ذوق جفا یہ مجھ کو

مرزا

مرزا تخلص، نو باوۂ گلشن سعادت، ثمرۂ باغ سیادت، نو بر نہال جوانی، آبیار چمنستان زندگانی، مقبول طبائع خاص و عام مرزا علی نام، کہین برادر میراب[2] گلشن وفاق،

---

۱ - نسخہ مطبع مرتضوی دہلی ۱۲۷۱ھ اور نسخہ مطبع نول کشور ۱۲۹۹ھ میں 'محروم' ہے۔ نسخہ مطبع نول کشور میں 'محروم' کا لفظ جلی ہے جس سے تخلص کا ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن تخلص تو 'مرحوم' ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نسخوں میں کتابت کی غلطی سے ''محروم'' لکھا گیا، صحیح مرحوم ہی ہے۔

۲ - میراب - نسخہ اول و دوم میں معنی واضح نہ تھے اس لیے ''سیراب'' بنایا۔

آئینۂ حسن اخلاق ، طراز وسادۂ اہلیت ، میر حسین علی شوکت۔ راستیٔ سرو اس کے قامت سے مستعار ، حسن سلوک اس کی روش سے آشکار ۔ حیا اور پیشانی جیسے آب اور آئینۂ نشاط اور طبیعت گویا بادہ و آبگینہ نہاد کا خمیر مایۂ آدمیت ، خاطر کا گنجینہ ذخیرۂ اہلیت ، باغ اخلاق کا ثمر پیش رس نرمیٔ گفتار گلشن نیک نہادی کا گل خود رو ۔ درستیٔ کردار و راست روی ایسی کہ جہاں خرام کرے اس زمین سے سبزے کی جگہ سرو پیدا ہو ، صفائی طینت اس طرح کی کہ جس خاک پر سایہ افگن ہو ، ہر ذرے سے آئینہ ہویدا ہو ۔ طبع سلیم موزونیٔ اشعار کی ترازو ، طراوت الفاظ گوہر نظم کی آبرو ۔ اگر اس کی نوک قلم تیز نہ ہو ، گوہر مضامین ناسفتہ رہیں اور اگر اس کی زبان خاموش ہو ، معانیٔ غریب نا گفتہ رہیں ۔ حداثت سن میں طبیعت جوان ، ابتداء نشوء نما[1] میں نہال فکر سر بہ آسمان ۔ یہ اشعار نمونہ ہیں اس کے خرمن کا اور یہ ابیات شمہ ہیں اس کے حسن سخن کا :

شوق گریہ ہے تو اس شوخ کے گھر تک نہ کبھی
نامہ منت کش پرواز کبوتر ہو گا

نہ یہ لب اور نہ یہ بات نہ غمزہ نہ نگاہ
چاند کس منہ سے ترے منہ کے برابر ہو گا

اپنے ہی ہاتھ سے ہم آپ گلا کاٹ مریں
گر یہ جانیں وہ جنازے پہ مقرر ہو گا

بعد مرنے کے بھی آرام کی صورت معلوم
قبر میں ساتھ جو یہ ہی دل مضطر ہو گا

---

۱ - نسخہ نول کشور ۱۲۹۹ ھ (ص ۳۲۲) نشو و نما - ع

پرتو فگن جو وہ رخ پُرنور ہو گیا
آئینہ شعلۂ شجرِ طور ہو گیا

از بس کہ کر دیا مجھے الفت نے بے نیاز
یاں تک کھنچا کہ ان سے بھی اب دور ہو گیا

مجھے رہتا ہے از بس فکر اس خورشید تاباں کا
شعاع مہر ہے جو تار ہے میرے گریباں کا

صد شکر کہ ہے ساتھ جنازے کے وہ بے مہر
آغاز سے بہتر ہے یہ انجام ہمارا

مصور کس طرح کھینچے شبیہ یار کو ہم دم
بنے انساں سے کیا جو کام ہووے دست قدرت کا

دست بستہ معجز عیسیٰ تھا جس کے رو بہ رو
وہ بھی اس بیمار کی بالیں سے کچھ مضطر اٹھا

ہے رات ظلم تازہ، سحر ہے ستم نیا
سیکھی ہے تم نے چرخ ستم گار کی طرح

ان جفاؤں کے ہم تو عادی ہیں
اور کیجے کوئی ستم ایجاد

ابر کو ہے رشک میری چشم دریا بار پر
ہے وہ چشم تر کہ دریا کو بھی مارے دھار پر

نہ نرگس کی وہ صورت ہے نہ آہو کی ہے آنکھ ایسی
جو دوں تشبیہ تو کس سے تمھاری چشم فتاں کو

ہوا کرتا ہے انس انسان کو انسان سے واعظ
کریں گے لے کے کیا جنت میں ناداں حور و غلماں کو

کچھ تو خدا کے واسطے تدبیر کیجیے
مرزا کی آہ و نالـہ و فریاد کے لیے

جانا کہ نشست ان کو ہے منظور غشی تک
اب سے کبھی ہم ہوش میں آیا نہ کریں گے

ہمسایوں کو سونے نہیں دیتا ہے فغاں سے
مرزا کو ترے کوچے میں لایا نہ کریں گے

آنکھوں سے نکل کر مرے لخت جگر آئے
دیکھو تو کدھر تھے یہ ، کدھر سے کدھر آئے

کرتا ہوں میں جو دم بت دل بر کی حکایت
ناصح بھی اگر آئے تو دل تھام کر آئے

مرزا

مرزا تخلص ، مرزا جہانگیر بیگ ، طالب علم مدرسۂ آگرہ ۔ یہ شعر اس کی غزل سے مرقوم ہوا :

جگر کی آگ جو بھڑکی تو پھر نہ سرد ہوئی
ہزار طرح سے کی ہم نے اشک باری رات

مرزا

مرزا تخلص ، چمن پیرائے حدیقۂ الفت و اتحاد ، گلشن بہارستان یکتا دلی و وداد[1] ، شناور محیط یگانگی ، فارس مضمار فرزانگی ، قادر انداز رموز خرد ، باریک بین اوامر نیک و بد ،

---

۱ - نسخہ نول کشور (ص ۲۳۴) 'ووداد' ، یہی صحیح ہے ۔

عزیز دل ہائے پیر و جواں ، مرزا جان سلمہ الرحمان خلف رشید ممتاز عالم کمال ، واقف اسرار تکمیل و اکمال ، یگانۂ جہاں میر وزیر علی مرثیہ خواں مرحوم ۔ خلق اس کی ذات میں ایسا جیسے گل میں بو اور حیا اس کی پیشانی میں اس طرح جیسے گوہر میں آبرو ۔ دشمن اس کے مہرورزی سے دوستی میں آمادہ اور بیگانے اس کی آشنا پرستی سے یگانوں سے زیادہ ۔ آفتاب کو اس کے ضمیر سے وہ نسبت جیسے سائل کو کریم سے ، نگار خانۂ چین کو اس کی طبیعت رنگین سے وہ مشابہت جیسے موسم برگ ریز کو باغ نعیم سے ۔ صناعت موسیقی کو حد کمال تک پہنچایا اور استادان فن کے فیض شاگردی سے رتبۂ استادی پایا ۔ جو کہ اظہار اس فن کا زمانۂ حال میں حال شرفا کے منافی ہے ، مرثیہ خوانی کے پردے میں اس نغمے کی شد کو بلند اور اس ترانے کی شان کو ارجمند کیا تا کہ اپنی اوقات تو آئمۂ ھدیٰ کی یاد اور مقبولان بارگاہ الٰہی کے ذکر میں بسر ہو اور مستمعان نکتہ شناس کو اپنے مذاق کے موافق اور ہی لطف میسر ہو : چہ بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار ۔ اس فن کی غایت مہارت اور نہایت معرفت کا ذکر کروں یا آواز کی خوش آیندگی اور اثر کی نشتر فروشی کو لکھوں ۔ اگر پتھر کبھی اس آہنگ دل ربا کے سننے کے واسطے کان بہم پہنچائے ، بے تکلف جوش دل سے کوہ بدخشاں کے مانند ہزار چشمۂ خون آنکھ سے بہائے ۔ سبحان اللہ یہ آواز وہ نشتر ہے کہ اس کا اثر دل سے رگ مژگاں تک جلوہ گر ہے ۔ جو کہ اس قدوۂ ارباب کمال کو راقم تذکرہ صابر ہیچ مدان کے ساتھ روابط محبت مربوط اور قواعد صداقت مضبوط ہیں ، ناتواں بیناں بدپیشہ سے اندیشہ

دامن گیر ہوتا ہے کہ مبادا اس تعریف کو یار فروشی اور آشنا ستائی پر قیاس کریں اور نہ سمجھیں کہ یہ اوصاف اس کے کمالات سے ایک شمہ اور یہ مدائح اس کے محاسن سے ایک شرزمہ ہیں ، اس واسطے اسی قدر عبارت مختصر پر قناعت کر کے احباب صادق الوداد کی خدمت میں معروض ہوتا ہے کہ باوجود ان کمالات کے سخن وری و معنی آفرینی کو رونق اور دی ہے اور فصاحت زبان اور لطافت بیان کو آبرو اور بخشی ہے - یہ چند شعر اس کے نتائج افکار سے انتخاب کر کے نذر نگاہ شوق کرتا ہوں :

ہم نے یاں طرفہ ماجرا دیکھا
ایک جلوہ ہزار جا دیکھا

دیکھ کر تجھ کو ہم نے کیا دیکھا
ایک ہنگامہ یاس کا دیکھا

وہ بھی گھر تھا بتوں ہی کا زاہد
قبلہ کعبے میں تم نے کیا دیکھا

ایک بوسے پہ اس قدر رنجش
آپ کا ہم نے حوصلہ دیکھا

اُن کی ہم پر بھی آنکھ پڑتی ہے
ہم نے چھپ چھپ کے بارہا دیکھا

وقت رخصت نہ تم نے مرزا کا
نامرادانہ دیکھنا دیکھا

صحیح البیاض[1]

مروت

مروت تخلص میر باز خاں۔ احوال اور مسکن سے اطلاع نہیں۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

کی بہت تدبیر لیکن کیا کروں
دل کو ہم دم چین آتا ہی نہیں

مست

مست تخلص سر مست خاں افغان۔ اس کا حال کچھ دریافت نہیں۔ یہ شعر اس کا مسموع ہوا :

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ ٹیڑھوں میں یہ کیوں
خانہ جنگی تمھیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مسرور

مسرور تخلص ہے نواب غلام حسین خاں بہادر مرحوم ابن شرف الدولہ نواب فیض اللہ بیگ خاں بہادر مغفور کا۔ جو کہ

---

۱ - 'صحیح البیاض' کا لفظ نسخہ مطبع نول کشور ۱۲۹۹ ھ میں نہیں ہے، محض نسخہ مطبع مرتضوی دھلی ۱۲۷۱ ھ میں ہے۔

اس بلند مرتبت کی والا دودمانی اور عالی تباری کا حال حد خامۂ راقم سے افزوں ہے اور کمال شہرت سے محتاج تحریر نہیں ، ناگزیر ایک دو حرف مناسب مقام لکھتا ہے۔ مشق سخن حد کمال تک پہنچی تھی اور رسائیٔ فکر عرش الکمال تک ۔ حرف حرف ان کے سخن کا وحی و الہام پر ناز کرتا ہے اور نقطہ نقطہ ان کے الفاظ کا شاہدان شیریں شمائل کے خال پر زبان طعنہ دراز ۔ مہارت علم موسیقی خصوصاً ستار نوازی کے باب میں جو کمال خاصل تھا ، اس کا وصف آشنائے زبان کرنا فرط وضوح سے حکم تکرار میں ہے ۔ اس ساز کا ہر تار بجائے آہنگ نغمۂ ستایش زبان پر رکھتا ہے ۔ چند شعر تحریر تذکرہ کے وقت جز دان حافظہ میں موجود تھے ، مرقوم ہوتے ہیں :

ماہ پر میری سیہ بختی کا گر سایہ پڑے
چادر مہتاب ہو دامن شب دیجور کا

لکھ کر زمیں پہ نام ہمارا مٹا دیہ
ان کا تو کھیل ، خاک میں ہم کو ملا دیہ

ناداں نہیں جو اپنے کو رسوا کرے کوئی
دل ہی نہ بس میں ہوئے تو پھر کیا کرے کوئی

بیٹھے کیا کرتے ہیں صحرا میں تگاپو ہی سہی
چشم خوبان نہ سہی دیدۂ آہو ہی سہی

سخت جانی سے دم ذبح مرے ہاتھ نہ کھینچ
کہ تجھے تجربۂ قوت بازو ہی سہی

مشتاق

مشتاق تخلص ، زبدۂ خاندان شرافت و اسوۂ دودمان نجابت ، یگانۂ دوران کریم خاں ۔ شجاعت اس کی ذات کا ایک جوہر اور مروت اس کے نہاد استعداد کا کمترین ثمر ۔ سر تا سر عالم کو گام سیاحت سے طے کیا اور اسپ ہوس کو تیغ ہمت سے پے ۔ بالفعل نواب حسن علی خاں بہادر برادر حقیقی نواب فیض محمد خاں بہادر مرحوم والیٔ جھجر کی رفاقت میں عزت و اعتبار کے ساتھ بسر کرتا ہے ۔ عرصہ چند سال کا ہوا کہ آقائے نامی کے سر انجام کار کے واسطے ولایت انگلشیہ میں جاکر نوادر و غرائب کو چشم عبرت بیں سے دیکھا اور عجائب شہر لندن کو دیدۂ تامل سے مشاہدہ کیا ۔ لیکن اب جس دن سے خاک شاہجہاں آباد اس کے قدم سے رونق پذیر ہوئی ہے ، اسی عمدہ صاحب اقتدار کے سایۂ الطاف میں رخت افگن اور بادیۂ قناعت میں گام‌زن ہے ۔ موزونیٔ طبیعت مقتضی ہوتی ہے کہ گاہ گاہ اشعار آب دار اس کی خلوت خاطر سے جلوہ گاہ کاغذ میں خراماں ہو کر دل ربائے اہل ہوش ہوتے ہیں ۔ یہ چند شعر اس کے مرقوم ہوئے :

لطف اس آبلہ پائی کا تو جب تھا مشتاق
کہ ہر اک دشت پر از خار مغیلاں ہوتا

اللہ رے سوز دل کہ مسیحا سا چارہ گر
رکھتے ہی ہاتھ نبض پہ بیمار ہو گیا

---

۱ ۔ 'خاطر خلوت' (نسخۂ نولکشوری) ۔

هر چند راز دل کو چھپایا نہ چھپ سکا
آخر ہر ایک واقف اسرار ہو گیا

رہتا تھا کہاں قوت پرواز تو دیکھو
اس عالم فانی میں میں بے بال و پر آیا

برقع جو اٹھا اس رخ تاباں سے تو ہمدم
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا

عمر پرواز تو سب قید میں گزری یارو
اب یہ ڈر ہے کہیں آزاد نہ کر دے صیاد

رخسار پر یہ خال سیہ بے سبب نہیں
خط پر نہ ہو جو مہر تو خط معتبر نہیں

مشتاق

مشتاق تخلص مشتاق علی خاں - ایرانی الاصل ، علوم رسمی اور رمل میں دست گاہ تمام رکھتا تھا - حسن خط خط خوباں کے حسن سے خوش نما تر اور طراز سخن کلام دلبراں سے دل ربا تر - شعرائے پائے تخت حضرت شاہ عالم بادشاہ سے شمار کیا جاتا تھا یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے :

کی یک نگاہ یاس جو مژگاں یار پر
سو برچھیاں چلیں دل امیدوار پر

رنگ کیوں سبز ہے چہرے کا ترے اے مشتاق
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

مشتاق

مشتاق تخلص ہے مشتاق حسین نامی مرد معمر ، درویش صفت کا کہ مرید با اخلاص مرشد جہانیاں سلطان ابن سلطان ابوالظفر سراج‌الدین بہادر شاہ ہے۔ ہر وقت حرف حق جل جلالہ ورد زبان اور ہر دم یاد الٰہی شغل جان و جنان۔ یہ شعر اس کا مرقوم ہوا:

رہی تھی یاد جو زلف سیہ تمھاری رات
تو دل پہ سانپ سا لوٹا کیا ہے ساری رات

مشتاق

مشتاق تخلص ، غلام علی ، شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر۔ مشق سخن کو کہنگی اور طرز کلام کو تازگی بخشی۔ فکر خوب ، ادا مرغوب رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

خط تو بھیجا ہے وہاں پر اڑ گئے ہیں ہوش بھی
ہووے گی تسکیں ، سلامت جب کبوتر آئے گا

فرصت کہاں جو اب دل بے تاب تھامیے
الجھے ہوئے ہیں دامن و جیب قبا سے ہم

دم آ گیا ہے لب پہ مسیحا شتاب آ
اب ہے دم اخیر دم امتحاں نہیں

مشتاق ذرا ہوش میں آؤ نہ بکو را
کر بیٹھے ہیں وہ وصل کا اقرار نشے میں

هرجائی پن سے اس کے ٹھکانے نہیں ہے دل
پھرتا خراب ہوگا مرا نامہ بر کہیں

مشتہر

مشتہر تخلص ، مولوی احمد حسین ، ساکن فرخ آباد ، شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر - یہ شعر اس کا مرقوم ہوا :

چاہو گے حشر میں تم کس سے ستم کا انصاف
ان بتوں کی تو طرف ساری خدائی ہوگی

مشفق

مشفق تخلص ، احمد بیگ ، قوم مغل ، شاگرد مرزا اعظم علی اعظم تخلص اله آبادی - ساٹھ برس سے دارالخلافہ آگرہ اس کا محل بودو باش اور کتابت یا تعلیم اطفال وسیلۂ تحصیل معاش ہے - یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں :

یہ منھ کہاں جو یار سے بوسہ طلب کریں
حسرت ہزار ہوں دل امیدوار میں

میرے آنے کا اسے دھیان جو آ جاتا ہے
اٹھ کے دروازے میں زنجیر لگا جاتا ہے

مشہور

مشہور تخلص ، پنڈت رادھا کشن ، شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر - جوان خوش مزاج ، حلیم طبع ہے - یہ دو شعر اس کے

سنے گئے :

افلاس میں بھی دل ہے غنی غم کی بدولت
داغوں کے ورم اور رخ زرد کے زر سے

کس سے ہے عیادت کی تمنا تمھیں مشہور
جو جاں کا ہو دشمن اسے کیا کام خبر سے

مشیر

مشیر تخلص ، یکتائے عہد نسیج وحید[۱] ، سخن سنج بے مثل و نظیر ، مبدع معانیٔ دلپذیر ، حدیقه طراز مضامین رنگیں حافظ قطب‌الدین ۔ ارشد تلامذہ بل خلیفۂ راشد شاہ نصیر مرحوم ۔ ملک سخن وری میں کوس ''لمن الملک'' اسی کے دروازے پر بجتا ہے اور کشور قادر الکلامی میں نقارۂ صاحب قرانی اسی کے نام پر صدا دیتا ہے ۔ متانت تراکیب سے بنائے کلام کو ایسا استحکام دیا ہے کہ ناخن اعتراض کلید اس کے انہدام سے عاجز ہے اور فروغ معنی سے سواد رقوم کو ایسا منور کیا ہے کہ خطوط شعاعی آفتاب اس کے روبرو اپنی بے نوری پر معترف ہے ۔ شاگردان شاہ نصیر نے بعد وفات استاد کے اس کی قدرت سخن کو دیکھ کر مثل‌قلم سر کو خط فرمان پر رکھا اور اپنے سخن کو اسی کی نظر اصلاح سے آراستہ کرنے لگے ۔ اب تک شاگردوں کی تربیت کا آفتاب مرتفع ہے اور کوکب اقبال سخن اوج پر کہ ایسا قدردان کمال ادھر متوجہ ہے اور یہ چاہتا ہے کہ

---

۱ ۔ نسخہ مطبع مرتضوی دهلی ۱۲۷۱ھ میں 'وحد' ہے ۔

مے کدۂ سخن کی شراب بے غش اور گوہر معنی کی آب بے کدورت رہے۔ آبا و اجداد اس ذی مرتبت کے خاندان اعتبار اور دودمان شرافت سے تھے اور یہ بزرگ خاندان سب کا گل سرسبد اور مظہر سعادت ازل و ابد ہے۔ ہمیشہ روزگار کی سعادت سے ابنائے دھر میں نہایت جاہ و وقار کے ساتھ بسر کی ہے۔ پیش تر مرزا دارا بخت مرحوم ولی عہد سابق کی سرکار میں کارخانہ جات مختلفہ کی داروغگی سے کہ گویا داروغگی کل کے قایم مقام اور اختیارات تمام کے نایب مناب ہے، ممتاز تھا اور اب بھی خدمات شایستہ سے سرفراز ہے۔ جو کہ موزونی خانہ زاد اور فکر شعر خادم دیرینہ ہے، باوجود ھجوم اشغال ضروری کے سخن گوئی اور اصلاح تلامذہ سے کبھی فارغ نہیں دیکھا۔ یہ چند شعر اس یگانۂ روزگار کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

دل لگائے وہ حسینان وفا دشمن سے
جسے منظور ہو دنیا میں پر ارمان ہونا

دن برے ہیں تو بھلے بھی کبھی آئیں گے مشیر
دل کو قابو ہی میں رکھنا نہ حراساں ہونا

اس قدر بیتابیاں بہتر نہیں ہیں اے مشیر
صبر سے بیٹھے رہو دیکھو خدا کرتا ہے کیا

گفتگو غیر سے اُس شوخ جفاجو کی مشیر
مشورہ کیوں کہ کہوں غیر کے شامل نہ ہوا

وصل سے یاس تا نہ ہو دل کو
جھوٹے وعدوں کا اعتبار ہوا

کچھ نہ ہوگا تم رقیبوں کی طرف ہوگے تو کیا
اے بتو میری طرف میرا خدا ہو جائے گا

ناصحوں کو کوئی سمجھاؤ سمجھ کر آئیں وہ
یہ مشیر ایسا نہیں جو پارسا ہو جائے گا

میں کیوں کہ شب غم میں جیا مرنے میں کیا تھا
کس دست تمنا ، میں گریبان قضا تھا

کیا بھروسا مجھے پیغام بروں کا اپنے
کس کو مطلب جو کہے کوئی کسی کا مطلب

وہ چلے گھر سے یہاں دل نہ رہا قابو میں
ہو گئی یار کے آنے کی خبر آپ سے آپ

کیسے اداس بیٹھے ہوئے آپ ہیں مشیر
روئے نہیں جو دل پہ ہے غم کا غبار آج

اس پُر جفا کو حشر کا دھڑکا ہے کیوں مشیر
بندوں سے کیا کہا جو کہیں گے خدا سے ہم

الٰہی کون سی جنت ہے بے حور
کہاں لے جاؤں گا اس بد گماں کو

ارشاد مشیر آپ کا جو کچھ ہے بجا ہے
کس منھ سے یہ فرماتے ہو چاہا نہ کریں گے

توبہ یہ کوئی دن کی ہے پھر آپ ہی حضرت
قابو میں نہ دل ہوگا تو کیا کیا نہ کریں گے

مضطر

مضطر تخلص ، پنڈت کنہیا لال ، پسر پنڈت بشن نرائن.

ساکن املی محله ۔ جوان خوش ترکیب ہے ، اہلیت ذاتی اور سعادت جبلی سے بہرہ ور اور زبان اردو میں سخن گستر ہے ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

خنجر جلادّ ہے فولاد کا
سخت جانی وقت ہے امداد کا

مضطر

مضطر تخلص ، مرزا سنگی مرحوم ۔ نسبت خاندان تیموریہ سے اس کا سر اعتبار بلند تھا ۔ اصلاح شعر مومن خان مومن سے تھی اور رسائی طبع اور استقامت فکر معین ۔ یہ شعر اس کا ہے :

تھا خود وہ تڑپنے سے خجالت زدہ ، ہم تو
مضطر کے کبھی خون کا دعویٰ نہ کریں گے

مضطر

مضطر تخلص ، مرزا خسرو شکوہ عرف مرزا آغا جان ، ابن مرزا سلیمان شکوہ ، ابن شاہ عالم بادشاہ ، شاگرد حافظ عبدالرحمان خان احسان ۔ صفائی الفاظ رشک آئینہ حلبی اور رنگینیٔ معنی غیرت نگار خانہ چین ۔ یہ دو شعر اس کے اشعار آبدار سے انتخاب ہوئے :

حال میں کس سے کہوں اے دل نالاں اپنا
تو ہی جب اپنا نہیں کون مری جان اپنا

ناصحا کیوں کہ اٹھاؤں کہ مری چشم کے ساتھ
ربط رکھتا ہے سدا گوشۂ داماں میرا

مضطر

مضطر تخلص ، محمد اسداللہ ولد شیخ محمد فیض اللہ ، ساکن پلکنہ ، علاقۂ کول ۔ صاحب اطوار گزیدہ اور نبائر سراج السالکین ، شمس العارفین ، مخدوم انام ، مقبول خاص وعام ، عارف بے ہمال ، شیخ محمد جمال قدس سرہ العزیز سے ہے ۔ مدت ہوئی کہ عہدۂ وکالت محکمۂ منصفی شہر کول پر مامور اور سعادت و اہلیت کے ساتھ مشہور ہے ۔ گاہ گاہ فکر شعر ریختہ کرتا ہے ، یہ دو تین شعر اس کے افکار سے ہیں :

ملی فرصت نہ جبیں سائی سے
دیر چھوٹا تو حرم یاد آیا

ہے آج اس پہ دیکھ لب گور خندہ زن
روتا رہا تھا در پہ ترے جو تمام شب

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے
گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

مظفر

مظفر تخلص ، مرزا مظفر ، پسر متوسط مرزا شاہ رخ مرحوم ، ابن حضرت ظل سبحانی دام ملکہ ۔ خوش فکر اور خوش مزاج ہے اور مشورۂ سخن اول ذوق مرحوم سے تھا ،

اب راقم تذکرہ سے ہے ۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں :

ٹالا باتوں ہی میں ہمیں تم نے
جب کبھی وصل کا سوال کیا

کیا گزرتی ہے رفتگاں پر ہائے
کوئی کہتا نہیں عدم کی بات

معروف

معروف تخلص ، نواب الٰہی بخش خاں مغفور ، برادر نواب احمد بخش خاں مرحوم ، والیٔ فیروز پور جھرکہ ۔ تعلقات دنیا کو ترک کر کے گوشۂ عافیت میں توشۂ راہ عاقبت کو بہم پہنچایا اور لباس احوال کو طراز فقر سے مطرز فرمایا ۔ فن شاعری سے مناسبت تام تھی ، مدت مدید تک مشق سخن شاہ نصیر مرحوم سے کی تھی ، لیکن طبیعتہ خدا داد کی رہنمائی سے کشور سخن میں برخلاف استاد کے ایک رستہ اور صاف و پاکیزہ ہاتھ لگ گیا ۔ صاحب دیوان اور اس فن میں صاحب اقتدار تھا ۔ اصناف سخن پر قدرت اور انواع کلام سے آگاہی ۔ سو بیت ''تسبیح زمرد'' نام حسن سبز کے وصف میں اس سے یادگار ہیں ۔ مدت ہوئی کہ جہان فانی سے عالم باقی کی طرف راہی ہوا ۔ یہ چند شعر اس کے کلام بلند مقام سے منتخب ہوئے :

اشعار دیوان

ایسے ھفتے دوست کی خاطر پہ مت جا اے رقیب
چار دن کی بات ہے یاروں سے بھی یارانہ تھا

آئینہ ساں کیا غرض ہم کو بد و نیک سے
سامنے جو آ گیا ایک نظر دیکھنا

اور تو باتیں بری چھٹ گئیں سب جیتے جی
آنکھ منڈے پر چھٹا ایک مگر دیکھنا

بڑا سنتے تھے ہم روز قیامت اور روزوں سے
قیامت ہی بڑا نکلا جو دیکھا روز ھجراں کا

مجھ کو دنیا میں سیہ بخت اگر کرنا تھا
رنگ خال رخ جاناں ہی بنایا ہوتا

زندگی اب کس طرح ہو دیکھیے معروف کی
بے طرح پھرتا ہے کچھ اس کو وہ قاتل ڈھونڈتا

کہاں تک راز عشق افشا نہ کرتا
مثل یہ ہے کہ "مرتا کیا نہ کرتا"

دل کے ہاتھوں سے ہوں اے حضرت ناصح ناچار
ورنہ ہے یوں ہی جو کچھ آپ نے ارشاد کیا

جلوہ جہاں خوشی ہو اے مست ناز کرنا
دل اور آئینے میں پھر امتیاز کرنا

آہ میں اپنے جی سے در گزرا
دل نہ پر عاشقی سے در گزرا

ہو گئے تم تو مرے دشمن جاں
ایسی میں دوستی سے درگزرا

ملا کیجے جو ناصح سبز رنگوں سے تو ڈر کیا ہے
اثر ہوتا نہیں ہے زہر رکھیے گر ہتھیلی پر

کرتا ہے نہ کچھ سوے عدم تو ہی سفر پیش
اے نقش قدم سب کو یہی راہ ہے در پیش

مفت برباد مری خاک ہوئی جاتی ہے
اس کے کوچے میں صبا کاش اڑا کر لے جا

جامے سے بوے گل کی طرح ہم نکل چلے
اے بے خودی یہ تیرے نشہ کی ترنگ ہے

ابیات "تسبیح زمرد"

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزاری ہوا
خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف تلخ اب ترے منھ سے ہے نکلتا بے ڈھب
سبزہ رنگ آج ہے تو زہر اگلتا بے ڈھب

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جو مرے ساتھ سے رات
کیا کہوں اڑ گئے طوطے سے مرے ہاتھ سے رات

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق
جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

بیٹھے بیٹھے سبزہ رنگوں کا جو یاد آتا ہے رنگ
دن میں سو سو بار اپنا سبز ہو جاتا ہے رنگ

سبزہ رنگوں پہ نہ اپنا ہو کہیں جی مائل
اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

یہ حالت غم میں ہے ان سبزہ رنگوں کے مرے جی کی
چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے مجھے صحبت رہی دن رات کی
چاہتا ہوں ہر جگہ سر سبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہوویں گے لہری ہم سے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہم سے

معزز

معزز تخلص ، سید محمد علی ، ساکن مکن پور ، شاگرد انیس لکھنوی ۔ عرصہ کئی مہینے کا ہوا کہ شاھجہاں آباد میں راجہ پٹیالہ کے ھمراہ وارد ھوا ، اور راقم کو اپنی ملاقات سے مسرور کیا ۔ اس کے اشعار سے یہ شعر درج تذکرہ ھوا :

لکھتے لکھتے اڑ کے پہنچا ھاتھ پر اس شوخ کے
شوق نــامہ کیا مرا بالِ کبوتر ھو گیا

معزز

معزز تخلص ، میر عزیزالدین ، ساکن شاھجہاں آباد ، شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر ۔ یہ دو شعر اس کے اشعار سے انتخاب ھوئے :

غم پہ غم صدمے پہ اک صدمہ نیا ھوتا ہے
سچ یہ ہے دل کا لگانا ھی برا ھوتا ہے

مت ستا حضرت دیدار کہ آیا ھوں ابھی
وہ تو ھر وقت کے جانے سے خفا ھوتا ہے

معین

معین تخلص ، زبدۂ خاندان نجابت ، سلالۂ دودمان شرافت ، شایستۂ قبول خاص و عام ، معین الدین نام ۔ صفحہ اس کے فروغ ضمیر سے جوں ورق آفتاب پرنور اور قلم اس کی روشنیٔ طبع سے شاخ شجر طور ۔ الفاظ اس کے رنگینیٔ معنی سے لعل شاداب ، ابیات اس کے فروغ مضامین سے بیت‌الشرف آفتاب ۔ سطور نقاط سے موج گوہر ، روانیٔ سخن شیرینیٔ ادا سے چشمۂ کوثر ۔ سواد الفاظ سے معنیٔ روشن یوں جھلکتے ہیں جیسے مینا سے شراب اور صفائیٔ عبارت سے فروغ مضمون اس طرح جلوہ گر ہے جیسے مشرق سے آفتاب ۔ سوز معانی سے الفاظ اس کے اخگر لیکن انگشت اعتراض کے حق میں اور اضطراب دل کے اثر سے مضمون برجستہ گویا ایک برق ہے لیکن حاسدوں کی خرمن جان کے واسطے ۔ ہر چند قدرت سخن سنجی سے انواع کلام اور اصناف نظم پر قادر ہے لیکن غزل گوئی کی طرف توجہ غالب ہے اور طبع معنی آفریں اسی صنف کی طالب ہے ۔ یہ اشعار تحریر تذکرہ کے وقت ایک دوست کی معرفت ہاتھ آ گئے تھے ، مرقوم ہوئے :

مر گیا آج خدا بخشے معین خستہ
ایک موزوں سا جواں تھا کبھی دیکھا ہوگا

اپنے روز سیہ سے دیکھ لیا
ہم سنا کرتے تھے بلا ہے عشق

لخت دل آنکھوں میں کھنچ آتے ہیں کس کس شوق سے
میری مژگاں پر گماں کر کے تمھارے تیر کا

مثل نقش پا اس در سے اٹھ نہیں سکتے کوئی اٹھائے
ضعف کی دولت بارے ہم بھی اتنی طاقت رکھتے ہیں

نہ چاہا حسن نے آزردہ اس نازک کلائی کو
کیا طرز تبسم نے ادا تیغ آزمائی کو

جلے گا خاک کوئی آتش افسردہ سے ظالم
ہمارے دل پہ رکھ کر گرم کر دست حنائی کو

کھچنے سے تیرے وصل کی شب بھی نہ وا ہوئے
یہ عقد ہائے دل ترے بند قبا ہوئے

ترے فراق میں بے جا ہنسی کا تھا نہ دماغ
مگر یہ اپنا ہی زخم جگر ہے کیا کہیے

تری جفا کی حکایت اور اپنا حال وفا
یہ پیٹنا تو یوں ہی عمر بھر ہے کیا کہیے

تمہاری بات ہے بے اعتبار کیا سنیے
اور اپنی کہیے تو وہ بے اثر ہے کیا کہیے

دست وحشت نہ رہیو آوارہ
کہ ترا گھر مرا گریباں ہے

دل ہے صد چاک سینے کے اندر
اور باہر مرا گریباں ہے

دیکھ کر بخیہ کیجیے ناصح
بندہ پرور مرا گریباں ہے

مفتون

مفتون تخلص، حکیم اگوستین ڈسلوا پرتگیز خاں،

ابن دون حکیم ایش ڈسلوا پرتگیز خاں۔ مخفی نہ رہے کہ یہ شخص قوم پرتگیز اور باشندگان قدیم شہر پرتگال سے ہے۔ اس کے اجداد میں سے ایک شخص تھا علم طب میں ماہر، پیڈرد نام۔ شاہ پرتگال نے اس کو پیڈرد[1] سلوا لاتین دو تور خطاب دیا۔ وہ کسی تقریب سے حضرت شاہ جہاں آباد میں وارد ہو کر محمد شاہ بادشاہ کے کسی پرستار خاص جلیانہ نام کی معرفت عہدۂ طبابت پر مامور ہوا۔ چو کہ بہانہ جوئی الطاف شافی حقیقی سے اس پرستار نے اس کے علاج سے شفا پائی، پیش گہ عنایت سلطانی سے خرد مند خاں خطاب اور پالکی جھالر دار اور منصب ہفت ہزاری عطا ہوا۔ پھر راجا جے پور نے بادشاہ سے درخواست کی اور اس کو اپنے ساتھ جے پور کو لے گیا۔ اس کی ذریات جے پور میں ساکن اور اکستین صاحب اس تخلص کا بھرت پور میں زمرۂ اطبا میں منسلک ہے۔ اخلاق اس کے پاکیزہ اور زبان ریختہ آس کی شستہ۔ کمال تعجب ہے کہ اصل و نژاد سے انگریز اور نشو و نما یافتۂ جے پور کہ اس نواح کی زبان کے الفاظ درشت کی دل کوبی بیان سے مستغنی ہے اور اس پر زبان کی یہ صفائی اور روز مرہ ایسا پاک ہو کہ گویا یہ تازہ نہال گل زمین شاہ جہاں آباد سے سر سبز ہوا ہے۔ یہ شعار اس کے سخن سے انتخاب ہوئے:

نکالوں کس طرح پہلو سے ٹکڑا اس کے پیکاں کا
کہ مدت میں گزر دل میں ہوا ہے آ کے مہماں کا

بزم میں خوب ہی چلتی تلوار
ذکر ابرو نہ ہوا خوب ہوا

---

۱ - نسخۂ نول کشور ۱۲۹۹ھ (ص ۳۲۱) میں ''پیڈرڈ'' ہے۔

کیا غم دل خراب بنا اور بگڑ گیا
پانی کا تھا حباب، بنا اور بگڑ گیا

کس جا پہنچ کے آہ تھکے دیکھیے نصیب
جس وقت رہ گیا فلک پیر ہاتھ بھر

رنگ حنا میں بوے وفا کا نہیں ہے نام
مفتوں کے خوں میں او بت بے پیر ہاتھ بھر

عجب تیرے کشتے کا دیوانہ پن ہے
نہ ثابت لحد ہے نہ تار کفن ہے

مفتون

مفتون تخلص مرزا کریم بخش مرحوم ، نبیرۂ حضرت عالم گیر ثانی اور داماد سراج الدین بہادر شاہ دام ملکہ ۔ یہ اشعار اس کے طبع زاد ہیں :

آج وہ دن ہے کہ ہم بسمل ہیں وہ خنجر بکف
دیکھتے ہیں ہم دموں اللہ کی قدرت کو ہم

غیر سے ملتا ہے وہ مفتوں ہمارے سامنے
کوئی دن کو کام فرماتے ہیں اب غیرت کو ہم

غیر کے واسطے ہوا نا خوش
قدر تو نے ہماری کیا جانی

ملول

ملول تخلص محمد یار ، ساکن بچھڑاؤں ۔ مدت ہوئی کہ طالب علمی کی تقریب سے وارد دھلی اور غرور ذھانت سے شعر میں اصلاح کا طلب گار نہیں ۔ یہ شعر اس کا پسند آیا تھا ، سو لکھا گیا :

کس کے مژگاں کی چھیڑ ہے کہ ملول
دل میں کچھ خار سا کھٹکتا ہے

ممتاز

ممتاز تخلص سید میاں ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر ، یہ شعر اس کا سنا گیا :

بھول کر ممتاز کس کو دل دیا
جان کے دشمن تجھے کیا ہو گیا

ممنون

ممنون تخلص ، یگانۂ عصر و وحید روزگار ، زبدۂ کملائے ہر دیار ، والیٔ اقلیم سخن وری ، مالک ملک معنی پروری ، هم آغوش معانیٔ بکر ، هم دوش شاهدان فکر ، چاشنی گیر مضامین دل نشین ، میر نظام الدین ، خلف ملک الشعرا میر قمر الدین منت غفراللہ لہما ۔ اوصاف اس کامل الصفات کے حوصلۂ تحریر سے افزوں اور حد تقریر سے بیروں ہیں ۔ ریختے میں ایک طرز تازہ اختراع کی اور حق یہ ہے کہ بہ موجب اس فحوا کے 'کل جدید لذیذ' اس کی لذت کے رو بہ رو نعمائے موائد قدما سے جی سیر ہو گیا ۔ پیش گاہ عنایت سلطانی سے فخر الشعرا خطاب اور دبستان لطف ازلی میں حضرت رحمان سے تلمذ کا انتساب ۔ طبیعت لآئی شاہ وار سخن کی نیسان ، دل گوهر آب دار معانی کا عمان ، بلندیٔ فکر سے کنگرۂ عرش پست اور نشۂ معنی سے اهل سخن کی طبیعتیں مست ۔ شوخیٔ غزل کے سامنے جوانوں کی طبع خجل ، متانت قصیدہ کے

رو بہ رو پیروں کی وضع منفعل ۔ نمک کلام ایسا کہ ہرچند اجتماع مداد کثرت صمغ[1] کی امداد سے سعی کرے ، زبان قلم کا زخم التیام نہ پائے ، اور شیرینیٔ ادا ایسی کہ اگرچہ حیلۂ حسد طلاقت لسان کی کمک سے اہتمام کرے ، چارۂ خاموشی ہاتھ نہ آئے ۔ نقطہ اس کی غزل میں سوز و گداز کے اثر سے رنگ گل اور طراوت شبنم پیدا کرے اور دہان دوائر مضمون شور و فغاں سے ہنگامۂ قیامت برپا ۔ تراکیب فارسی کو زبان ریختہ سے ایسا ارتباط بخشا کہ کمال آشنائی سے بے گانگی کا اثر نہیں پایا جاتا ، اور معانیٔ درست کو الفاظ قریب الفہم سے اس طرح جلوہ دیا کہ ماہ سی روزہ کی مانند کوتہ نظر بھی اس کے نظارے میں دھوکا نہیں کھاتا ۔ کور سوادان کم فہم کہ اس کے سخن بلند کے معانیٔ غریب اور مضامین دل فریب اور نکات باریک کو سمجھ نہیں سکتے ، خود اس کی طرف التفات نہیں کرتے اور ارباب فہم کہ سواد روشن اور طبع سلیم رکھتے ہیں ، غرابت تشبیہ و استعارات اور دور آہنگیٔ تلمیح و اشارات اور متانت تراکیب اور رشاقت اسالیب اور برجستگیٔ نکات اور بلندیٔ ابیات میں تو کچھ سخن نہیں کر سکتے ، لیکن اس غرض سے کہ ناخن دقت کی کاوش اور طبیعت رسا کا دخل ظاہر ہو ، کہیں کہیں سرقے کے ساتھ متہم کرتے ہیں ۔ یہ بزرگ وار خیال نہیں کرتے کہ ایسا سخن سنج پر مایہ کہ اگر اس کے صندوق سینہ کو وا کریں ، گنجینۂ تحت العرش کے مقابل دوسرا خزینہ شہار میں آئے ، معانیٔ پیش پا افتادۂ چند کو کس امید پر

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ میں صمغ ، نسخۂ اول (ص ۳۳۸) طبع ۱۲۷۱ھ میں 'ضمع' غلط ہے ۔

زمین بے گانہ سے التقاط کرتا اور ان سے کس افزونی کی توقع پر اپنا خزانہ بھرتا ۔ سخن چینوں کی عنان طبیعت اگر تعصب کے ہاتھ میں نہ ہوتی ، اس کلام میں احتمال توارد کو راہ دے کر معذور رکھتے اور باقی سخن کے لطف سے طبع انصاف کو مسرور ۔ اور اگر سرقے کو بھی تسلیم اور اس پاک دامن کو ناکردہ گناہ سے ماخوذ کریں تو بھی اگر حد اعتدال سے تجاوز اور دائرۂ انصاف سے خروج وقوع میں نہ آئے ، تو ان دو چار شعر کے سوا باقی کلام کو دیکھیں اور انصاف سے نظر کریں کہ اتنا سرمایہ کس صاحب قدرت کو حاصل ہوا ہے ؟ غزلوں کا ہجوم غزالان دشت ختن سے بیشتر ، قصیدوں کا انبوہ کوکبۂ سلاطین سے اکثر ، مصرعہ ہاے رباعی سے عناصر اربعہ کے مانند ابعاد ثلثہ مشحون اور ابیات قطعۂ تضعیف بیوت شطرنج کی طرح شمار سے افزوں ۔ مدت مدید تک نواح اجمیر میں عہدۂ صدر الصدوری پر مامور رہا ۔ آخر ضعف پیری کے عذر سے اس مشغلے سے دست کش اور شہر شاہ جہاں آباد میں خانہ نشین ہوا ۔ دس گیارہ برس کا عرصہ ہوا کہ سفر آخرت اختیار کیا ۔ جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ العالی نے یہ قطعۂ تاریخ موزوں اور ہر بیت کو معانیٔ دل نشیں سے مشحون کیا :

میر ممنوں از جہاں بگذشت و نزد عالمے
زندگی را از ممات او بود حکم ممات

سر بہ جیب عقل بردم گفت آں گہ پیر عقل
''شاعر شیریں زبان ہند'' تاریخ وفات

۱۲۶۰ھ

دیوان فصاحت بنیان سے یہ اشعار آب دار انتخاب ہو کر سخن فہمان انصاف دوست کی نظر مین جلوہ گر ہوتے ہین :

اے آہ بے ادب نہ اسے آگ دے کہ ہے
دل جلوہ گاہ پردہ نشینان راز کا

برا مانیے مت مرے دیکھنے سے
تمھیں حق نے ایسا بنایا تو دیکھا

نہ کی غمزہ نے جلّا دی نہ ان آنکھوں نے سفّا کی
جسے کہتے ہیں دل اپنا وہی قاتل ہوا جاں کا

الٰہی وہ جو وعدے ہیں وفا کس طرح ہوویں گے
نہ واں خو یاد آنے کی نہ یاں شیوہ تقاضا کا

گماں نہ کیوں کہ کروں تجھ پر دل چرانے کا
جھکا کے آنکھ سبب کیا ہے مسکرانے کا

یہ سینہ ہے یہ جگر ہے یہ دل ہے بسم اللہ
اگر خیال ہے تلوار آزمانے کا

مجھے یہ درد ہے معلوم حکمِ بلبل بن
نہ میری خاک پہ کر قصد پھول لانے کا

غموں کی گر یہی بالیدگی ہے تو آخر
دل گرفتہ نہیں سینے میں سمانے کا

جھکی نگہ میں ہے ڈھب پرسش نہانی کا
حیا میں زور دیا رنگ مہربانی کا

کہاں سے روز دل و سینہ و جگر لاؤں
تمھیں تو کھیل لگا ہاتھ تیغ رانی کا

نہیں بچا مرض عشق سے کوئی ممنوں
ہمیں دریغ بہت ہے تری جوانی کا

تا عدم ہے شور اپنی آہ کی تاثیر کا
ہے سویدائے دل عنقا ہدف اس تیر کا

خفتگاں خاک کے سر پر قیامت ہو گئی
غالباً ہنگامہ پھر اٹھا کسی رفتار کا

جس برق نے جلا کے کیا خاک طوز کو
رو کش ہے اس سے حوصلہ اپنے گناہ کا

بسمل ہوا ہے لب پر ہر حرف آرزو کا
ہے زور رنگ تیرے کشتوں کی گفتگو کا

چکے ہے نیم تبسم پہ خوں بہا اپنا
ہمارے قتل پہ کیا ہے سبب تسامل کا

رہے ہے رو کش نشتر ہر آبلہ دل کا
یہ حوصلا ہے کوئی ، بل بے حوصلہ دل کا

رواں ہے خون چپ و راست دونوں آنکھوں سے
جگر کا سوچ جدا ، فکر ہے جدا دل کا

تیری قامت نے کیا خوب ہی سیدھا اس کو
سرو گلشن کو بہت دعوئ رعنائی تھا

بدگمانی سے ڈرا ورنہ لیا تیرا جو نام
دیکھتا بوسے کی خاطر میں لب دلالہ تھا

کھل چکے ہیں کیا نقاب و پیرہن کے بند کیا
ایک پردہ شرم کا تھوڑا سا حائل[1] رہ گیا

غنچے کو اس کے آگے تھا لاف خوش دہانی
کچھ جو وہ بول اٹھا تو کیا جواب آیا

تمام درد ہوں معلوم کچھ نہیں کہ کہاں
ترے خدنگ نے کی ہے تن نزار میں جا

اللہ رے کاو کاو کہ ہر ہر نفس کے ساتھ
الماس ریزہ تھا کہ نیاز گلو ہوا

پردہ کس چہرے سے تھا رات وہ اٹھ اٹھ جاتا
پرتو اک برق کا سا شامل مہتاب رہا

کیا تب دل ہے تہ خاک کہ تربت پہ مری
ٹمٹماتا سا رخ لالۂ شاداب رہا

تھا حسن میں نہ رنگ ادا کا نہ ناز کا
یہ نقش یادگار ہے آئینہ ساز کا

شغل شب فراق یہی تھا کہ دھیان میں
اک اک شکن گنا تری زلف دراز کا

ہائے کس سوختہ کی نبض پہ رکھی انگشت
کہ مسیحا کو بہت ہاتھ جھٹکتے دیکھا

کل وصل میں بھی نیند نہ آئی تمام شب
اک بات پر تھی لڑائی تمام شب

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نول کشور ۱۲۹۹ھ : ''تھوڑا سا حائل رہ گیا -'' نسخۂ اول (ص ۴۴۰) میں 'یل' سہو کتابت ہے -

کس بے ادب کو عرض ہوس ہر نگہ میں تھی
آنکھ اس نے بزم میں نہ اٹھائی تمام شب

ہائے بے کاری وحشت کہ رکھیں مشغلہ کیا
نہ تو دامان ہے ثابت نہ گریبان درست

ایک دل تھا کہ ذرا اس سے رہیں تھیں باتیں
غم غلط کرنے کو وہ بھی نہ رہا یا قسمت

شب وصال کا جو دم ہے سو غنیمت ہے
سفیدۂ سحری آج مت شتاب چمک

منتظر

منتظر تخلص ، میاں جان خاں ، ساکن معمورۂ کوٹلہ ، جس کی زمین ، برکت قدم فیض توام ، فخر بنی آدم ، علت غائی وجود عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرش بریں پر ناز رکھتی ہے ۔ مرد فہیم اور صاحب طبع سلیم تھا ۔ ڈھولک بجانے میں کوس صاحب قرانی اسی کے نام پر آواز دیتا تھا ۔ چند سال ہوئے کہ عندلیبان گلشن فردوس کی دم کشی کے شوق میں دشت عدم کو راہی ہوا ۔ کبھی کبھی شعر گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوتا تھا ، یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

ہمیشہ خانۂ زنداں ہی میں رہا لیکن
برنگ نالۂ زنجیر میں سفر میں رہا

اٹھا دیا جو نقاب اس نے اپنے عارض سے
چراغ طور سا روشن ہمارے گھر میں رہا

منتظر مر نہ گیا ہائے شب ہجر میں تو
سامنے اس کے پڑا تجھ کو پشیماں ہونا

منشی

منشی تخلص ، منشی مول‌چند قوم کالیتھ ۔ شاگرد ازلی شاہ نصیر مرحوم اور ملازم ابدی سرکار فیض آثار سلطانی حضرت شاہ عالم بادشاہ ۔ ان کے حضور قصاید مدحیہ پڑھتا رہا ۔ شمشیر خانی کو اردو میں نظم کیا ہے ۔ عرصۂ بعید ہوا کہ عالم باقی کی طرف رحلت کی ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

مائل اس رخ کا کب آئے گل کے سایے کے تلے
محو کا کل جائے کب سنبل کے سایے کے تلے

زیر مژگاں جوں مسافر اے سرشک و لخت دل
ایک دو دم کاٹ دو مل جل کے سایے کے تلے

منصف

منصف تخلص ، مرزا احمد بخش بہادر خلف مرزا خجستہ بخت بہادر مرحوم ابن حضرت فردوس منزل ، شاگرد حافظ عبدالرحمان خان احسان علیہ‌الرحمۃ والغفران ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

نہ رکھ یاد زلف سیہ فام اے دل
یہ لائے گی سر پہ بلا یاد رکھنا

همیشه تو باتیں بناتا ہے مجھ سے
یہ باتیں تو اے بے وفا یاد رکھنا

منعم

منعم تخلص، منشی موہن لال، قوم کایتھ ۔ شعر فارسی کہتا تھا، مدت ہوئی کہ انتقال کیا ۔ یہ چند شعر اس کے اشعار سے انتخاب ہوئے :

چہ رنگ و بو کہ دل غنچہ در نہان دارد
بود بہار دگر عالم خموشی را

هنوز خاک زیارت گہ غزالان است
شہید غمزۂ چشم کرشمہ دان ترا

نظر کن نظر بر دل سخت منعم
کہ سنگ فسان است تیغ جفا را

ز قید پیچ و تاب زلف او فرصت کجا منعم
اسیر حلقۂ دل بستگی باشد فراغ ما

منعم

منعم تخلص، مکند لال، قوم کایتھ، شاگرد پنڈت نرائن داس ضمیر تخلص ۔ محکمۂ صدرالصدوری شاہجہاں آباد میں عہدۂ پروانہ نویسی پر مامور ہے ۔ گہ گاہ شعر ریختہ کہتا ہے ۔ یہ شعر اس کے کلام سے ہے :

ہو جس دم خراماں وہ پری پیکر گلستاں میں
ہر اک گل آنکھ نیچی کر رہا تھا جو چمن میں تھا

منیر

منیر تخلص ، وجیہ‌الدین ، مہین پور شاہ نصیر مرحوم ۔ مرد خوش اسلوب ، وجاہت ظاہری سے بہرہ ور ، طبع تلاش معنی میں روبراہ ۔ عرصۂ بعید ہوا کہ عالم فانی کو پدرود کیا ۔ یاران ہم رنگ اس گرم صحبت کی مہاجرت سے آج تک داغ الم کو سینہ و دل پر تازہ رکھتے ہیں ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

اے عزیزو ذقن یار سے کیا چاہتے ہو
چاہ میں دیدہ و دانستہ گرا چاہتے ہو

دلا پر درد کھا دے مانگ اس رشک مسیحا کی
مجھے یا کوٹ دے ہیرا کھرل میں سنگ موسیٰ کی

بنا سرمے کا دنبالہ قریب چشم گل رو ہے
زباں باہر نکالے حسن کی گرمی سے آہو ہے

موج

موج تخلص ، سرائندۂ بے مثل و عدیل ، خدا بخش نام ، ساکن اکبر آباد ۔ اگرچہ[1] بیشتر اقسام سرائندگی سے ماہر کہ

---

۱ ۔ نسخہ مطبوعہ نول کشور میں یہ عبارت اس طرح ہے :
"اگرچہ پیشتر اقسام سرایندگی سے ماہر تھا اور گانے پر قدرت تمام رکھتا تھا ۔"

ان کے گانے پر قدرت تمام رکھتا تھا لیکن قوالی و مرثیہ خوانی میں مصروف اور انہیں دوائر میں اطراف و اکناف میں مشہور تھا ۔ آواز میں درد اور سرائندگی میں اثر ایسا تھا کہ پتھر کا دل پانی ہو جاتا ۔ یہ اثر فقط مہارت فن کے طفیل نہ تھا بلکہ گداز دل اور سوز سینہ کی بدولت تھا اور یہ سوز و گداز عارفان باکمال کی صحبت کیمیا خاصیت سے حاصل ہوا تھا ۔ گاہ گاہ ریختہ کہتا تھا ، یہ دو شعر اس کے زبان خلق پر ہیں :

جس کی فرقت ہمیں اک آن گوارا ہی نہیں
وہ کسی طور جو دیکھا تو ہمارا ہی نہیں

بحر میں عشق کے اے موج تو زنہار نہ پیر
یہ وہ دریا ہے کہیں جس کا کنارا ہی نہیں

موزوں

موزوں تخلص ، مرزا قادر بخش ، خسر پور صابر ہیچمداں ، مرد قابل اور مسائل علم عروض و قوافی سے واقف ہے ۔ شعر کی اصلاح کبھی حضرت احسان مرحوم اور کبھی احقر سے لی ہے ۔ یہ اشعار اس کے طبع زاد ہیں :

خموش ہو کے بھی گویا کہ ہم نہیں خاموش
یہ دل بغل میں ہے موجود گفتگو کے لیے

نگہ جو پار ہے میرے جگر کے ، غیروں کو
ہوئی ہے تار دل چاک کے رفو کے لیے

مومن

مومن تخلص ، سخن سنج بے عدیل ، محمد مومن خاں مرحوم غفراللہ لہ ۔ زمین سخن اس کی بلندیٔ فکر سے رشک افلاک اور اوج فلک اس کے علو طبع کے مقابل پستیٔ خاک ، عروس معنی اس کے حجلۂ طبع میں شوخ و برجستہ ، راز غیب اس کے سینۂ قلم میں سر بستہ ، خامہ اس کے سوز معنی سے نخل‌طور اور ورق اس کے فروغ مضامین سے مطلع نور ، مصرع آہ اس کی غزل عاشقانہ میں تضمین اور اسرار یقیں اس کے ابیات عارفہ میں گوشہ گزیں ۔ سخن سنجان عصر ہر چند بالا دویٔ فکر سے عرش تاز تھے لیکن جو کہ یہ والا نگاہ اپنی ہمت عالی کے اوج سے سب کے احوال پر نگاہ کرتا تھا ، ہر سربلند اس کو پست اور ہر بزرگ اس کو خورد نظر آتا اور وہ بے تصنع اس کا نام اسی پندار کے موافق زبان پر لاتا ، اور ہر چند مساحان اقلیم کمال منازل دور و دراز طے کر کے نشیب و فراز راہ سے واقف اور راہ بیراھۂ سخن سے آگاہ تھے لیکن بس کہ یہ چابک خرام کمال پیش بینی سے مراحل بے شمار باقی پاتا تھا ، ان کو کاھل قدم اور شکستہ پا جان کر بے اختیار ریش خند کرتا اور ان تیز قدموں کو نقش پا سے نا رسا تر بتاتا ۔ جو کہ کوتاہ بینان روزگار اس والا پائگی اور علوھمت سے آگاہ نہ تھے ، اس کی نگاہ کو عیب میں اور اس کی زبان کو خردہ گر تصور کر کے زبان سرزنش دراز[1] اور طومار شکوہ دراز کرتے ۔ ایک دیوان ضخیم کہ اصناف سخن پر مشتمل اور اس کے سامنے فصاحت سحبانی

---

۱ ۔ نول کشوری نسخے میں 'باز' ہے ۔

خجل ہے اور مثنویات متعددہ مثل 'قصۂ غم' اور 'شکایت ستم' 'قول غمیں' اور 'تف آتشیں' اس قادر الکلام سے صفحۂ روزگار پر یادگار ہیں ۔ ہر چند زبان اردو میں تو علم یکتائی بلند ہی تھا ، لیکن کمال مہارت فارسی سے کوس ''لمن الملک'' کی صدا نے ہند سے فارس تک پہنچ کر طوطی ہند و بلبل شیراز کو دم بہ خود کر دیا تھا ۔ غزل ہائے فارسی کاغذ پارہ ہائے پراگندہ پر مثبت اور بالفعل محبت طبیعی اور قرابت قریبہ کے تقاضے سے اس کی تبییض میر عبدالرحمان آہی تخلص خلف میر حسین تسکین کے عہدۂ اہتمام میں ہے اور جو کہ وحید عصر ، نسیج وحد ، جالینوس زمان ، بقراط آوان ، حکیم احسن اللہ خان سلمہ الرحمان کو شفائے مرضی کے اہتمام سے قدم بڑھا کر احیائے اموات اور معجزۂ مسیحائی کی ترویج پیش نہاد ہے ، قریب ہے کہ وہ دیوان منصۂ طبع مین جلوہ گر ہو کر شہرت تمام پیدا کرے ۔ اتفاقات قضا و قدر سے ایک روز ایک مکان کے بام بلند پر عروج معنی کے تصور میں تھا کہ ناگاہ لغزش پا نے اوج سخن سے پستیٔ زمین کی طرف مائل اور اس مضمون پیش پا افتادہ کی جانب متوجہ کیا ۔ ہر چند اس بام کی بلندی چنداں پایہ نہ رکھتی تھی لیکن کچھ آسمان کی کج روی اور کچھ زمین کی ناہمواری سے دست و بازو مین ضرب شدید پہنچی ۔ اس شدت الم میں اس حادثۂ جاں کاہ کی تاریخ یہ پائی ، گویا اس کوٹھے سے پاؤں کا پھسلنا بام معنی کی نرد بان تھی :

مومن فتاد از بام گفتم چہ رفت گفتا
خود با خروش گفتم بہ شکست دست و بازو

۱ - دھر : نسخۂ نول کشور طبع ۱۲۹۹ھ ۔

گفتم کہ بایدت گفت تاریخ این مصیبت
گفتا خموش گفتم بہ شکست دست و بازو
۱۲٦۸ھ

چند ماہ انواع شداید نے وہ رنج دیا کہ ان کا تحمل حد بشر سے خارج تھا۔ آخرالامر اسی سال میں کہ بارہ سو اٹھسٹ (اڑسٹھ) ھجری تھی، سفر آخرت اختیار کر کے وابستگان جگر فگار کے دل کو رنج اور داغ مین مبتلا اور حوران فردوس کو سعادت استقبال سے مستعد کیا۔ اس امر ناگزیر کے کئی مہینے کے بعد نواب مصطفیٰ خاں بہادر شیفتہ تخلص کہ انسان صورت و ملک سیرت ھیں، رویاے صادقہ میں دیکھتے ھیں کہ گویا مومن خاں کا خط آیا ھے اور اس کے خاتمے پر خط سبز سے مرقوم ھے ''مومن اھل الجنۃ''، وسعت رحمت سے کیا بعید ھے کہ جوش دریاے مغفرت۔ اس مستحق کرامت کے دامن کو لوث عصیاں سے پاک کر دیا ھو۔ صدق اللہ عز و جل قال عذابی اصیب من اشاء و رحمتی وسعت کل شیٔ:

ابر رحمت سخت بے پروا خرام است اے صدف
تا کدامی قطرہ ایں‌جا باز گرداند عناں

اس سانحۂ عبرت افزا کی تاریخ ھے وہ مصرعہ جو میر حسین تسکین کی سال وفات اس سے معلوم اور اسی کے ذکر میں مرقوم ھے۔ مرزا اسداللہ خاں غالب نے اس رباعی کی عبارت مین اظہار الم اور اس نظم کے پیرایے میں افشاے غم کیا:

شرط است کہ روے دل خراشم ھمہ عمر
خوں نابہ بہ رخ ز دیدہ پاشم ھمہ عمر
کافر باشم اگر بہ مرگ مومن
چوں کعبہ سیہ پوش نباشم ھمہ عمر

راقم آثم بھی از بس کہ مومن جنت نصیب سے رابطہ محبت کا مستحکم رکھتا تھا ، فکر تاریخ میں سر بہ جیب ہوا ؛ ناگاہ معدن ضمیر سے ایک لعل آب دار اور ایک گوہر شاہوار ہاتھ آیا :

بر لب کوثر و تسنیم برفت
تشنۂ جام محبت مومن

گفت تاریخ وفاتش صابر
یافت مقبولیٔ جنت مومن

۱۲۶۸ھ

اجودھیا پرشاد ، صبر تخلص نے ''ماتم مومن خاں''، مادۂ تاریخ پایا اور خوب پایا اور محمد اشارت علی صدق تخلص نے بھی ایسا ایک مادہ پایا ہے کہ اس مادے سے پایے میں کم نہیں : ''مومن آباد کرد خلد بریں ۔'' اب چند شعر لکھ کر ماتم مومن خاں مرحوم کو تازہ اور اس الم کو بے اندازہ کرتا ہے اور سخن کی بے کسی پر نالہ اور معنی کی مظلومی پر نوحہ سر کرتا ہے :

فارسی

خواہم از درد فراق تو بہ فردا نرسم
خوش کنم خاطر از وعدہ پشیمان ترا

گر بحال من جان تفتہ دلت می سوزد
ہم نفس کو اثر آہ شرر افشان ترا

سودا شگون ز ناخن بالیدہ ام گرفت
بند قبائے تنگ تو وا می‌کنیم ما

نه از کین می‌شگافد آن ستم گر سینهٔ مارا
که بهر آرزوے خویش خالی می‌کند جارا

بود گر گوشهٔ چشمے ز تو دیگر نگه دارم
توان تا توانا را شکیب ناشکیبا را

چساں بر ناله ام گوشے نهد بے درد می‌داند
محبت هاے پنهاں را شکایت هاے پیدارا

پری روے به دنیا خواهم و حورے در آن عالم
زبوں بود ست طالع مختصر کردم تمنا را

خوش نیست دوره چرخ و مه و آفتاب را
از نو بنا نهید جهان خراب را

باشد سزاے وصل تو عاشق نه بوالهوس
اے آن که فتنهٔ و بلائے بیا بیا

به مهر فتنه کشد تنگ در کنار مرا
ربوده خواب در آغوش روزگار مرا

بگوئی قتل مومن از براے ترک دیں کردم
جواب آموزمت امروز پرسش هاے فردا را

به ایں طپیدن دل زیستن گماں دارم
خیال طاقت دیروز کرده ام امشب

فریاد ازیں ساده دلیها که فغانم
هر شام فریبد که اثر می‌کنم امشب

مرو مرو نتوانم گرفت در ساخت
بحالتے که طپیدن به‌صبر مانند است

مومن آهنگ حرم کرد ز بے داد بتاں
بس بجاں آمده شاید دو سه منزل برود

گل زد صلاے دیده‌ام از داغ دل خوں کردمش
آمد به امیدم طرب از یاس محزوں کردمش

توخوش که‌دل بردی‌زمن ، من‌خوش که از روز ازل
جاں دشمنے درخانه بود از خانه بیروں کردمش

گر دل به‌کف آوردهٔ اکنوں بے جاں باش
زیں پیش که بودی به مرادم به ازاں باش

ترسم که بے‌تو میرم و گوید به طعنه غیر
جانے سپرده و ز کشاکش بسر آمده

من بے تو چناں که کس مبادا
تو بے من بے قرار چو نی

ریختہ

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

بت خانے سے نہ کعبے کی تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا ہے تری کمر کا سا

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اُس در پر
نشان پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینے میں اس کا کوئی پیکاں ہو گا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہو گا

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے کہ میں
حریف کشش مکشش نالہ و فغاں نہ ہوا

معشوق سے بھی ہم نے نباھی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رھی
کچھ اب تو کفر مومن دین دار کم ہوا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

اے چارہ گرو قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آ کر وہ پری زاد رہا

کیا تم نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعوا ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

کوئی تیر اس کا دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکاں کا سا ٹکڑا نکل آیا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

مومن دیں دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برھمن ہو گیا

راز نہاں زبان اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوش یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہو گیا

عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر، حرام خوار توکّل نہ ہو سکا

تھا[1] وصل میں بھی فکر جدائی تمام شب
وہ آئے اور نیند نہ آئی تمام شب

---

۱ - نول کشوری نسخے میں (ص ۴۴۱) 'تھی' ہے۔

ہم تو بچتے نہین تا شام وہ آئے تو کیا
اے دعاے سحری منت تاثیر نہ کھینچ

ہوتے ہین پائمال گل اے باد نوبہار
کس سے آڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب مین دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ھیں کیوں آٹھ پہر بند

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ھی رائگاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مر گیا کیا ھی نوجوان افسوس

موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے شب ہجر
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص

افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

کس ضبط پر شرار فشاں ہے فغان شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبان شمع

وھاں تاب رخ اور یاں آتش دل
جدھر دیکھو آدھر ہے جلوہ گر آگ

کوئی سنتا ھی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

ٹھانی تھی دل مین اب نہ ملین گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

اتنی بھی دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

یہ طاقت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو

شب غم کا کیا بیان کیجے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نا مہرباں کو

نہ جانئے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار، وضع ترے مسکرا کے آنے کی

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

اف رے گرمیٔ محبت کہ تیرے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کر اٹھے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

پیغام بر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فساد[1] بھرے

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے

چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

جاں بلب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہ ہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

ہو نہ بے تاب غم ہجر بتاں سے مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

کیوں کر یہ کہیں منت اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

جھنجھلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی ، تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طرح سحر کرتا ہے

---

۱ ۔ نولکشوری اور مطبع مرتضوی والے دونوں نسخوں میں 'فساد' ہے لیکن معلوم ہوتا ہے یہ 'فصاد' ہے ۔

مہجور

مہجور تخلص، مرزا ہدایت علی مرحوم ابن مرزا احسن الدین مغفور ابن حضرت عالم گیر ثانی۔ صابر ہیچمداں کے برادر عم زادہ اور مرثیہ خوانی میں ماہر اور شعر گوئی میں حافظ عبد الرحمان خاں احسان کے شاگرد تھے۔ یہ شعر ان کے نتائج طبع وقاد سے ہے۔

یقیں میرے مرنے کا آیا نہ ان کو
کہا ہو گیا ہے کچھ آزار دیکھو

مہجور

مہجور تخلص، کرپا رام، خلف لالہ شوق رام، سررشتہ‌دار محکمۂ فوج داری، شاگرد منشی کیول رام ہشیار تخلص۔ نوجوان نیک نہاد، خوش طبع، راستی کیش ہے۔ اشعار فارسی کا فکر کرتا ہے۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

با آں خجستہ پی کہ ز ما گوشہ گیر بود
ربطے بہم چو تیر و کماں کردہ ایم ما

مہر

مہر تخلص، مہر علی پسر میر شہاب الدین، ساکن قدیم شاہ جہاں آباد۔ کتب فارسی میں بہ قدر ضرورت روشن سواد ہے۔ سخن گوئی کی بنا بے مشورہ بلند کرتا ہے۔ یہ دو شعر اس کے افکار سے ہیں:

آڑ گیا نور ترے سامنے ہر گل کا تو میں
یک قلم باغ کو اک تختۂ سوسن سمجھا

خاک ہونے پہ بھی محرومیٔ قسمت نہ گئی
نہ تو سرمہ ہی ہوا اور نہ غبار دامن

مہر

مہر تخلص ، مرزا حاتم علی ، شاگرد شیخ امام بخش ناسخ ۔ ہر چند اصل میں سکنائے لکھنؤ سے ہے ، لیکن مدت ہوئی کہ مقیم اکبر آباد ہے ۔ ضبط قوانین انگریزی کے وسیلے سے عہدۂ منصفی کے حصول سے کام یاب اور بعد کچھ مدت کے چنار گڈھ ضلع میرزا پور میں عہدۂ منصفی پر مامور ہو گیا ۔ ماموری کے وقت یہ شعر کہا :

از بس کہ سوز ہجر سے خوگر ہوئے ہیں ہم
منصف چنار گڑھ کے مقرر ہوئے ہیں ہم

بہر کیف سلیم‌الطبع اور تیز فکر ہے ۔ یہ شعر اس کے نتائجِ افکار سے ہے :

ہوگی تمام رات بسر پیچ و تاب میں
دل پھنس گیا ہے زلف شکن در شکن میں آج

میکش

میکش تخلص ، میر احمد حسین ابن میر کرار حسین مرحوم ۔ ہر چند نام میکش ہے لیکن حقیقت میں مے سے دست کش ہے ۔ جوان خوش اخلاق ، ظریف طبع اور عین شباب

میں متانت پیری سے بہر ور[1] ۔ فن سخن کو مرزا اسداللہ خاں غالب تخلص سے اکتساب کیا ۔ اشعار اس خوش فکر کے باوصف تلاش کے بہم نہ پہنچے ۔ اس ایک شعر پر کہ ایک دوست کی زبان سے مسموع ہوا تھا ، قناعت کی :

گفتمش دی با کہ می رفتی خراماں سوے باغ
گفت میکش بودہ باشد کاں گرفتار من است

---

۱ - بہرہ ور : نسخہ نول کشور (ص ۰ ۴۴) ۔

باب النون

نادان

نادان تخلص ، مولوی محمد بخش ، ساکن بریلی ۔ اول استاد تخلص تھا ، پھر شہیدی کے حلقۂ شاگردی میں قدم رکھ کر تبدیل تخلص صورت پزیر ہوئی ۔ علوم درسی سے آگاہ اور عروض و قافیہ میں ماہر ۔ دو تین شعر اس کے افکار سے انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے :

بار احسان تو رہا قاتل کا گردن پر مری
کب سبک دوشی ملی گو تن سے سر جاتا رہا

پھر راہیٔ زنداں میں ہوا بعد رہائی
زنجیر میں انداز ہے زلفوں کی شکن کا

جب خواب میں ملنے کا کہا حال تو بولا
جائے نہ الٹ خواب کی تعبیر کسی کی

نادر

نادر تخلص ، شنکر ناتھ ، پنڈت کشمیری ۔ مرد قابل ، علوم رسمی اور فنون متداولہ سے آگاہ اور نظم و نثر فارسی

میں صاحب دست گاہ تھا ۔ صنایع شعریہ خصوصاً صنعت معما میں مہارت تام اور عروض و قافیہ میں قدرت تمام رکھتا تھا ۔ اس تخلص کا اختیار کرنا بھی اس کی تیزیٔ فکر اور رسائی طبع اور جدت ذہن پر دال ہے کہ وہ ایک نکتہ لطیف ہے ۔ کشمیریوں کی اقوام (میں) اس صاحب طبع کی قوم کا لقب شاہ ہے ۔ دونوں لفظوں کی ترکیب سے نادر شاہ حاصل ہوتا ہے ۔ ہر چند انشاے نثر میں بیش تر صرف اوقات کرتا ، گاہ گاہ نظم فارسی کی طرف بھی ملتفت ہوتا تھا ۔ باوجود کم مشقی کے سخن اس کا متانت سے خالی نہیں ۔ چند سال ہوئے کہ جہان فانی سے انتقال کیا ۔ یہ اشعار اس کے نتائج افکار سے ہیں :

مارا بہ سیر لالہ و گل دل نمی کشد
اے چہرۂ بہار فریب تو باغ ما

ما ہمچو گرد باد دریں دشت گم شدیم
نادر بـرو بـرو کـہ نیابی سراغ مـا

لالہ زارے گل کند از دیدۂ خوں بار ما
مست گردد عندلیب از نالہ ہاے زار ما

بے سبب آزردن آزادگاں رسم کجا است
اے بہ قربان تو نادر بگذر از آزار ما

جز درد تو نیست در دل زار
این است بہ عشق حاصل ما

دل خوں کن روشنان افلاک
یک جلوۂ ماہ کامل ما

رفتی و ز خود رفتم اے برق عنان باز آ
گل بے تو نمی خندد اے سرو رواں باز آ

مرا طرف چمن جانانۂ مستانہ بایستے
نہ چشم نیم مستش ساغر و پیمانہ بایستے

نازنین

نازنین غلط فہمان ادا نا شناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام ، جوان خوش اسلوب ، رستم توان پر زور و قوت ، سہراب طاقت کا کہ نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں ، کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اس کے گل رخسار کی تازگی سے اگر آپ کو غنچہ بر گریز تصور کریں تو کیا عجب ہے ۔ اس کے خم کے آگے زور آزمایان ورزش خانۂ طاقت کا سر جھکتا ہے اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتان بیشۂ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے ۔ اور یاران ادا فہم اور حریفان ادا شناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا کہ ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی سے گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردے میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نا محرم کی بغل میں بے تکلف سونا ۔ کبھی اشارات مختصر میں دفتر مطلب یعنی سراغ دولت خانۂ محبوب کا صحیح ذہن نشین ہونا اور نصف شب میں راہ راست سے نہ بھٹکنا اور کمند اندازی کے وسیلے سے گھر میں کودنا اور پھر حصول مقصود کے واسطے کسی گوشۂ عافیت کو تاکنا ، . . . . اس خوبی سے ادا کرنا کہ دل دادۂ ہوش باختہ

باوجود اختلال حواس کے جوں کا توں سمجھ لے اور کبھی ایک تھوڑی سی بات کو داستان داستان عبات میں اس الجھاؤ سے بیان کرنا کہ بیچارہ اگر تمام عمر سر پٹکے ، مطلب کو نہ پہنچے - کبھی ایسی رکھائی سے تیوری چڑھانی کہ چند سالہ آشنائی کا ایک آن میں کوسوں تک پتا نہ ملے اور کبھی اس دل آویزی سے بات کرنی کہ بیگانہ سا بیگانہ ایک دم میں برسوں کا دوست سمجھنے لگے - ایک چولی کے مسکنے پر ہزار جامدانی کی طیاری میں عاشق کو لُوٹنا اور ایک قدم رفتار پر اظہار نزاکت سے بیچارۂ ناشکیب کو بوتۂ صبر میں گلانا ، اور اسی طرح کی اور نیرنگ سازی و شعبدہ بازی ایک گل ہے اس کے گلزار تعلیم کا اور ایک برگ ہے اس کے چمن زار تفہیم کا ؛ یعنی جب وہ مشاطۂ حجلہ گاہ خیال عزم تزئین پر کمند باندھتی ہے ، عروس زشت رخسار ہزار شاہد رعنا پر فوقیت لے جاتی ہے اور ایک دختر سادہ مزاج کڑوڑ پکی پسیی شطاح پر غالب آتی ہے اور اگر کوئی پوچھے کہ وہ عیار لاثانی اور زنان شوخ دیدہ کی آستانی کون ہے ؟ تو میں بتاؤں کہ اس کو اہل شرم و حجاب شعبدۂ زنان محتالہ اور یاران بے تکلف چھنالہ کہتے ہیں - اگر اس کی نیرنگی نہ ہو تو نہ آرایش گیسو کو مشاطہ درکار ہو اور نہ حصول ملاقات کو دلالہ - لطف کو لباس غضب میں جلوہ دینا اور شوخی کو پردۂ شرم میں چھپانا ، خود کاموں کو سو رکھائی پر لگائے رکھنا اور متلون مزاجوں کو ہزار تغافل پر اسی اشتیاق میں دن رات پھرانا اسی کم بخت کا کام ہے - بیدِ پنچم اس کی مکاری کے مخمس کا ایک مصرع موزوں ہے اور تریا چلتر اس کے دام تذویر کا ایک صید زبوں

ہے ۔ مرزا تو فقط اس کا ترجمان اور اس کی نیرنگ سازیوں کے ساتھ تر زبان ہے ۔ باتوں میں مزہ اٹھانا اور معشوق نا آشنا مزاج سے یک رنگ ہو جانا اسی کو کہتے ہیں ۔ اگر معشوقہ اس عاشق کام یاب کے گھٹ میں نہ سماتی ، مرد کے منہ میں عورت کی زبان کیوں کر آتی ۔ انصاف یہ ہے کہ اس زبان کو ایسی شستگی اور لطافت سے ادا کرنا ، پھر معانیٔ بلند اور مضامین شاعرانہ کو کسوت الفاظ میں جلوہ دینا بہت سلیقہ چاہتا ہے ۔ زبان اردو میں اول ریختی کا رواج انشاءاللہ خاں انشا تخلص نے دیا اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگیں نے ۔ خواہ اس سبب سے کہ آن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھی ، خواہ انشاءاللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا ۔ اب اس عرصے میں یار علی جان صاحب تخلص نے اہل لکھنؤ کے نزدیک اس فن میں اس کا علم یکتائی سماک رامح سے جا ٹھہرا[۱] ہے ۔ کہاں جان کاہی کی اور اس نظم کی مشق حد کہاں تک پہنچائی ۔ راقم ہیچ مدان صابر کم استعداد نے ان تینوں کی ریختی کو نظر غور سے دیکھا اور چشم انصاف سے ملاحظہ کیا ۔ ایسا مقام کم پایا کہ زبان ریختی کو لطف شاعری کے ساتھ انضمام دے کر ایک مفرح دلنواز تیار کی ہو ، بیش تر صرف عورتوں کی گفتگو اور آن معاملوں کے سوا کہ مرتبہ شناسان سخن کے نزدیک فضول اور نازک دماغوں کے[۲] آگے نا معقول ہیں ، اور

---

۱ ۔ ٹھیرا : نسخہ نول کشور (ص ۳۳۵) ۔

۲ ۔ نسخہ اول (ص ۱۰۴) میں 'کے' نہیں ہے ۔ نول کشوری نسخے میں ہے ۔

کچھ نہیں۔ اور نامعقولیت سے نہ یہ مراد ہے کہ کلام فحش آمیز یا کلمات شہوت انگیز سے زبان قلم کو آلودہ کیا ہے ؛ یہ تو اس نظم کے گوش و گردن کا پیرایہ[1] بلکہ اس طرز کا خمیر مایہ ہے۔ مراد اس سے یہ کہ وہ باتیں جو عورتوں کو اثنائے خانہ داری میں پیش آتی ہیں ، مثلاً کسی بہن بہیلی کے گھر مہمان جانا یا کسی بھائی بند کا اپنے گھر بلانا ، خصم سے ٹوم چھلے گھڑوانے کی تمنا اور کرتی انگیا رنگوانے کا تقاضا ، ایسی طرح سے خرچ کی ہیں کہ ان سے کچھ لطیفہ یا نکتہ کہ شاعر خوش مذاق کو لذت دے ، حاصل نہیں ہوتا۔ اور مرزائے مرزا منش نے ان معاملات کو اس لطافت سے ادا کیا ہے کہ سامع کا جی نکل جائے اور سننے والا کلیجہ پکڑ کر بیٹھ جائے۔ یہ چند شعر ریختی کے انتخاب کر کے پیش کش احباب کرتا ہوں کہ صدق سخن پر گواہ اور دعوئ بلند پر دلیل ہو جائیں :

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جواں تاکا
ہوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ زلیخا کا

میں اپنے سر کو دھوتی ہوں ہوا اور یہ تماشا ہے
موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دن آیا تقاضے کا

مجھے کہتی ہیں باجی تو نے تاکا چھوٹے دیور کو
نہیں ڈرنے کی میں بھی ہاں نہیں تاکا تو اب تاکا

اگر اے نازنیں تو دبلی پتلی کامنی سی ہے
چھریرا سا بدن نام خدا ہے تیرے دولھا کا

---

[1] - بل : نسخۂ اول ، 'بلکہ' نسخۂ نول کشور۔

روکنے کو مستعد کیا رات درباں ہو گیا
جان کر یہ مردوا دیکھو تو انجاں ہو گیا

صحبت اب مردوں کو ہے ان شوخ دیدوں سے ہوا
چھوڑنا گھر والیوں کا کیا ہی آساں ہو گیا

[1] کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے
اے نگوڑے آدمی سے تو تو حیواں ہو گیا

میں نے تو رکھا نہ تھا منہ پر ولیکن آپ ہی
سوچ کر کچھ مردوا دل میں پشیماں ہوگیا

کیوں کہ چاہتی نے چھوڑا جو ہمارے دن پھرے
آج آنا مردوے کیوں کر ترا یاں ہو گیا

بد زبانی چھوڑ اب تو کھوجڑے پیٹی کہیں
چاہنے والا خصم تجھ سے گریزاں ہو گیا

سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا
عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں ہوتا

اب کے وہ خصم ہیں نہیں ہوتا ہے گھر اس کا
کچھ پلے نبختی کے اگر زر نہیں ہوتا

کیا جانیے کیا کسبیوں میں شہد گھلا ہے
گھر والیوں سے خوش کوئی شوہر نہیں ہوتا

[2] کچھ ہو نہیں سکتا ہے اور اس پر ہے اکڑتا
نیچا تو نگوڑے کا کبھی سر نہیں ہوتا

---

۱ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے -
۲ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے -

ے نازنیں رنڈی کے لیے لڑ نہ خصم سے
سر چڑھنا بہت مرد کے بہتر نہیں ہوتا

[1] وہ سانولا مجھ گوری سے ہم خواب نہیں تھا
چاندی کا یہ تھیوا تھا وہ نیلم کا نگیں تھا

[2] اُڑتے تھے مزے دھوکے ہی دھوکے میں بہت سے
جن روزوں میں اُن کو مری عفت کا یقیں تھا

رنڈی ترے کرنے پہ کوئی یار میں کرتی
پر نام ڈبونا مجھے کنبے کا نہیں تھا

[3] ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر
لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا

مجھے کہے ہے ترے گھر میں شب کو یار آیا
قسم کا بھی تو موئے کو نہ اعتبار آیا

پڑا ہی رہتا تھا رنڈی کے رات دن، پر آج
سحر سے شام تلک گھر میں بے شمار آیا

پڑی نہ ہو کہیں اس بد نظر کی تجھ پہ نگاہ
ہوا مجھے تو ترا دھیان بار بار آیا

[4] وہ نقد مال سمجھ کر مجھے چمٹتا ہے
مجھی پہ کھا کے کہیں مردوا ادھار آیا

[5] یہ کل بگڑ گئی ہے رہتا نہیں حمل پھر
پچھتائی میں تو آپا پہلا حمل گرا کر

گھبراؤ تم نہ باجی لڑ کر خصم سے اتنا
اک دن وہ آپ تم کو لے جائیں گے منا کر

۱، ۲، ۳، ۴، ۵ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے۔

[1] میری نماز کھوئی اس مردوے نے آ کر
اٹھی تھی اے ددا میں کم بخت ابھی نہا کر

یسی جوان رنڈی اے نازنین نہ لو تم
لے جائے گا تمھارا شوہر آسے آڑا کر

گر مرد و زن کو پاس نہیں اپنی بات کا
پھر کیوں یہ لیتے پھرتے ہیں[2] باجی پرائے دل

یار کرنے کی عبث مجھ پہ ہے تہمت باجی
اس زمانے میں کسی کا بھی کوئی یار نہیں

اے زناخی مردوا ہے بدگماں
تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں

نازنیں اتنا بھی ہرجائی پنا
یہ تمھارے آ گیا کیا دھیان میں

[3] روز اک دھگڑے کی ہیں مہمانیاں
روز رہتی ہو اسی سامان میں

[4] بوا در گور ایسے مردوے کا منھ کروں کالا
کیا جب تک نہ منھ کالا ٹلا ہرگز نہ وہ یاں سے

تو مسٹنڈا ہے اور میں نازنیں کیوں کر بنے صحبت
موئے اُجڑے نگوڑے بے تکے[5] چل دور ہو یاں سے

---

۱ - یہاں سے ایک شعر کثافت کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے -

۲ - نسخۂ اول 'ہے'۔ نسخۂ نول کشور 'ہیں'۔

۳ ، ۴ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے -

۵ - نسخۂ اول 'بے تلے'۔ نسخۂ نول کشور 'بے تکے'۔

رات بھر تھی[1] وھی بات اور وھی چوما چاٹی
اے ددا ایسے ندیدے سے پڑا کار مجھے

دن چڑھے پر بھی دبوچے ھی پڑا رھتا ھے
مفت نظروں میں جٹھانی کی کیا خوار مجھے

مرد میں کیا کوئی جادو ھے کہ ھوں دل سے خفا
اور بوا دیکھتے ھی آئے ھے اک پیار مجھے

[2]چھوڑ یاروں کو ھوئی تو ھوں خصم پر شاکر
پر یہ بنتی نظر آتی نہیں زنہار مجھے

ھمسائی آئی تھی مرے گھر میں بنی ٹھنی
آن کو تو دیکھو رات اسی پر پھسل پڑے

[3]مجھ کو تو بے کلی اور اسے روز کی یہ لت
اچھی بتاؤ تو کہ مجھے کیوں کہ کل پڑے

[4]فوارے کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے
تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل پڑے

کچھ بھید کھل گیا مرے شوھر پہ نازنیں
جو آج مردوے کی جبیں پر ھیں بل پڑے

ھو کر لہولہان تو کچھ ڈر گئی تھی پر
جو زخم تھے بوا وھی دل کی دوا ھوئے

دس گھر تو چھٹ چکے ھیں کہاں تک کروں خصم
کس جا بٹھائے دیکھیے اب آسماں مجھے

---

۱ - نسخۂ اول 'ھے'۔ نسخۂ نول کشور 'تھی'۔
۲ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ھے
۳ - یہاں سے دو شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیے گئے ھیں۔
۴ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ھے۔

علامه بن گئی ہیں اڑا کر مرے ہی ڈھنگ
آستانی اب سمجھنے لگیں کسبیاں مجھے

موئڈی مری طرف سے لگایا نہ کر اسے
چاہے ہے کون سا وہ موا آشنا مجھے

دیکھا ہو بات کرتے کسی سے کبھی تو خیر
طعنے بھی دیتی اچھی لگے تو ددا مجھے

[1] اس پاس رات نوچ گئی تھی کہ صبح تک
کیا کیا بری طرح سے ملا اور دلا مجھے

ناسخ

ناسخ تخلص، منبع سخن بے عدیل و نظیر، شیخ امام بخش ناسخ، ساکن خاک لطافت بنیاد لکھنؤ۔ مشاہیر شعرائے خوش سخن اور نام آوران کامل فن سے تھا۔ اس کے فکر سے معنی کو تاب و بہا اور اس کی زبان سے الفاظ کو رونق و صفا۔ ذہن کی صفائی یوسف رخان غیب کا آئینہ، قلم کا شگاف ارباب کشف کا سینہ۔ رسائیٔ فکر گوہر وحی صندوق سینۂ جبریل سے تاراج کر لیتی تھی اور صید افگنیٔ غور نخچیر وقت کو کمین گاہ گوش قارون سے آماج کر لیتی۔ وحشی مضمون ہنوز دام خرد میں صید نہیں ہوا کہ اس کے اندیشے کی کمند نیم تاب کے کشاد میں صحرائے عدم کی اس سرحد میں پہنچ کر حایل گردن ہو جاتی تھی اور طائر معانی اب تک عقل فعال قفس میں قید نہیں کہ اس کی طبیعت کی

---

۱ - یہاں سے ایک شعر بر بنائے کثافت حذف کر دیا گیا ہے۔

رسائی ایک پرواز میں آشیانۂ غیب مطلق سے شکار کر لاتی تھی ۔ معنیٔ پست اس کی طبع کی اوج بخشی سے بلند اور الفاظ مکروہ اس کی تراکیب کے حلیے سے دل پسند ۔ اگر غریب نواز نہ ہوتا ، معنی کی طرف اس قدر التفات نہ کرتا اور اگر آشنا پروری منظور نہ ہوتی ، الفاظ کی اتنی رعایت نہ کرتا ۔ معنیٔ مبتذل اس کے تصرف سے غریب اور اوج فلک اس کے فکر کے سامنے نشیب ۔ گرسنہ چشمان ہنر اس کے مائدۂ سخن سے زلہ بر اور دعوے داران کمال اس کی شوکت الفاظ سے پائمال ۔ اہل انصاف اس کو استاد مانتے ہیں اور ارباب فہم اس کے شعر کو سحر جانتے ہیں ۔ متانت مزاج سے مضامین شوخ باوجود آمد کے آورد کے محتاج اور تمکین طبیعت سے معانیٔ برجستہ کو خلوت خیال سے دروازۂ لب تک آنے میں تکلیف کی احتیاج ۔ ہرچند طریقۂ مختار اس کا تمثیل ہے اور فی‌الواقع اس طرز میں بے مثل و عدیل ہے ، شعر عاشقانہ بھی اگر ۔ اختیار زبان قلم سے نکل گیا ہے ، شعلۂ شمع کی طرح سے پروانہ طینتوں کی طبع میں آتش افگن اور برگ گل کے مانند عندلیب مزاجوں کو ناخن بہ دل زن ہے ۔ آخر عمر میں غلبۂ خرافت سے جرأت کی وضع کو اختیار اور[1] معاملہ بندی کو قصد کیا اور ایک 'دفتر پریشان' نام اسی طرز کے اشعار سے مشحون اور اسی ڈھنگ کے ابیات سے مالا مال لکھا ۔ ہرچند جرأت کی شاعری کا حال جیسا ہے ، اہل بصیرت اور ارباب بصارت کہ کامل استعداد اور سکۂ سخن کے نقاد ہیں ،

---

۱ - نسخہ نول کشور (ص ۴۴۹) میں ''اور'' سے ''مشحون'' تک عبارت نہیں ہے ۔

خوب جانتے[1] ہیں ، لیکن جو کہ ہمیشہ مضامین بوس و کنار اس کے منھ چڑھے ہوئے اور مدام اس کی فکر سے ہم کنار تھے اور یہ اس ہوس کے دام میں نوگرفتار ، یہ تقلید خوب بن نہ آئی ۔ اور بعض مقام میں یہ تو ناز و انداز میں محو ہوا اور شاہد معنی نے اس کو غافل کر کے بے باکانہ حجلہ گاہ ابیات سے اپنے گھر کی راہ لی ۔ ''حفظت شیئاً و غابت عنک اشیاء'' لیکن درد مندان سخن جانتے ہیں کہ اتنی ناسرہ کاری سے اس کے نقد کمال کو بٹا نہیں لگتا ۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ بود و باش خطۂ خوش آب و ہوائے لکھنؤ سے دل گرفتہ ہو کر الہ باد کی سر زمین میں نشیمن اختیار کیا ، لیکن بعد ایک عرصے کے کان پور میں آیا اور وہاں چندے آسایش کر کے پھر وطن مالوف میں منزل گزیں ہوا اور جب تک آغوش لحد میں آرام نہ کیا ، اس گل زمین سے قدم باہر نہ نکالا ۔ اس کے سفر آخرت کو تخمیناً آٹھ سات برس کا عرصہ ہوتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے دیوان فصاحت سے انتخاب ہو کر پیش کش ارباب بصیرت ہوتے ہیں :

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

کفن کی جب سفیدی دیکھتا ہوں کنج مرقد میں
تو عالم یاد آتا ہے شب مہتاب ہجراں کا

یہ عشق ایسا بلائے بد ہے جس کے نام کی دولت
درختوں کو[2] سکھاتا ہے لپٹنا عشق پیچاں کا

---

۱ ۔ نسخہ اول (ص ۳۵۴) میں 'جا' کے بعد حرف چھوٹ گیا ہے ، نسخۂ نول کشور میں 'جانتے' بنا دیا ۔

۲ ۔ نسخۂ اول (ص ۳۵۴) 'کا'

دیا میرے جنازے کو جو کاندھا اس پری رو نے
گماں ہے تختۂ تابوت پر تخت سلیماں کا

تہ شمشیر قاتل کس قدر بشاش تھا ناسخ
کہ عالم ہر دہان زخم پر تھا روے خنداں کا

کیا چین سے ہم اس کے تصور میں محو تھے
کنج لحد میں شور قیامت مخل ہوا

تنگیٔ محفل کی دولت بھڑ کے بیٹھا مجھ سے یار
رات اہل بزم کی کثرت کا احساں ہو گیا

بعد مردن بھی ہے ناسخ مجھ سے ہم چشموں کو ضد
سبزۂ تربت چراگاہ غزالاں ہو گیا

ایک بوسے کے تصور میں یہ ہوتا ہے کبود
نہیں محتاج مسی کا دھن سرخ ترا

کیا اثر میری سیہ بختی کے آگے نور کا
ماہ ہے اک خال رخسار شب دیجور کا

پاس ہوں یاروں کے جب تک مجھ کو کہتے ہیں بزرگ
خورد آتا ہے نظر انساں کو، انساں دور کا

دعویٔ باطل سے ہو جاتے ہیں اکثر نام ور
شہرہ کیا بانگ 'انا الحق' نے کیا منصور کا

وہ رند ہوں میں روز ازل سے کہ محتسب
دل کے عوض بغل میں ہے شیشہ شراب کا

امید موت آنے کی تو کس کو ہے دلا
آنا شب فراق میں مشکل ہے خواب کا

راحت طلب کروں تو ملے آسماں سے رنج
حاضر ہے موت ابھی جو خیال آئے خواب کا

خوشی کا ایک دن دیکھا نہ میں نے آ کے دنیا میں
رہا ہر ماہ پر مجھ کو گماں ماہ محرم کا

کی ادھر دل نے کشش کھینچا ادھر سفّاک نے
ٹوٹ کر آخر مرے سینے میں پیکاں رہ گیا

روز روشن تیرہ بختی میں نہ دیکھا عمر بھر
شب کی شب گویا میں اس محفل میں[1] مہماں رہ گیا

ہو گئیں اس میں تمنائیں مری لاکھوں شہید
دل مرا شاید بنا ہے کربلا کی خاک کا

جز خجالت صحبت ممسک سے کچھ حاصل نہیں
سر نگوں کرتا ہے انساں کو اثر تریاک کا

آج دعویٰ اس کی یکتائی کا باطل ہو گیا
بحث کرنے کو جو آئینہ مقابل ہو گیا

کہتے ہیں مارا گیا بے جرم تیغ ناز سے
کوچۂ قاتل میں ناسخ نام جو بے چارہ تھا

پہنچے کب گوشہ نشینوں کو ضرر دشمن سے
آتش سنگ کو کچھ خوف نہیں پانی کا

اگر لب سرخ ہیں تو نشے سے آنکھیں بھی ہیں گلگوں
بتوں نے کر دیا ہے ایک رنگ اعجاز و جادو کا

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں 'نہیں' جس سے مصرع ساقط الوزن تھا ،
نسخۂ نول کشور میں 'میں' اضافہ کرکے درست کیا گیا ۔

تو نہیں ملتا تو تجھ سے ہم بھی اب ملتے نہیں
سنگ دل ہم نے بھی اپنے دل کو اب پتھر کیا

حسرت دل نہیں دنیا میں نکلتی ناسخ
ہاتھ شل ہوتے میسر جو گریباں ہوتا

خون رلاتا اسے ناسور بنا کر گردوں
زخم بھی گر مرے تن پر کبھی خنداں ہوتا

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب ہجراں میں تو احساں ہوتا

خوب دھوکا مجھے مسی کی آداھٹ نے دیا
دہن یار کو میں غنچۂ سوسن سمجھا

نجات ہوگی عذاب حساب سے سب کو
جو پہلے روز قیامت مرا حساب ہوا

لاف زن اهل خوش آمد جو لیے پھرتے ہیں ساتھ
خود فروشی میں بھی ناسخ دخل ہے دلال کا

صدمۂ عشق بتاں اٹھ نہیں سکتا مجھ سے
جائے دل کیوں نہ ہوا سینے میں پتھر پیدا

ہرزہ گردی ترک کر گر چاہتا ہے آبرو
بن گیا گوہر سکونت سے یہ قطرہ آب کا

تھی شہادت سے غرض سو اس ادا میں ہوگئی
گو نہ قاتل سے نزاکت کے سبب خنجر اٹھا

مانع صحرا نوردی پاؤں کی ایذا نہیں
دل دکھا دیتا ہے میرا ٹوٹ جانا خار کا

کس کے عارض کے تصور میں ہوں نالاں آج میں
ہے دھواں مہتاب میرے نالۂ شب گیر کا

مرتبہ کم حرص رفعت سے ہمارا ہو گیا
آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہوگیا

بھا گئی کون سی وہ بات بتوں کی ہم کو
نہ کمر رکھتے ہیں کافر نہ دہاں رکھتے ہیں

وہ آدمی ہے کہ برسوں کمال رہتا ہے
وگر نہ ماہ کو یک شب کمال رہتا ہے

ناصر

ناصر تخلص، مرزا محمد علی بیگ پسر مرزا احمد بیگ۔ مرد شریف و نجیب اور فن شعر میں راقم تذکرہ سے مستفید۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے:

ناصر نے اس مزے سے اٹھائی جفا کہ اب
ان کو بغیر اس کے جفا ہی نہیں پسند

ناظم

ناظم تخلص میر یحییٰ۔ اس کا پدر بزرگوار شجاع الملک کے بعد بادشاہ موصوف کی قدردانی سے تحصیل لب و نان میں سرگرم خدمت رہا۔ اور جب کابل پھر حکام وقت کی پشت گرمی سے اس بادشاہ کا تخت گاہ ہوا، وہ بزرگ افغان

نا عاقبت اندیش کے ہنگامے میں کام آیا۔ ان اوقات میں یہ نیک نہاد بیس بائیس برس کی عمر میں سراسیمہ ہو کر بادشاہ کے بعض اقارب کے ساتھ ہندوستان کی طرف چلا آیا اور صورت معاش کو حسب دل خواہ جلوہ گر نہ پاکر اطراف و جوانب میں سرگرم تلاش ہوا اور کچھ عمر[1] صوبۂ اودھ میں بسر کی۔ دس بارہ برس سے اقامت شاہجہاں آباد اختیار کر کے خوش گزران ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ہنگامۂ گیر و دار کابل میں کچھ ایسا ذخیرہ اشرفی اور جواہر گراں بہا کی قسم سے ہاتھ لگ گیا کہ آج تک گوشۂ عزلت میں فراخ عیشی کے واسطے کفایت کرتا ہے اور خام خیالان نا فہم کو یہ گماں ہے کہ جب یہ بزرگ کابل سے دوسری دفعہ ہند کو آیا اور لدھیانہ سے جہاں نوردی اور تلاش معاش میں مصروف ہوا، کوہستان میں کسی جوگی نے اس کی شکستہ بالی اور بد حالی پر نظر شفقت مبذول فرما کر کچھ اکسیر اس کو حوالے کی۔ بہر کیف ظاہر حال اس کا تونگری پر دال اور وہ اپنی وجہ معاش سے تردد و تلاش سے فارغ البال ہے۔ خامہ اس کا زمین سخن میں جہاں پیما اور فکر اس کی اس تلاش میں رسا ہے۔ یہ چند شعر اس کے فرزند دل بند سید محمد جان ظہیر تخلص کی زبان سے مسموع ہوئے:

رشک نے کب مجھے جیتا چھوڑا
اس کے پیکاں نے اگر چھوڑ دیا

دیکھ ہمراہوں کو جوں نقش قدم
ہم نے اب عزم سفر چھوڑ دیا

---

۱ - 'عمر' نسخۂ نول کشور (ص ۳۵۱) کا اضافہ ہے۔

دل گم گشتہ کا ہم نے پیچھا
سود تھا یا کہ ضرر تھا ، چھوڑ دیا

ناظم بتوں سے ملیو تو انجام دیکھ کر
انساں کو چاہیے کہ کرے کام دیکھ کر

نقش قدم کی طرح اٹھا مت ہمیں صبا
اس راہ میں پڑے ہیں ہم آرام دیکھ کر

ناکام

ناکام تخلص ، مکرم علی فتح آبادی ۔ مرد خوش خلق اور معاملہ رس اور ذہین تھا ۔ اوائل حال میں اگرچہ زبان اردو نامربوط بولتا تھا لیکن کثرت بود و باش شاہجہاں آباد و آگرہ سے کلام کو مہذب اور شائستہ کر لیا ۔ موزونیٔ طبع اور صحبت موزوں طبعاں سخن سنج سے ریختہ گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوا ۔ دو شعر اس کے سنے گئے :

مبـاد نخـل چمن سے ہـو آشنا گل چیں
کھلا نہ گل کہ کہیں میں ہے اے صبا گل چیں

دراز کیجیو مت ہاتھ دامن گـل تک
سنے گا کیا کہیں بلبل سے کچھ بـرا گل چیں

نالاں

نالاں تخلص ، منو لال کھتری ، ساکن شاہجہاں آباد ہے ، مگر اب فکر معاش اس کو اطراف ہندوستان میں سرگرداں

رکھتا[1] ہے - یہ شعر اس کے اشعار سے منتخب ہوا :

کہتے ہیں تیری گلی میں اک جواں مارا گیا
دیکھ تو اے بے خبر جا کر کہیں نالاں نہ ہو

نامی

نامی تخلص ، مبارزالدولہ ، نواب مرزا احسام الدین خاں بہادر مرحوم - امرائے نامی اور رؤسائے گرامی شاہجہاں آباد فرحت آثار اور والیٔ لکھنؤ کے قرابتیان صاحب اعتبار سے تھا - فن سخن کو میر مستحسن خلیق سے کسب کیا - قدر شناسی سخن سے تادم زیست اہل کمال کی قدر دانی پیش نہاد رہی - یہ چند شعر اس زبدۂ اہل دول کے مرقوم ہوتے ہیں :

گل و سنبل کی بو اب طبع کو آشفتہ کرتی ہے
شمیم زلف سے کس کے معطر ہے مشام اپنا

نہ دی چھونے کبھی زلف اس نے مجھ خاطر پریشاں کو
رہا ابتر سدا اس دل کے آنجھیڑے میں کام اپنا

کسی کو تم نے چاہا ہے کبھو یارو تو ہر ساعت
نہ سمجھاؤ مجھے ، ٹک اپنے دل پر ہاتھ دھر دیکھو

بنا ہوں طائر تصویر گلشن کے تصور میں
قفس میں ہم صفیر و رنگ میرا آن کر دیکھو

دم آخر کرو مت چشم پوشی اپنے عاشق سے
کوئی دم کو ہوا جاتا ہے قصہ مختصر ، دیکھو

---

۱ - نسخۂ نول کشور 'رکھتی' -

هزار حیف کہ راہ چمن بھی بھول گیا
قفس سے چھوٹ کے آیا جو اضطراب زدہ

کب اتنی معطر تھی صبا آج تو شاید
لگ آئی ہے گیسوئے سمن بو سے کسی کے

مت غیر سے باتوں میں ہو سرگرم کہ جوں شمع
سر پہنچے ہے آتش ، بن ہر مو سے کسی کے

نامی

نامی تخلص ، نونہال گلشن جوانی ، نوبر حدیقۂ زندگانی ، سعادت کیش ، اہلیت اندیش ، سہی سرو چمن زار کمال ، گلدستۂ بہارستان فضل و افضال ، مستجمع محاسن اخلاق ، زبدۂ نیک سیرتان آفاق ، پسندیدۂ خاطر خاص و عام ، بلدیو سنگھ نام ، خلف ارشد والا دودمان ، عالی خاندان ، فلاطون فطنت ، ارسطو فطرت ، رافع رایات اقبال ، ناصب اعلام اجلال ، بانیٔ بناے مروت ، ناظم مہات فتوت ، عمدۂ آراکین مدینۂ فاضلہ ، بہترین مآب نفوس کاملہ ، لالہ زور آور سنگھ طال بقائہا ۔ اطوار گزیدہ اور اوضاع پسندیدہ اس نوباوۂ گل زار سعادت کے اندازۂ تقریر اور احاطۂ تحریر سے خارج ہیں ۔ سخن میں لب کا وا کرنا کتاب اخلاق کے فصول و ابواب کا خلاصہ ہے اور زبان کو حرف و حکایت سے آشنا کرنا مردی و مروت کی داستان کا زبدہ ۔ کتب درسیہ کو جناب کمالات انتساب مخدومنا و مولانا مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالی کی خدمت میں تحصیل اور فن سخن کو اسی مجمع مکارم سے کسب کیا ۔ کیا استعداد کامل ہے کہ

نو مشقی میں کہن مشاقان شہر کو بر سر انصاف لا کر تحسین کمال میں رطب اللّسان[1] کیا ۔ تاریخ گوئی میں ید طولٰی اور اس صنعت میں دست فکر بالا ہے ۔ ''مشتے نمونہ از خروارے'' قول مشہور ہے ۔ حاکم داد گستر تامس میکف بہادر کی تاریخ وفات لکھ کر اہل ذوق کو زور طبع سے آگہ کرتا ہوں :

چیست باغ دھر کایں جا اصطکاک برگ برگ
سودن دست است بر احوال شاخ ھر شجر

روے دنیا کن سیہ کاں مہر برج افتخار
کز علو شان خود زد سکہ بر سیم قمر

دست آن یکتا مس افلاس را زر می کند
نام او زیں لفظ شد چوں بوے از گل جلوہ گر

مرد آں شمع امید و شد ز حسرت مشتعل
آتش غم در دل و داغ مصیبت در جگر

رفت در راھے کہ ھر کس دانہ ھاے سبحہ وار
پیش و پس سر می نہد دائم بہ عزم آں سفر

گفت نامی سال تاریخش بہ معنی و بہ لفظ
یک ہزار و دو صد و ھفتاد اول از صفر

چند اشعار[2] اس کی غزلیات فصاحت آیات اور رباعیات بلاغت سمات سے انتخاب ہو کر نگاہ احباب میں جلوہ گر ہوتے ہیں :

---

۱ ۔ یہ لفظ نسخہ مطبع مرتضوی ۱۲۷۱ھ میں نہیں ہے ، نول کشوری نسخے سے لیا گیا ہے ۔

۲ ۔ یہ لفظ نسخہ مطبع مرتضوی دھلی ۱۲۷۱ھ میں نہیں ہے ، نسخۂ نول کشور سے لیا گیا ۔

فروغ حسن او کاشانه ام را می کند روشن
اگر در شب خیال من شود آئینه رویش را

چرا صیقل زنی از بہر قتلم تیغ ابـرو را
کہ چون نے تیر مژگاں کرد پر سوراخ پہلو را

بہر جا بر کشاید[1] آں پری‌رو زلف و گیسو را
ز رشک بوے[2] خود در خوں نشاند ناف آھو را

چہ آفتی کہ در آغوش بودی و امشب
تغافل تـو بہ صد درد انتظارم گشت

زنـگ نـبـود بہ روئے آئـیـنـہ
گـردے از راہ انـتـظـار کسے ست

زردیٔ چہرہ و گل گونیٔ اشکم بنگر
کہ خزان دگر و رنگ بہار دگر است

سحر کہ ساغر چشمم ز اشک پر مل بـود
خروش گریۂ زارم نواے قلقل بـود

ایں حسن تو روے مہ نہ دارد
ویں شـان تـو بـادشہ نہ دارد

بے روے ریا بداں کہ سبزہ
با خط تو وزن کہ نہ دارد

---

۱ - نسخہ مطبوعہ مطبع مرتضوی دھلی ۱۲۷۱ھ میں یہ مصرع اس طرح ہے :
''بہر جا بر کشاید آں پری رو زلف را''
'گیسو' نسخہ نول کشور میں ہے -

۲ - نسخہ نول کشور میں 'جوۓ خود' ہے -

نامی عبث است این شکایت
در گوشش حرف ره نه‌دارد

سرت گردم چه شوخی کردهٔ پیدا که از نازت
هنوز از جا نه‌رفتی عکست از آئینه بگریزد

خندهٔ زخم جگر بین لاله‌زار ما مپرس
آرزو ها خون شدن دارد بهار ما مپرس

چون حباب از بحر هستی یا فنا جوشیده ایم
جلوهٔ کم فرصتیم از روزگار ما مپرس

آن رند خرد سوزم کز مستی و مدهوشی
در کعبه پرستم بت ، در دیر نماز آرم

نامی چه بودهٔ که بصد سیل آب اشک
یک ذره گرد از دل دلبر نه شستهٔ

گفتم که بیا بسینه چسپان می باش
هم صحبت دل مدام چون جان می باش

گفتا راضی مشو باین صحبت گرم
گاهے آرام و گه گریزان می باش

دی بر در میخانه گذارم افتاد
صحبت با رند دردخوارم افتاد

سر رشته اگر ازین جهانم دادند
وز جادهٔ آخرت نشانم دادند

فی الجمله چگویم که چه دادند به من
چیزے که بود در خورم آنم دادند

نایاب

نایاب تخلص ، عباس علی ، ساکن دارالامارۃ کلکتہ ۔ مدت سے دھلی میں وارد اور شاگرد حافظ قطب‌الدین مشیر ہے ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

وہ پردہ نشیں ہم کو اشارے سے بلا لے
اے شوق یہاں کچھ تری تاثیر ہو ایسی

نثار

نثار تخلص ، زبدۂ خاندان شرافت ، آسودۂ دودمان نجابت ، شریف نہاد ، عالی حسب ، میر نثار علی ، علوی نسب ۔ علم و ادب اس کے خاندان میں موروثی اور فضل و کمال اس کے دودمان میں مستمر ہے ۔ کوئی فن فارسی میں کامل ہوا اور کوئی خوش نویسی میں یگانۂ عہد ۔ یہ سلسلہ یوں ھی چلا آتا ہے مگر کار ساز بے ضنت نے اس عالی ظرف میں یہ دونوں نقد سرہ فراھم کر دی ۔ فن فارسی کو جناب استادی مولوی امام بخش صہبائی سے کسب کیا اور خط نستعلیق کو یادگار سلف خلاصۂ اکابر میر محمد امیر سے کہ بالفعل تمام ہندوستان میں نظیر اس بے مثل و مانند کا نشان نہیں ہے ، درست کیا اور اس کمال کو یکتائی کی دست آویز اور یگانگی کی عروۃ الوثقیٰ بنایا ۔ انشا پردازی اور شعر طرازی میں قدرت تمام حاصل ہے ۔ سخن اس کا حسن اسلوب سے دل چسپ اور مرغوب ، شعر اس کا فروغ معانی سے شعرائے یمانی ۔ چند روز سے

حضرت ظل الٰہی[1] ، خلافت پناہی ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ دام اقبالہ نے وقائع نگاری قلعۂ معلی کے عہدے پر مامور کیا ہے ۔ اس اخبار کی عبارت خصوصاً عنوان بیش تر وقائع نعمت خان عالی کے طرز سے مطرز ہوتا ہے اور اس طرز کے پسند کرنے والوں کو ایک حظ اٹھتا ہے ۔ یہ چند شعر اس کے نتائجِ افکار سے مرقوم ہوتے ہیں :

چساں بندم بہ مژگاں تند سیلِ چشم گریاں را
کہ سد راہ نتواند شدن خس جوش طوفاں را

مانع گریہ بود حوصلۂ عشق ار نہ
ہست در دیدۂ من مایۂ طوفانے چند

دراں وادی کہ رفتم کس نشان من نمی داند
صبا خود کیست عنقا آشیان من نمی داند

بزلفش گفتم آخر بند وا کن سخت پیچیدش
چہ دشوار است ، کاں ہندو زبان من نمی داند

نجم

نجم تخلص ، سید زادۂ صحیح النسب ، والا حسب ، میر نجم الدین خلف رشید چمن آرائے سیادت ، آب گلزار نجابت ، مظہر اخلاق حمیدہ ، مصدر افعال گزیدہ ، شائستۂ آفرین میر قمر الدین ۔ علم ضروری سے آگاہ اور غایت نیک نہادی سے دل‌ہائے احباب میں اس کو راہ ہے ۔ طبع تیز ،

---

۱ ۔ دونوں نسخوں میں 'حضرت الٰہی' ہے غالباً 'ظل آلٰہی' ہوگا۔

فکر رسا ، مذاق شعر صحیح رکھتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے
نتائجِ طبع سے مرقوم ہوئے :

کیسی کیسی مصیبتیں کھینچیں
اللہ رے حوصلہ دل کا

نظروں نظروں میں ہو گیا غائب
ہو گیا طرفہ سانحا دل کا

نجم کیوں اتنی بے قراری ہے
تو ذرا کہہ تو ماجرا دل کا

تری چشم خمار آلودہ کے مانند اے ساقی
اگرچہ مست ہوں لیکن بہت ہشیار پھرتا ہوں

یاں جو آیا ہوں تو شاید مری موت آئی ہے
ترے کوچے میں مگر مجھ کو قضا لائی ہے

ندا

ندا تخلص ، مرزا معین الدین ابن مرزا احمد بخش ابن مرزا خجستہ بخت مرحوم ۔ جوان سعادت مند ، خوش مزاج، تیز فکر ہے ۔ موزونی اس کی ذات میں ایسی ہے جیسے سرو میں راستی ۔ اصلاح شعر مرزا کریم الدین رسا سے لیتا ہے ۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے :

کیا خاک ہو پھر دوستی[1] کی اس سے توقع
جس میں نہ مروت ہو نہ ہو پاس وفا کا

---

۱ ۔ نسخۂ اول میں 'کی' نہیں ، مصرع ساقط الوزن تھا ؛ نسخۂ نول کشور میں 'کی' اضافہ ہے ۔

آتا نہیں گر رحم تو کر جور ہی ظالم
شکوہ نہیں کرتے کا ترے جور و جفا کا

مرتا غم دوری میں تری کب سے ہے اے شوخ
ہے حال بھی معلوم تجھے اپنے ندا کا

ندیم

ندیم تخلص زبدۂ سادات عظام محمد عسکری ، متوطن کڑا کہ موضع ہے مضافات الہ آباد سے ۔ شاہ غلام اعظم افضل تخلص سے کہ ارشد تلامذۂ ناسخ سے ہے ، تلمذ رکھتا ہے ۔ مدت تک خط و خال خوباں اور زلف و چہرۂ محبوباں کے وصف میں خامہ فرسائی کی لیکن آخرکار رہنمائی توفیق سے مضامین حمد و ثنا کو ورد زباں اور وظیفۂ قلب و جناں کیا ۔ یہ دو اشعار سابقہ سے ہیں :

زمین قبر سے مجھ کو بڑی ندامت ہے
کہ مشت خاک نہیں ہے فشار کے قابل

آبرو غیر کی کیا اشک ریا سے ہو فزوں
در جعلی کو یہ سنتے ہیں کہ ہیں کام کے کم

نزہت

نزہت تخلص ، مرزا کرامت اللہ ، خسر پور مرزا جمعیت شاہ ماہر تخلص ۔ جوان نیکومنظر ، عاشق مزاج ، حلیم طبع ۔ گاہ گاہ فکر شعر کو بھی ضمیر عشرت پسند میں راہ ہوتی ہے ۔ یہ اشعار تازہ وارد مرقوم ہوئے :

اٹھا لوں سر پہ اگر ہووے غم جدائی کا
مگر نہیں ہے گوارا ستم جدائی کا

آس کس کو سحر وصل کی ہے اے نزہت
نہ شب ہجر کٹے گی نہ سحر دیکھیں گے

نسیم

نسیم تخلص ، مولوی نسیم اللہ ، سکنائے قصبہ کول سے ہے ۔ بزرگان والا نزاد اس کے بنی اسرائیل ، اور سن چھ سو ہجری میں مصر سے وارد ہندوستان ہو کر اس دیار جنت آثار میں مقیم ہوئے اور طالبان کمال نے ان کے انفاس متبرکہ سے علوم ظاہری اور باطنی کا فیض اٹھایا ۔ اس صاحب کمال کا جد امجد محمد امین اللہ مرحوم درویش کامل اور طبیب مسیحا دم تھا اور بہ سبب طلب باطنی کے اکثر درویشان خدا آگاہ سے مستفیض ہو کر جناب غفران مآب عالم با عمل مولانا و بالفضل اولینا مولوی عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت سراپا افادت سے ارادت اور عقیدت بہم پہنچا کر حلیۂ کمالات صوری و معنوی سے آراستہ ہوا ۔ جو کہ موزونیٔ طبعی کا اقتضا ہے ، گاہ گاہ جب استغراق دریائے معارف سے افاقہ ہوتا ، اشعار فارسی سے خزینۂ بیاض کو مملو کرتا ۔ تیمناً یہ شعر اس کے نتائجِ افکار سے مرقوم ہوتا ہے :

ہر طفل سرشک در نگاہم
لخت جگری و نور چشم است

اور والد ماجد اس کا حکیم محمد علیم اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ مرد خوش اخلاق اور کمال مہارت طب میں شہرۂ آفاق ہے ۔

اس کا دامن فکر بھی گاہ گاہ طراز سخن سنجی سے مطرز ہوتا ہے ۔ یہ ایک شعر اس کے نتائجِ طبع سے بہ تقریب ذکر مرقوم ہوتا ہے :

نقد دشنام بدہ جنس دعائے بستاں
کہ ازیں بیع و شرا رونقِ بازار من است

اور یہ نونہال گلشن کمال آنیس برس کی عمر میں مولوی عبد الجلیل کی خدمت میں کتب درسیہ کی تحصیل سے فارغ ہو کر فن طب کی تحصیل اور قوانین علاج کی تکمیل کے واسطے شہر کرامت بہر شاہ جہان آباد میں وارد ہو کر طبیب فاضل اور حکیم کامل ، بقراط زماں ، سقراط دوراں ، حکیم امام الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ کی صحبت فیض موہبت سے استفاضہ اور باقی علوم عقلی اور نقلی کے استیعاب کے واسطے زبدۂ علمائے روزگار ، رئیس کبرائے شہر و دیار ، مولائے اعظم ، مخدوم و مکرم ، جامع ضدین دنیا و دین مفتی محمد صدر الدین ابقاہ اللہ الی انقطاع الزمان کی خدمت کیمیا خاصیت سے انواع حقائق اور اصناف دقائق کا استفادہ کیا ۔ جب ضروریات علم سے فراغت بہم پہنچی ، جو کہ شتابندگان عرصۂ خاک کو تحصیل وجہ معاش سے گریز نہیں ، قوانین محکمۂ حکام وقت میں مہارت تامہ بہم پہنچا کر سند عہدۂ منصفی حاصل کی اور بالفعل ضرورتاً محکمۂ عدالت کول میں عہدۂ وکالت کو اختیار کر کے افضال منعم حقیقی کا منتظر ہے ۔ کمالات علمی کی قوت سے اشعار ریختہ اور فارسی کو نہایت متانت اور غایت رزانت کے ساتھ کہتا ہے ۔ جو کہ نظر ہمت ان مقاصد عالیہ پر مقصور ہے ، تدوین سخن کی طرف اصلا التفات نہیں ہے ، وگرنہ ہر صنف شعر سے کئی

دفتر مدون ہو جاتے ۔ چند شعر ریختہ کے درج اوراق ہوتے ہیں :

بے سبب ہر کس و ناکس سے لڑا کرتی ہیں
اپنی آنکھوں کو ذرا او بت پر فن سمجھا

جو لذتیں ہیں قناعت میں حرص میں کب ہیں
نشہ جو کم ہو اُسی کو سرور کہتے ہیں

زمانے کو بندہ کیا چاہتے ہو
بتو کیا خدا تم بنا چاہتے ہو؟

نسیم اس سے کہتا ہوں کر بات کوئی
تو کہتے ہیں کیا کچھ سنا چاہتے ہو

گن گن کے روز کرتے ہیں وہ عاشقوں کو قتل
ہر روز اُن کے کوچے میں روز شمار ہے

پھرتا ہے چشم تر میں ہماری قد نگار
یہ قد ہے یا کہ سرو لب جوے بار ہے

نسیم

نسیم تخلص، محمد یعقوب، فرزند دل بند حافظ غلام احمد نگہت تخلص اور خواہر زادۂ عبد الحکیم بسمل ۔ سنین عمر ہنوز بارہ تیرہ سے متجاوز نہیں ہیں ۔ تحصیل کتب فارسی میں سرگرم اور موزونیٔ طبیعت سے شعر گوئی کی طرف مائل ۔ اصلاح شعر صاحب زادۂ جناب صہبائی مولوی عبد الکریم سوز سے لیتا ہے ۔ یہ چند شعر اس کے نتائج طبع سے لکھے جاتے ہیں :

جو چرخ سے آفت کوئی آئی سو مجھی پر
جو درد اٹھا سو وہ مرے دل کے قریں تھا

عشاق پہ تو نے جو کیے ہیں ستم ایجاد
انصاف سے کہہ تو ہی کہ یہ ظلم کہیں تھا

چرخ رہتا ہے گردشوں میں سدا
یہ بھی گویا غبار ہے اپنا

عشق کس طرح چھوڑ دوں ناصح
یہ کوئی اختیار ہے اپنا

نہ اٹھاؤ نسیم کو در سے
جانیو خاکسار ہے اپنا

ہو گئے خاک ہم ولے ظالم
دل میں تیرے غبار ہے اب تک

جاں بلب ہے نسیم دل خستہ
پر ترا انتظار ہے اب تک

کوئی نبھتی ہے اس طرح کہ سدا
اک نہ اک بات پر لڑائی ہے

نسیم

نسیم تخلص ، دیا شنکر ، پنڈت کشمیری ، ساکن لکھنؤ نوجوان خوش ترکیب ، حسن خلق اور جمال ظاہری سے بہرہ مند تھا ۔ اگرچہ خود نسیم تھا لیکن پائے فکر اس کا نسیم سے دو قدم آگے رہتا تھا ۔ ایک مثنوی 'گلزار نسیم' نام قصۂ گل بکاؤلی میں فصاحت عبارت اور بلندی معنیٰ کے ساتھ

اس سے یادگار ہے ۔ فن سخن کو میر حیدر علی آتش سے کسب کیا تھا ۔ پانچ[1] چھ برس ہوئے کہ انیس بیس[2] برس کی عمر میں مثل نسیم و صبا گلشن دنیا سے گزر گیا ۔ یہ شعر اس کا مطبوع طبع راقم تھا کہ مرقوم ہوا :

کس سوچ میں ہو نسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

نسیم

نسیم تخلص ، نسیم اللہ نامی ، ساکن میرٹھ ، شاگرد حافظ قطب الدین مشیر ۔ یہ شعر اس کے اشعار سے ہے :

دم بدم آج دم سرد جو بھرتے ہو نسیم
یاد شاید چمن کوچۂ جاناں آیا

نشاط

نشاط تخلص ، منشی بسنت سنگھ ، قوم کاتیہ ، ساکن شاہ جہان آباد ۔ آبا و اجداد اس کے منشی گری[*] خالصۂ

---

۱ ۔ نسیم کا انتقال ۱۲۶۰ھ میں ہوا ۔ اس تذکرے کی تالیف نسیم کی وفات کے ۱۰ سال بعد ۱۲۷۰ء میں شروع ہوئی اور گیارہ سال بعد ۱۲۷۱ء میں تمام ہوئی ۔ تعجب ہے کہ دس گیارہ سال کے عرصے کو پانچ چھ سال کی مدت کس طرح بنا دیا ۔

۲ ۔ نسیم کا انتقال ۱۹ ، ۲۰ سال کی عمر میں نہیں بلکہ تقریباً ۳۲ سال کی عمر میں ہوا ۔ نسیم کی پیدائش ۱۲۲۷ھ میں اور وفات ۱۲۶۰ھ میں ہوئی ۔

شریفۂ سرکار سلطانی سے ممتاز ہوتے چلے آئے اور وہ بھی اپنے دم آخر تک اسی عہدے پر مامور رہا - ارباب روزگار میں عزت اور حرمت کے ساتھ بسر کرتا تھا - مشق سخن انشاء اللہ خاں سے بہم پہنچائی تھی - جب انقلاب روزگار سے انشاء اللہ خاں خطۂ لکھنؤ کو راہی ہوا ، اس کی اجازت سے سعادت یار خاں رنگین اس کے اشعار کو پیرایۂ اصلاح سے زینت دیتا رہا - یہ چند شعر اس کے نتائجِ طبع سے مرقوم ہوئے :

بسان نقش قدم یاں نشاط جم بیٹھا
اٹھے ہے کب وہ اٹھائے سے تو ہزار اٹھا

اپنے ہاتھوں سے مل کے مہندی تم
مفت کرتے ہو پائمال ہمیں

تاؤ کھاتا ہے دیکھ کر شب و روز
زلف کا تیرے بال بال ہمیں

خیر ہے ، کیوں کہ آئے آپ ، نہ تھا
آج آنے کا احتمال ہمیں

گر مٹانے سے کہیں نقش نگیں کا مٹ جائے
تو نوشتہ بھی مری لوح جبیں کا مٹ جائے

آشنائی تجھ سے کی ، کیا مجھ سے نادانی ہوئی
دوستی میری ہی آخر دشمن جانی ہوئی

نشاط

نشاط تخلص ، میرن شاہ ، درویش استغناسرشت اور فقیر سعادت سر نوشت تھا - کلام مجید کو اس خوش لہجگی

سے پڑھتا تھا کہ عندلیب نے مصحف گل کو اس خوبی سے نہ پڑھا ہو گا ۔ گاہ گاہ فکر شعر بھی کرتا تھا ۔ دس برس ہوئے کہ انتقال کیا ۔ یہ شعر اس کا یاد ہے :

لگے ہو بیٹھنے اس بے وفا کے پاس بہت
نشاط آپ کو یہ کیا خیال آیا ہے

نصیر

نصیر تخلص ، شہسوار عرصۂ سخن وری ، فارس مضمار معنی پروری ، نخل بند حدیقۂ کمال ، بانیٔ بنائے افضال ، سخن سنج ، سخن گو میاں کلو ، مشہور بہ شاہ نصیرالدین خلف‌الصدق شاہ غریب ۔ سجادہ نشینی میر جہاں مرحوم کی اسی کی ذات با برکات سے آسمان پایہ اور خلافت اس عارف مغفور کی اسی کی نہاد خیر بنیاد سے خورشید سایہ تھی اور یہ مرحوم مغفور وہ ہے کہ اس کا مزار پر انوار محلہ روشن پورہ میں کہ ایک محلہ محلات مشہورہ شاہجہاں آباد نزہت آباد سے ہے ، زیارت گاہ صاف باطنان پاک نہاد ہے ۔ بہر کیف شاہ موصوف ہر چند استعداد علمی سے بہرہ ور نہ تھا بلکہ سواد بھی چنداں روشن نہ تھی لیکن روشنیٔ طبع خدا داد سے خلوت دل میں ہزار شمع معنی بزم افروز تھی ۔ کیا مرد میدان سخن وری تھا کہ بارہا ہنگامۂ مشاعرہ میں حریف ہنوز انشاد اشعار سے فارغ نہیں ہوا کہ اس نے اس کوتاہ مدت میں شمع مقابل رکھ کر اشعار سوزاں تر از شعلۂ شمع بہ قدر دو تین غزل کے لکھ کر مشتاقان سخن کے گوش‌گزار کر دیے ۔ بیش تر تشبیہ نو اور استعارۂ جدید بہم پہنچانے

میں مصروف رہتا اور شعر طرز صائب پر کہتا ۔ بلندیٔ تلاش سے مشاعرے میں کسی کی غزل کو اس کی غزل پر تفوق نہ ہوتا تھا ۔ سنگ لاخ زمینوں کو دعوے داران کمال میں سے اس کے سوا کوئی بے سپر نہ کر سکتا ۔ ایک بار سفر لکھنؤ اختیار کیا ۔ جس دن یہ شہسوار عرصۂ سخن اس گل زمین میں وارد ہو کر کارواں سرا میں فرود آیا ، دفعتاً درد گردہ میں مبتلا ہوا ۔ قضارا خبر ورود فاش اور ہوس مطارحہ ہر ایک کے دل میں گرم تلاش ہوئی ۔ ان ایام میں مصحفی اور انشاءاللہ خان اور مرزا قتیل اور جرأت چار بالش حیات پر متمکن تھے ۔ سب کے مشورے سے آٹھ مصرعِ مشکل زمینوں میں طرح ہوئے اور اس مبتلائے کوفت سفر کے پاس پہنچے ۔ اتفاقاً مشاعرے میں تین دن باقی رہے تھے ۔ معاذاللہ سخت مشکل واقع ہوئی ۔ زمین وہ سنگلاخ ، طے راہ اس درد و الم میں دشوار ، لیکن غیرت کے تقاضے نے مامور اور اسی عرصۂ قلیل میں اس فرمایش کے سر انجام میں مجبور کیا ۔ ان میں سے ایک کا ردیف و قافیہ ”چمن سرخ ترا“ اور ”دھن سرخ ترا“ اور دوسرے کا ”فانوس ہیں گویا“ اور ”جالینوس ہیں گویا“ صیغۂ جمع تھا ۔ اس مہم ضروری سے فارغ ہو کر صرف اپنی طبع کے تقاضے سے ایک اور غزل کا فکر کیا کہ اس کا ردیف اور قافیہ ’چمن کی مکھی‘ اور ’کفن کی مکھی‘ تھا ۔ حسن اتفاق یہ ہے کہ اس کی شہرت کی کشش نے اکثر ساکنین شہر لکھنؤ کو اس کے حلقۂ شاگردی میں کھینچ لیا تھا ۔ روز معہود ایک جم غفیر تلامذۂ اعتقاد کیش کا ساتھ لے کر بساط مشاعرہ پر قدم رکھا ۔ کملائے فن نے جب اس زور طبع اور تیزیٔ فکر پر اطلاع پائی ، صلۂ تحسین و

آفرین سے شاد کیا اور حق انصاف ادا کیا ۔ یہ تحسین و آفرین کہ اس شیریں کلام کی خوبیٔ سخن نے ان بزرگواروں سے بزور لی تھی اور پھر اس غوغائے محشر نما کے ساتھ اہل اعتساف کو ناگوار ہوئی ۔ ایک کج طبع ، ستیزہ خو نے کہ شاگردان مصحفی کے زمرے سے تھا ، باآواز بلند کہا کہ ''شاہ صاحب فی‌الواقع ان آٹھوں غزل کی داد حیز قدرت سے خارج ہے لیکن نویں غزل میں مکھی کی ردیف سے نفیس مزاجوں کا جی متلاتا ہے ۔'' اس یکہ تاز عرصۂ ظرافت نے بدیہہ کہا کہ ''لطیف طبعان نفیس مزاج تو اس موائد لذیذہ کے نعما سے لذت ستاں اور کام یاب ہیں لیکن غالب ہے کہ علیل نہادان صفرائے حسد کو جوش غیرت سے ڈاک لگ جائے ۔'' اس کی شہرت میں مدعیان سخن کو ایسا خمول تھا جیسے فروغ آفتاب میں چراغ کو ۔ اس مقام میں حق کو ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے ۔ کوئی اس کلام سے یہ نہ سمجھے کہ اس زمانے میں کسی کا پایۂ شاعری اس کو نہ پہنچتا تھا ، حاشا و کلا اس بزرگ کا کلام عام فہمی کے سبب سے کم استعدادان تنگ مایہ کے ذہن میں بہت جم جاتا اور سہولت فہم سے ہر کس و ناکس کی زبان حرف تحسین سے ہنگامۂ قیامت برپا کرتی اور معاصرین کا کلام از بسکہ خواص کی تحسین کے لائق تھا ، اور خواص ہر زمانے میں قلیل ہوتے ہیں ، نافہموں کے نزدیک اس کے سخن پر فائق معلوم نہ ہوتا تھا 'العاقل تکفیہ‌الاشارۃ' ۔ اکثر شاہ زادگان والا شان اور امرائے بلند مکان اس کے فیض شاگردی سے بہرہ یاب تھے۔ بلکہ شاہجہاں آباد میں بیش تر شعرائے عالی طبع اور موزوں طبعان تیز فہم مثل شیخ ابراہیم ذوق اور محمد مومن

خاں مومن تخلص اور میر حسین تسکین اوائل حال میں اسی کی شاگردی سے مشرف تھے ۔ الحاصل اطراف ہندوستان جنت نشان کی سیر و سیاحت سے کام یاب اور جس سر زمین میں وارد ہوا وھیں کے شعرائے شیریں کلام سے معرکہ آرا ہوا ۔ چند بار حیدر آباد میں جا کر راجہ چندو لال مختار سرکار وزیرالممالک آصف جاہ نظام‌الملک والیٔ دکن کی قدر شناسی سے صلہ نمایاں پایا ۔ آخر کار اسی زمین میں مضمون مرگ باندھا اور سوسن بہشت کی زبان سے حرف تحسین جا سنا ۔ سلسلہ اس کی شاعری کا ملک‌الشعرا مرزا رفیع سودا تک پہنچتا ہے ؛ اس طرح سے کہ یہ شاگرد ہے مائل کا اور وہ قائم سے مستفیض اور قائم سودا کا شاگرد بلا واسطہ تھا ۔ طول کلام سے محترز اور اطناب سخن سے مجتنب ہو کر چند شعر اس کے نتائجُ افکار سے لکھ کر ارباب طبع کی ضیافت کرتا ہوں :

نکلے ہے گھر سے وہ بت خانہ خراب کب
پہچانتا ہے عاشق دل گیر کی صدا

نہ سمجھو کہ آغاز خط ، عارضی ہے
خدا جانے کیا اس کا انجام ہوگا

افسوس کہ نرگس کی[1] طرح باغ جہاں میں
کچھ ہم نے بجز حسرت دیدار نہ پایا

نصیر اس زلف کی یہ کج ادائی کوئی جاتی ہے
مثل مشہور ہے رسی جلی لیکن نہ بل نکلا

---

۱ - کی ، نسخۂ نول کشور میں ہے ، نسخۂ اول میں نہیں ۔

سچ بتا تو مجھے سوفار خدنگ قاتل
لہو کس کس کے پیے گا دہن سرخ ترا

چارۂ زخم جگر وہ رخ پر نور ہوا
جلوۂ صبح ہمیں مرہم کافور ہوا

کیوں کہ محتاج کفن اہل فنا ہوں اے نصیر
عاقبت جاتا ہے دم کے ساتھ ملبوس حیات

کیا چشم یار سے ہو دل زار کا علاج
بیمار سے ہوا نہیں بیمار کا علاج

کس کی نگہ نے جلوۂ برق اب دکھا دیا
آنکھیں جو اپنی ہو گئیں بے اختیار بند

ہوا[1] خواہاں میں اتنا تو کوئی اے بیکسی ہووے
بگولا دشت میں جاروب کش ہے خاک مجنوں پر

حباب وار غنیمت ہے فرصت اک دم کی
ہوا پہ زندگیٔ مستعار رکھتا ہوں

مدام رند کریں کیوں نہ آستاں بوسی
حرم ہے شیخ مشیخت مآب کے گھر میں

سر مژگاں سے وقت نالہ آنسو کو ترستے ہیں
یہ سچ ہے جو گرجتے ہیں وہ بادل کم برستے ہیں

اس نے تو ڈبویا مجھے اور اس نے جلا دیا
ہو خانہ خراب آنکھ کا اور دل کا برا ہو

آہ مژگاں سے نہ کاوش کرو اے طفل سر شک
جس کے سائے میں رہو اس کا برا چاہتے ہو

---

۱ - نسخہ مطبوعہ نول کشور میں 'ہوا خواہوں' ہے ۔

جہاں سے گو بت مغرور اٹھ گیا انصاف
خدا کے روبرو ہوگا مرا ترا انصاف

وجہ معلوم تو ہو چیں بہ جبیں ہونے کی
سچ کہو جی میں ہے کیا، کس سے لڑا چاہتے ہو

فتراک سے نہ باندھ کہ ہوں صید خوں چکاں
دامان زین پہ ترے نہ لوہو ٹپک پڑے

نصیر

نصیر تخلص، نصیرالدین، خلف بدرالدین، دختر زادۂ منشی نبی بخش حقیر تخلص - فن شعر میں نو مشق، عمر ہنوز سولہ برس سے متجاوز نہیں - رسائی طبع اور تیزیٔ فکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحبت اساتذۂ شفیق سے بہرہ مند رہے گا تو البتہ کلام کو متانت اور سخن کو شائستگی بہم پہنچ جائے گی - یہ اشعار اس کے نتائجِ افکار سے ہیں :

ڈوبے ہیں میرے دیدۂ پرنم کی شرم سے
قلزم ہؤا فرات، ہؤا ابر تر ہؤا

ان میں سے میرے در پے آزار ہے ہر ایک
ناصح ہوا، رقیب ہوا، چارہ گر ہوا

دل ٹھکانے ہو تو ناصح کی بھی دو باتیں سنیں
ہم کو جمعیت کہاں زلف پریشاں دیکھ کر

بوسے غیروں کو دیے اس نے نصیر
لب پہ میرے نہ شکایت آئی

نظیر

نظیر تخلص^۱ ، شیخ ولی محمد اکبر آبادی ، عوام ہندوستان اس کی شاعری کا پایہ فرق شعری اور تاریک ثریا سے بلند جانتے ہیں - اطراف و اکناف ہند میں ایسی شہرت پائی ہے کہ غالباً اگر آسمان چاہے کہ اس کے نام کو صفحۂ عالم سے حک کر دے ، صورت پذیر نہ ہو - پر گوئی کا یہ عالم ہے کہ مقلدان ہنگامۂ ہولی سے ہر ایک کی زبان پر سو سو مخمس جداگانہ سے کم نہ ہوگا - جو کہ اس طرح کی زبان درازی سخن کو خبط کر دیتی ہے ، اغلب وہ کلام بے انتظام شایستہ آفریں نہ پایا - لیکن بعض بعض شعر کہ حلیۂ لطف سے آراستہ تھے ، کم کم گوش زد بھی ہوئے - با ایں ہمہ باطن اس مرد سنجیدہ کا ایسا آراستہ اور مہذب تھا کہ اس کی حکایت طبائع غفلت شعار کو سرمایۂ حیرت ہے - یہ چند شعر اس کے مرقوم ہوتے ہیں :

سبھوں کو مے ہمیں خوں ناب دل پلانا تھا
فلک ہمیں پہ تجھے کیا یہ زہر کھانا تھا

ہم نے چاہا تھا کہ حاکم سے کریں گے فریاد
وہ بھی کم بخت ترا چاہنے والا نکلا

^۲آغوش تصور میں جب میں نے اسے مسکا
لب ہائے نزاکت سے اک شور تھا بس بس کا

---

۱ - نسخۂ اول میں 'تخلص' نہیں ہے ، نول کشوری نسخے میں ہے -

۲ - یہاں سے بر بنائے کثافت ایک شعر حذف کر دیا گیا ہے -

داغ مرنے کا وہی محروم جانے جس کی آہ
موت آ پہنچی شتاب اور یار آیا دیر کر

عزت و قدر کی اس بت سے توقع ہے عبث
واں نہ عزت کی ہی عزت ہے نہ کچھ قدر کی قدر

رہا ہے غم سے یوں آنکھوں میں آب ارغوانی بھر
کہ جوں ساغر میں دے ساقی شراب ارغوانی بھر کر

رہ کے خاموش خوش آئے بت گلفام کو ہم
سیکھے ہیں بلبل تصویر سے اس کام کو ہم

زلف ہو بر سر احسان تو گرفتار کرے
چشم کی عین عنایت ہو تو بیمار کرے

نظیر

نظیر تخلص ، گنپت رائے ، شاگرد شاہ نصیر ۔ اس کے حال سے زیادہ اطلاع نہیں ، اور یہ ایک شعر مسموع ہوا :

کیا زرد ہوئیں عشق کے آزار سے آنکھیں
ہم چشم ہیں اب[1] نرگس بیمار سے آنکھیں

نقشی

نقشی رنگ آمیز نگارستان ہنر ، جلائے صافی گوہر ، رنگ بہارستان مکارم ذات ، آب گوہر محاسن صفات ، زبدۂ انام اسوۂ عظام ، والا دودمان ، بدر الدین علی خاں کہ شرق تا غرب

---

۱ - نسخۂ نول کشور (ص ۴۶۲) میں 'کب' ۔

اس کی صیت یکتائی نے اس طرح مملو کیا ہے جیسے عالم کو ہوا نے اور زمین تا آسمان آوازۂ کمال نے ایسا بے سپر کیا ہے جیسے فضا کو نگاہ تیزپا نے۔ پائے دولت کرسی نشین آسمان اور فرق عبودیت وقف آستان۔ گفتار و کردار تہذیب اخلاق کا باب۔ اوضاع و اطوار لطف و مروت کی کتاب۔ مشغلۂ اوقات دل ہائے خراب کی مرمت اور سرائے عقبیٰ کی معموری[1]۔ مصرف توجہ حضرت واجب سے تحصیل قرب اور ماسویٰ سے تلاش دوری۔ ہرچند اکثر فنون میں علم یکتائی بلند اور پایۂ کمال ارجمند ہے لیکن صنعت حکاکی میں نظر احول بھی اس کو ایک جانتی ہے اور اس تلاش دوئی پر اس کو یگانہ پہچانتی ہے۔ اس کی زبان قلم کے فیض سے اصاغر و ادانی کا نام اسم اعظم کے برابر اور ہر نگین خاتم سلیماں سے ہمسر۔ با ایں ہمہ سخن کا مرتبہ کس قدر بلند کیا ہے اور طرز کلام کو کیا کچھ دل پسند، ہر لفظ لذت معنی سے شیریں اور ہر حرف ملاحت سخن سے نمکیں۔ ہر صفحہ معنیٔ عرفان خیز سے ارباب کشف و شہود کا سینہ اور ہر بیت الفاظ آب دار سے گوہر شاہوار کا گنجینہ۔ یہ چند شعر کہ مذاق اہل دانش میں لذت بخش ہیں، صفحۂ تحریر پر ثبت اور مرقوم ہوتے ہیں:

دارم جنون در ہجر او ویرانۂ باید مرا
بیزارم از عیش و طرب غم خانۂ باید مرا

ساربان چوں محمل جانانہ بر جمّازہ بست
بر دلم بار غم و اندوہ بے اندازہ بست

---

۱ - نول کشوری نسخے میں 'ماموزی' ہے۔

بود ۔ ابتر دفتر دیوانگی ۔ هاپیش ازیں
ایں قدر۔ نقشی کتاب عشق را شیرازه بست

تا خدا ترس تو از غمزہ بکشتی و دگر
بر سر نعش من از بہر نماز آمدۂ[1]

نکہت

نکہت تخلص ، سلالۂ خاندان شرافت ، زبدۂ دودمان نجابت پسندیدہ اطوار ، خجستہ کردار ، مقبول خاطر نیک و بد ، حافظ غلام احمد ۔ اس نیک نہاد کو جناب استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی سے قرابت قریبۂ اور اسی جناب فیض انتساب سے تلمذ ہے ۔ کتب درسیۂ فارسی اور عروض اور قوافی کو اسی استاد فیض نہاد کی ہدایت و ارشاد کے ذریعے سے ایسا خوب حل کیا ہے کہ ان فنون میں گویا کوئی عقدۂ لاینحل تھا ہی نہیں ۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں فکر کرتا ہے اور اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے ، کلام حلاوت سے اور طرز نمک سے خالی نہیں ، معنی بلند ہے اور استعارہ دل فریب ، الفاظ پاک ہیں اور تشبیہ غریب ۔ یہ اشعار اس کے افکار گوہر نثار سے انتخاب ہوئے :

---

۱ ۔ ذرا یہ شعر بھی ملاحظہ فرما لیجئے :

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب
کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

فارسی

رخصت آہے اگر بخشی من مہجور را
می کنم تعلیم افغان ها صداے صور را

ظرف می باید که در مستی حریف من شوی
این مئے پر زور از جا مے برد منصور را

محتسب در خلوت او دخت رز نابالغ است
گر شکستی شیشه، مشکن دانۂ انگور را

همچو بیماری که هرگز کس نمی گردد برش
داشتی زانسان به تنها نگہت رنجور را

بازیچۂ بود که به اطفال می دهند
در دست جور سیم بر آں جان سخت ما

سر گرم گریه ایم و به سیلاب داده است
این سیل همچو خس همه سامان و رخت ما

چه باشد گر فتد بر دامن او خاکم اے گردوں
بدست باد ده یک دم عنان اختیار من

مبارک گر سر پامالیم داری ولے ترسم
که می‌ماند بخاک تفتۂ گلخن مزار من

اگر از حسرت آغوش یک دم پرده بردارم
چو بوے گل روی از خویش وآئی در کنار من

این راست قامتی ز کجا و تو از کجا
اے سرو سر کشیده تو بالاے کیستی.

رخ زرد و آہ سرد و جگر داغ بہر چیست
نگہت بمن بگو کہ تو شیدائے کیستی

ریختہ

ہم صاحب احتیاط ہیں زاہد نہ کر تو منع
کرتی نہیں ہے اپنے تو دامن کو تر شراب

بیداری اور خواب ہیں یاں جمع ایک جا
رکھتی ہے تیری آنکھوں میں کیا کیا اثر شراب

اچھا ہوا کہ آنکھوں سے خوں ہو کے بہہ گیا
مدت سے ایک آفت جاں تھی بلائے دل

جھگڑا ہی مٹ چکا تھا فلک کا پہ ضعف سے
لب تک مری پہنچنے نہ پائی صدائے دل

نگہت کے خود بہ خود کے الجھنے سے ہے یقیں
آئے کسی طرف سے ہیں اپنا لٹائے دل

نگہت

نگہت تخلص، مرزا نیاز علی بیگ ۔ خاندان شرافت اور دودمان نجابت سے تھا ۔ چہرہ اس کا کتب اخلاق کی فہرست، لب اس کا مصحف مروت کا مفسر، مزاج میں مزاح اور عین حالت انقباض میں انشراح ۔ فن سخن کو شاہ نصیر مرحوم سے کسب کیا تھا ۔ سکندر نامہ زبان اردو میں نظم کیا اور اس میدان میں اپنی حد سے قدم باہر رکھا ہے ۔ جو کہ فراخ رو اور کشادہ دست تھا، ذخیرۂ سابق نے کفایت نہ کی ۔

ہرچند پاؤں ضرب شدید پہنچنے سے ایسا بے کار ہوگیا تھا کہ راہ نوکری اور عرصۂ چاکری میں لائق دوا دو نہ رہا تھا ، اس نسخے کو وسیلۂ قدر شناسی سمجھ کر لنگ لنگاں سفر لاہور اختیار کیا ۔ اُس وقت وہ زمانہ تھا کہ راجہ شیر سنگھ پسر راجہ رنجیت سنگھ حکومت موروثی پر متمکن تھا ۔ ایک قصیدہ اس کی مدح میں گذرانا ؛ اتفاق تقدیر سے اُس کو پسند آیا اور اس متوقع کرم کو قدر دانی کا امید وار کیا ۔ دم اقامت تک خوراک کے نام سے اس قدر مقرر کیا کہ غالباً اور متوقع معاش کے واسطے مشاہرے کے نام سے مقرر نہ ہوتا اور رفتہ رفتہ اس کے دل میں ایسی جگہ ہوگئی کہ ہنگامۂ سیر و شکار بھی اس کی رفاقت سے خالی نہ تھا ۔ اس امر میں لنگیٔ پا کا عذر لنگ تھا ؛ یہ سمجھے کہ شاید آسمان اب راہ صلح میں گام زن اور بے مہریوں سے دست بردار ہوا ، لیکن غافل تھے کہ وہ پلنگ خو گرگ آشتی سے پیش آ رہا ہے ۔ ایک روز وعدۂ واثق درمیان آیا کہ کل فلانے باغ میں دربار کے وقت مرزا صلۂ نمایاں سے کام یاب کیا جاوے اور واقعی دوسرے دن وہی باغ اس کے ہوائے اقبال اور نسیم حضور سے شگفتہ ہوا ۔ حضار دربار دست بستہ موجود اور جناب نگہت بوئے گل کی طرح ارباب مجلس کے لیے لخلخہ مشام اور اسباب صلہ حرص و آز کے حوصلے سے زیادہ مہیا ۔ اس طرف بہانہ جوئی کرم قصیدہ خوانی کی منتظر اور اُس طرف جنبش لب اجازت سخن کی متوقع ۔ ناگاہ ایک غلغلہ عظیم پیدا ہوا اور ایک شور محشر نما برپا ۔ آنکھ اٹھا کر کیا دیکھا کہ مسند ریاست خون داور وقت سے ایسی سرخ تھی کہ زمین قصیدہ معانی بہار سے ایسی رنگین نہ ہو گی ۔ راہیں مسدود

ہو گئیں اور دروازہ بند اور قاتل کی تلاش ہونے لگی۔ نگہت بوے گل کے مانند بے خود ہو گئے اور ان کو باوجود شکستہ پائی کے یہ مضمون سوجھا کہ جس طرح سے ہو اس مجلس سے نکلنا چاہیے۔ قلم رو سخن میں نسیم و صبا کو قاصد بناتے تھے، ممالک پنجاب میں وہ[۱] صبا کے دوش پر سوار ہو کر راہی ہوئے۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہوا اور نونہال سنگھ مسند پدر پر جاے گیر ہوا، یہ برگشتہ بخت سر پر پاؤں رکھ کر شاہ جہاں آباد کی طرف راہی ہوا اور تا دم مرگ خانہ نشینی میں بسر کی۔ اس عرصے میں ایک فرہنگ مصطلحات زبان اردو میں پچاس ساٹھ جزو کے قریب مرتب کی۔ عرصہ کئی سال کا ہوا کہ گلشن جناں میں چوں بوے گل خرام ناز میں مصروف ہے۔ چند شعر اس کے نتائجٔ طبع سے انتخاب ہو کر مرقوم ہوئے:

کھیلتا ہے ساقیا گر تو بط مے کا شکار
تو لب دریا بنا موج مئے احمر سے دام

ترحم کب کسی پر یہ ستم آثار کرتے ہیں
نمک اس پر چھڑکتے ہیں جسے افگار کرتے ہیں

لگا ہے جب سے دل اس شوخ ہرجائی سے اے ہم دم
طبیعت ایک دم اپنی نہیں اب ایک جا لگتی

نہ لگتا دل گر اس زلف سیہ سے تیرہ بختوں کا
تو کیوں بیٹھے بٹھائے آن کے پیچھے یہ بلا لگتی

۱۔ نسخۂ اول اور دوم میں 'دو' ہے اس لیے 'وہ' بنایا گیا، غالباً ''وو'' واوین سے ہوگا۔

نصیحت دل لگے پر خوش نہیں آتی ہے اے ناصح
خدا کو مان اے بندے خدا کے، کہہ خدا لگتی

ہم نے چاہا تھا کہ سا‌‌تھ دخت رز کو منھ لگائیں
ہم سے یہ مردار ہر وقت تپاک اڑنے لگی

نوا

نوا تخلص، قدرت اللہ۔ مرد عمر رسیدہ اور معلم الصبیان ہے۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

ہم نے مانا بھی کہ محشر میں ملے گی دل کی داد
پر یہ حیران ہیں کہ کس منھ سے کریں فریاد ہم

نواب

نواب تخلص، سلالۂ خاندان سیادت، میر نواب، ساکن بلدۂ بنارس متبنائے جناب مرزا خورم بخت مرحوم ساکنین شہر مذکور کی نظر میں عزت و اعتبار سے بسر کرتا ہے۔ شیخ امام بخش ناسخ کی شاگردی کے ساتھ مشہور اور اب سخن سنجان بنارس کی زبان پر بہ حرف اُستادی مذکور ہے۔ یہ دو شعر اس کے یاد تھے:

پیکاں ہر ایک غنچہ ہے بن اس کے آنکھ میں
نشتر ہے باغ میں مجھے نالہ ہزار کا

اپنی برہنہ پائی سے ہر آبلے کو آج
کیا کیا مزہ ملا خلش نوک خار کا

نور حق

نور حق ، قدوۂ سالکان منازل کمال ، جامع صفات جلال و جمال ، شرف خاندان مجد و علا ، فخر دودمان اعتلا ، صاحب پایے گہ جلیل شاہ محمد جمیل سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ اس قدسی نژاد تقدس بنیاد کے عالی خاندان کا ذکر زبان کا شرف اور انفاس کا افتخار ہے اور اس کی والا دودمانی کی ستایش وصّاف کا موجب سعادت اور مداح کا منشاے اعتبار ۔ جد امجد اس کے حضرت عالم گیر اورنگ زیب کے حسب طلب زمین بخارا سے وارد کشمیر ہو کر منصب پانصدی ذات سے ممتاز اور آثار شریف کی حفاظت اور صیانت کے عہدے سے سرفراز ہوئے ۔ ان کے بعد خواجہ عطاء اللہ اور میر خواجہ پسر بعد از پدر اسی منصب پر قیام اور اسی عہدے کا سرانجام کرتے رہے ۔ پھر خواجہ محمود اگرچہ ایک زمانۂ ممتد تک اس منصب سے ممتاز رہے لیکن آخرکار اس کو خلل پذیر دیکھ کر حضرت دہلی تشریف لائے اور گو کہ حصول جاگیر سے کام یاب نہ ہوئے ، اعانت خرچ سے محروم نہ رہے ۔ اس کے بعد خواجہ جلیل پدر بزرگ وار شاہ محمد جمیل کے شاہ زادۂ کام گار مرزا جواں بخت کی رفاقت میں بنارس کو راہی ہوئے اور مرزا حاجی کی تحریک سے کہ مرزاے ممدوح کا خلف اور خلق اور مروت میں یادگار سلف تھا ، علاقہ مختاریٔ سرکار موصوف سے امتیاز پایا ۔ چند مدت کے بعد شاہ محمد جمیل عین ایام شباب میں پدر والا تبار کی طلب سے روانہ بنارس ہوئے ۔ اتفاقاً اس بزرگ نے داعیان قضا کے تقاضے سے نقد زندگانی کو محصلان اجل کے سپرد کر دیا تھا ۔ یہ جس روز بنارس میں پہنچے

فاتحه سیوم کا سرانجام برسردست تھا۔ خدا کی قدرت ہے کہ وہ علاقہ ان کے انتقال کے بعد ھی اور کے نام پر مقرر ھو گیا اور اس مستحق رعایت کے حق میں تواضع خشک کے سوا کچھ ظہور میں نہ آیا ۔ ناچار دل برداشتہ ھو کر اپنی سعی و اجتہاد سے سرکار انگریز میں روزگار معقول بہم پہنچایا لیکن کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ جذبۂ دل رھبر ھوا اور علاقۂ دنیا کو توڑ کر مسند فقر کو مزین اور خانہ نشیں ھو کر ایک گوشۂ عافیت معین کیا ۔ اوائل عمر میں کہ نہ چنداں عقل معاش کو سررشتہ جز رسی کا حاصل تھا اور نہ عقل معاد کو تمیز نیک و بد کا جہد کامل ، بعض رمز شناسان فیض باطن کے اشارے سے مولوی قطب الدین مرحوم ابن جناب جنت مآب مولانا و مرشدنا مولوی فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی لیکن اس سر منزل میں مقصود کا سراغ ھاتھ نہ لگا اور سر زمین فیض آگین ماڑھڑہ (مارھرہ) میں جا کر حضرت افادت مرتبت شاہ آل احمد کی خدمت با برکت سے کہ زبان عوام پر اچھےمیاں کے نام سے مذکور تھے ، شرف بیعت حاصل کیا اور فیض نامتناھی بہم پہنچایا ، حتیٰ کہ سلسلۂ خاندان چشتیہ و قادریہ و سہروردیہ و نقش بندیہ و مداریہ کے سلسلوں کی اجازت حاصل کی اور تکمیل نفس کے بعد پھر حضرت شاہ جہاں آباد میں وارد ھوئے اور جناب غفران مآب محمد نصیر مہدی نواسۂ خواجہ میر درد علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پہنچے ۔ اس جناب نے جب وہ استعداد کامل پائی ، اپنے خاندان کے فیض سے محروم نہ رکھا اور مجدداً سلسلۂ نقش بندیہ و قادریہ کے اجازت کی خلعت سے مخلع کیا۔ اب تک وہ ھی فیض طالبان رشد و ھدایت کی تکمیل کا وسیلہ اور

سالکان جاہ طلب کی رہ نمائی کا ذریعہ ہے۔ گاہ گاہ فکر شعر کی طرف بھی متوجہ ہیں اور استادی مولائی مولوی امام بخش صہبائی سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ شعر کہ ان کے نتائج ذہن وقاد سے ہے، اس مدعا پر دال اور اس دعوے کا شاہد ہے:

کیا عجب گر یہ فروغ سخن آرائی ہے
نورحق تو بھی تو اک ذرۂ صہبائی ہے

سر رشتہ طول کلام کوتاہ کر کے چند شعر اس تقدس نہاد کے کلام معجز نظام سے درج تذکرہ کرتا ہوں:

حجاب خودی اٹھ گیا جب کہ دل سے
تو پردہ کوئی پھر نہ حائل رہے گا

ہجر میں تو آرزو ہے دیکھیے ہر دم اسے
اور جب دیکھوں تو ہوجاتا ہوں میں تصویر سا

یہ پاس خاطر اغیار ہے اسے کہ وہ شوخ
بٹھائے ہے مجھے محفل میں اپنی سب سے دور

آنکھ اٹھا کر کون دیکھے جلوۂ حوران خلد
نورحق خوگر ہیں آنکھیں اور ہی دیدار سے

رباعی

دنیا میں ہوا عدم سے آنا اپنا
اور آ کے ہوا نہ یاں ٹھکانا اپنا
نے جانے کی راہ ہے، نہ رہنے کی جگہ
دشوار ہوا ہے منہ دکھانا اپنا

ایضاً

تا حق کے ہیں تجھ کو مجھ سے فکر و حیلے
دل پہلے لے لیا ہے اور اب جی لے

سیتا تو ہوں ، نام حق پہ بے تابی سے
ہو جاتے ہیں زخم دل کے ٹانکے ڈھیلے

نیاز

نیاز تخلص ، محمد نیاز علی ولد پیر جی محمد مبارک علی ، ساکن قصبۂ بچھڑاؤں[1] ضلع مراد آباد ۔ بزرگ اس سعادت منش کے مشایخ کبار سے تھے اور اس نونہال کی پیشانی سے خورد سالی میں سعادت و رشد کے آثار ظاہر و آشکار ہیں ۔ یہ اشعار اس کے نتائجِ طبع سے ہیں :

سوائے ایک صدا کے نہ دوسری آئی
ہر ایک گھر پہ ہر اک در پہ میں پکار آیا

سرگرم فغاں شب دل ناشاد و حزیں تھا
شعلہ مری آہوں کا جو تھا عرش نشیں تھا

دوری میں نیاز اس کی کہوں کیا کہ مرا دل
کس درد ، کس اندوہ ، کس آفت کے قریں تھا

برباد ہو کے یار کے دل میں ملی جگہ
آباد کر گئیں مری بربادیاں مجھے

---

۱ - بچھڑاؤں : نسخہ نول کشور (ص ۴٦۷) -

صحرا سے کوہ کوہ سے کوئے نگار میں
لایا ہے یہ جنوں بھی کہاں سے کہاں مجھے

نیر رخشاں

نیر رخشاں تخلص، فارس مضمار اقبال، یکہ تاز عرصۂ جاہ و جلال، جوہر تیغ شہامت، صافیٔ آئینۂ دولت، زور آزمائے معارک ہمت بلندی، معرکہ آرائے مصاف عدو بندی، نواب والا دودمان محمد ضیاء الدین خاں بہادر، خلف الصدق نواب گردوں اقتدار دشمن شکار زبدۂ نوئینان جہاں احمد بخش خاں بہادر مرحوم والیٔ فیروز پور جھرکہ۔ آسماں پایگی کو اس کی جاہ سے بلندی اور محیط سرمایگی کو اس کی بہ دولت ارجمندی۔ آفتاب اس کے ضمیر سے گنجینۂ نور اور سنگ آستاں اس کے نقش قدم سے ہم رتبۂ طور۔ ذات جامع فضل و افضال، صفات مستجمع جلال و جمال۔ فروغ اقبال سے اگر زمین پر نظر ڈالے، پستی کو آسماں بنا دے اور ذرے کو خورشید درخشاں اور گرانیٔ حلم سے اگر کوہ پر قدم رکھے، پشتے کو مغاک کر دے اور سنگ کو خاک۔ تواضع اور فروتنی کا یہ حال کہ گویا زلف نے شکست کو اور ابرو نے تسلیم کو اس سے وام لیا ہے اور خلق و مروت کا یہ طور کہ غالباً گل نے طیب انفاس اور بحر نے دریا دلی کو اسی سے حاصل کیا ہے۔ اہل انصاف جانتے ہیں کہ سن جوانی میں کمالات پیری کو بہم پہنچانا اور موسم گل میں لذت ثمر سے شیریں کام ہونا ترقیات روز بہ روز پر دال ہے۔ علوم رسمی کو تحقیق اور تدقیق سے حاصل کیا اور علم ادب میں ید طولیٰ بہم پہنچایا۔ کتب سیر

کے مطالب ایسے معلوم ہیں کہ آدم سے اس دم تک واقعات۔ گزشتہ ارباب معاملہ سے زیادہ ملحوظ اور سرگزشت عالم۔ مخطورات ضمیر سے زائد مفہوم ہے ۔ میزان سخن سنجی میں پایۂ ہنر گراں سنگ اور بہار معنی نگاری میں گل برگ اوراق۔ سیر رنگ ، مشق شعر کو مرزا اسد اللہ خاں غالب تخلص کی نظرِ تربیت سے کمال کو پہنچایا اور حریفان زبان دراز کا سر خاک پر جھکایا۔ لطف سخن سے اہل فہم کی زبان حرف تحسین سے خاموش نہیں ہوتی اور خوبیٔ کلام سے ارباب کمال کی طبیعت جادۂ اشتیاق میں کاہل کوشش نہیں ہوتی ۔ اس نام نامی کا جزو اول کاشانۂ ابیات فارسی کو فروغ آفتاب کا مخزن کرتا ہے اور جزو ثانی شبستان اشعار ہندی کو جوں پرتو مہتاب روشن ، یعنی فارس سے ہند تک اسی نام بلند مقام کے زیر نگیں ہے اور ان دونوں قلم رو کے نقد سرہ پر اسی کے نام کا سکہ مربع نشیں ۔ جو کہ نیّر ذات ہے اور رخشانی اور فروغ لوازم اور صفات گویا توجہ ریختہ کی طرف بالعرض ہے اور فارسی کی جانب بالذات ۔ جو کہ میرے قلم کی زبان اس کے ذکر محامد میں حرف عجز سے آشنا ہے اور اسی کا کلام اس کے کمال کی مدح میں کما حقہ گویا ، چند شعر فارسی اور ریختہ۔ سے ذخیرۂ کتاب ہوتے ہیں کہ 'لا احصی' کا عذر اور 'انت کما اثنیت' کی وجہ خاطر نشین احباب ہو جائے :

بکن ہلاک کہ شادم بہ نارواییٔ خویش
بروے من مکشا چشم اعتبار مرا

---

۱ - نسخہ نول کشور (ص ۳۶۸) 'مکن' ۔

نمود تیره چو شب روے روشنان سپہر
بخاک سای سر نخوت غبار مرا

دلش بسوخت چو بر کار ہاے بے مزدم[1]
وفا نتیجه به از مزد داد کار مرا

نمود سعی به بے برگئی من و خجلم
به کیسه نیست چو پا مزد روزگار مرا

اگر نیامدن دوست ماتمے دارد
سفید بہر چه شد چشم انتظار مرا

سرے و شور نشور و لبے و نفخۂ صور
فلک ز پہلوے نیر نگاه دار مرا

خوش می‌برد بخواب عدم قصه مختصر
افسانۂ درازیٔ شب ہاے تار ما

در شبستان سینه از تپ غم
شمع روشن بر استخوان من است

گر ستم ور کرشمه افزوں باد
ہر چه بر من ز دلستان من است

ننشاند ز سوز جگرم دوش بر خود
خواهم که به خنجر بشگافم جگر خود

پیچیده غبارم به هوا در گزر دوست
آں به که ز نم آب هم از چشم تر خود

---

۱ - نسخه مطبوعه دهلی اور لکھنؤ میں 'بے مردم' ہے
''بے مزدم'' صحیح ہے ۔

چون آمده ایم از عدم آسان بود اکنون
پیمودن راہے که بود بے سپر خود

نیّر گزر از رشک بہر نامۂ دشمن
تا دوست بدیں وجه نراند ز در خود

دست در غارت کالاے خودم بکشودند
بہر ایں گرمیٔ بازار دکانم دادند

رشک بر دامن من تا نبرد دامن دهر
خامه هم چوں مژه خوننابه فشانم دادند

روش دهر بیک گونه نباشد نیّر
نه چنیں بود که هست و نه چنانست که بود

تا نقاب از روے چوں خورشید او برداشتم
دیدم آں دولت که چشم از چرخ و اختر داشتم

آں دم که بخش چشم و دهاں کرد روزگار
خندیدن از تو بوده و از ما گریستن

تا زنم آتشے بچرخ آه مرا شرار کو
تا دهم ایں جهاں به آب دیدۂ اشکبار کو

تا تو ستیزه آوری من ره عجز بسپرم
جور ترا کراں کجا، شوق مرا کنار کو

دیده چوں مرده به نا چاریٔ من رحم آورد
صورت زندگی از مرگ بتر بایستے

هست آویختۂ زلف کسے می شنوم
از دل زارم ازیں بیش خبر بایستے

پردۂ دل گر کشودمے چہ غمستے
لالہ ستانے نمودمے چہ غمستے

رباعی

از کوریٔ خود بروز انور عقرب
نیشے زدۂ بہپائے نیّر عقرب

بز مہ نرسد از تو چشم زخمی نہ بہر
من نیر اعظمم نہ اصغر عقرب

ریختہ

ممنوں نہیں ہے برق و سموم و شرار کا
رکھتا ہے حکم جلنے میں عاشق چنار[1] کا

جب اپنے شغل سے دل خونین نہ باز آئے
پھر کیا گناہ دیدۂ خوننابہ بار کا

آنکھوں میں بوالہوس کی کھٹکتا ہوں مثل خار
احسان ہے یہ مجھ پہ مرے جشم زار[2] کا

گر انتہا نہیں ستم و جور یار کو
شوق زیادہ جو کہ مرے بھی گراں نہیں

---

۱ - نسخہ اول (ص ۳۷۳) مصرع ثانی میں 'چنار شرار' غلط ہے۔ 'چنار' درست ہے ، اس لیے نسخہ نول کشور میں 'چنار شرار' قلم زد ہے۔

۲ - نسخہ نول کشور (ص ۳۷۰) میں بجائے 'مری چشم زار' 'مرے جسم زار' ہے اور یہی صحیح ہے۔

ہے دوست صدق دشمن و دشمن دروغ دوست
کیا رشک صلح جس میں صفا درمیاں نہیں

نکلے آنکھوں سے وہیں جذب ہوئے دامن میں
بجز اشکوں کے کوئی گوہر نایاب نہیں

پیری و مفلسی میں نہ لو نام مے کہ اب
لطف ارتکاب میں ہے نہ اجر اجتناب میں

پی کے[1] گرنے کا ہے خیال ہمیں
ساقیا لیجیو سنبھال ہمیں

شب نہ آئے جو اپنے وعدے پر
گزرے کیا کیا نہ احتمال ہمیں

تیرے غصے نے ایک دم میں کیا
مردۂ صد ہزار سال ہمیں

طالع بد سے نیّر رخشاں
اپنے ہی گھر میں ہے وبال ہمیں

کیا پہنچے تو، فرشتے کا جس جا گزر نہ ہو
بیت الصنم ہے شیخ، خدا کا یہ گھر نہ ہو

رخشاں جو آتے آتے ابھی رک گئے ہیں اشک
آنکھوں میں آ گیا کوئی لخت جگر نہ ہو

کر کے نومید ہمیں قتل سے پہلے یکسر
خون رلوا چکے کیا خون کا دعویٰ کیجے

---

۱ - نسخہ اول میں 'کہ' نسخہ نول کشور میں 'کے'
درست ہے -

چاک یکسر مرا گریباں ہے
دل کا محضر مرا گریباں ہے

سینے کا چاک کرنا سکھلایا
میرا رہبر مرا گریباں ہے

بوالہوس اور بھی مرنے کی کریں گے خواہش
لے کے گل قبر پہ رخشاں کی نہ آیا کیجے

باب الواو

واحد

واحد تخلص شیخ عبدالواحد ۔ شہر شاہ جہان آباد میں۔ رهٹ کے کوئیں کے حوالی میں ساکن اور حکیم آغا جان عیش تخلص کا شاگرد ہے ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

مونس اپنا عشق میں سمجھا تھا واحد دل کو میں
پر مرے پہلو میں وہ بھی دشمن جاں ہو گیا

بے تاب ہو کے شوق میں سب راز کہہ دیا
واحد ستم کیا یہ دل بے قرار نے

پوچھتے کیا ہو اسیران قفس کا احوال
بال و پر نکلے نہیں تھے کہ گرفتار ہوئے

وارث

وارث تخلص ، شاہ وارث الدین ، مخاطب بہ زمرد۔ رقم خاں ۔ حضرت کرامت مظہر شیخ فریدالدین شکر گنج رحمۃاللہ علیہ کی اولاد اور مشائخ پاک طینت صافی نہاد سے۔

تھا ۔ کمالات ظاہری اور باطنی کے حلیے سے آراستہ اور زیور قابلیت سے پیراستہ ، خط نستعلیق اور نسخ اور تعلیق اور ریحان اور شفیعا اور شکستہ اور گلزار میں علم یکتائی بلند اور استادیٔ عالم گیر ثانی نے اس کے مرتبے کو ارجمند کیا تھا ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہے :

ہم نے کیا کیا نہ ترے ہجر میں اے یار کیا
سینے کو داغ اور آنکھوں کو گہر بار کیا

وجاہت

وجاہت تخلص ، احمد علی ولد احمد نور خان مرحوم ۔ قوم سے افغان اور ساکن قدیم رام پور اور فن شعر میں شاگرد محمد حیات خاں حیات تخلص ہے ۔ مرد خوش خلق اور نیک نہاد اور صاحب طبع حلیم و ذہن ۔ مستقیم ہے ۔ یہ شعر اس کے افکار سے ہیں :

ہے وجاہت یہ زیست نقش بر آب
کیا یقین آئے نقش باطل کا

دل ہوا جائے ہے خوں ابروے خمدار کو دیکھ
تیر لگتا ہے جگر میں مژۂ یار کو دیکھ

وجود

وجود تخلص سید محمد علی ساکن بنارس ۔ ہزل گوئی میں زبان اس کی وا اور سلسلہ اس کی شاگردی کا صاحب قران تک

پہنچتا ہے۔ تذکرے کی ضرورت سے یہ ایک شعر مرقوم ہوا[1]:

وحشت

وحشت تخلص، خاندان والا دودمان، غلام علی خان۔ شرافت کو اس کے نام سے عظمت اور نجابت کو اس کی ذات سے کرامت، حلم اور برد باری اور مروت میں بے عدیل اور ایجاد معنی اور ابداع سخن اور جودت فکر میں بے نظیر۔ مشق سخن مومن خاں مومن تخلص مرحوم سے کی ہے اور خوش فکری کو حد کمال تک پہنچایا۔ یہ اشعار اس کے افکار گوہر نثار سے ہیں:

آیتیں حرمت صہبا کی سناتا ہوں اسے
ذکر سن سن کے رقیبوں کی مے آشامی کا

دل میں عدو کے بڑھ گئی کیا الفت آپ کی
کچھ ان دنوں میں پہلے سے لطف و کرم نہیں

بے تکلف آئے وہ بہر تماشا وقت نزع
کام آساں ہو گیا یاں مردن دشوار سے

نالہ میرا روز و شب سن سن کے عادت ہو گئی
اہل عالم اب نہیں مرنے کے بانگ صور سے

وحشت

وحشت تخلص، میر حبیب احمد، خلف زبدۂ مشائخ کبار، میر مشتاق احمد۔ نوجوان خوش ترکیب، خوش مزاج،

۱ - شعر بوجہ کثافت حذف کر دیا گیا (مرتب)۔

فن فارسی سے بقدر ضرورت آگاہ ہے۔ شعر ریختہ ہر چند کم کہتا ہے لیکن اچھا کہتا ہے:

آخر اپنا بھٹک بھٹک کے غبار
ایک دن اس کے در پہ آ ہی رہا

آپ ہی رک رک کے مر گیا آخر
حال وحشت کا کچھ چھپا ہی رہا

خانہ خراب نالہ و زاری سے باز آ
ہر دم کی ہائے ہائے میں اے دل اثر نہیں

چلو اے حضرت دل اب کرو کچھ اور فکر اپنا
کہاں ہے اب دماغ اتنا کہ سہویں ناز خوباں کو

شغل واں اس کو مے کشی کا رہا
زہر کے گھونٹ یاں پیے ہی بنی

اس کے تھم تھم کے گھر کے آنے پر
ہم کو رک رک کے جاں دیے ہی بنی

جو نہ سننا تھا وہ سنا ہم نے
جو نہ کرنا تھا وہ کیے ہی بنی

دل کی خانہ خرابیاں وحشت
عاقبت سر پہ دھر لیے ہی بنی

وحشت

وحشت تخلص، شاہ زادۂ بلند مرتبت، صاحب تمکین، میرزا کبیرالدین۔ متانت وضع اور حسن اخلاق اور فرط مروت

اور کثرت حلم میں شہرۂ روزگار ہے ۔ شیخ ابراہیم ذوق سے مشق سخن کی ابتدا کی تھی اور مرزا رحیم‌الدین حیا سے اس کمال کو انتہا تک پہنچایا ۔ یہ اشعار اس کے کلام معجز نظام سے انتخاب ہوئے :

وہ بے وفا و امید تسلیٔ شب غم
خیال یہ دل مضطر ترا کدھر آیا

کون سے فتنوں میں ہے فتنۂ محشر ظالم
سیکڑوں فتنے ہیں ایسے تری رفتار کے پاس

ناحق کے ظلم و کاوش بے جا سے کیا حصول
لو گے ستا کے کیا کسی خانہ خراب کو

وزیر

وزیر تخلص ، خواجہ وزیر ، متوطن خاک مینو آئین لکھنؤ ۔ مرد کبیر السن اور ریختہ گویان قدیم سے ہے ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

خاک ساری ہے فقیری میں بھی مشکل ورنہ
پیرہن مٹّی میں کس کو نہیں رنگ آتا ہے

وصال

وصال تخلص ، حکمت مآب ، فضائل اکتساب ، سلالۂ اماجد کرام ، زبدۂ افضل عظام ، قدوۂ اکابر آوان ، حکیم نصیراللہ خان سلمہ‌الرحمان ، خلف جناب مستطاب غفران پناہ ،

مغفرت دست گاہ ، یگانۂ آفاق حکیم ثناء اللہ فراق ۔ جناب حکمت مآب موصوف کے اوصاف حمیدہ اور اطوار پسندیدہ اگر بیان کیے جائیں تو نہ زبان تاب رکھتی ہے اور نہ کتاب گنجائش ۔ قامت استعداد اُس جناب کا حلیۂ علوم عقلیہ اور نقلیہ سے آراستہ ۔ حدیث، فقہ و اصول و حکمت و ہندسہ و ہیئت کو مولانا و مخدومنا مولوی رفیع الدین رحمت‌اللہ علیہ کہین برادر جناب جنت مآب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے تحصیل اور علم طب کو حکیم کامل اور طبیب فاضل حکیم شریف خاں علیہ‌الرحمۃ و الغفران سے کسب کیا ۔ عقل باور نہیں کرتی کہ یہ حدس صائب درگاہ حکیم علی‌الاطلاق سے کسی اور کو عطا ہوا ہو ۔ بیماریٔ چشم نرگس اور جوش خون لالہ کی علت کا دریافت کرنا ایک امر سہل ہے ۔ صبا اگر اُن کے شفاخانے میں چلے دل صنوبر کو خفقان سے نجات دے اور اگر نسیم اُن کے دستور العمل کے موافق کام کرے، شکم غنچہ کو نفخ سے بچا لے ۔ طلاء شبنم اگر ان کی تدبیر سے ہوتا ، رگ گل میں خون نہ مرتا اور اگر لخلخۂ گل ان کی تجویز سے عمل میں آتا تو بلبل کا مرض دماغ اتنا طول نہ پکڑتا ۔ ان کمالات سے قطع نظر اوقات شبا روزی میں بیش تر عبادت و طاعت میں مصروف اور اکثر احیان اسی امر نیک میں مشغوف ۔ ایسا عالم با عمل عرصۂ روزگار میں کم مشاہدہ ہوا ، موزونیٔ ذاتی اور مناسبت طبیعی سے گہ گاہ فکر شعر بھی دامن گیر ہوتا ہے ۔ یہ اشعار ان کے افکار گوہرنثار سے ہیں :

جانِ مَن اضطراب اِس دل کا
رشک افزا ہے مرغ بسمل

تھا سر اپنے بدن پہ بار گراں
میں ہوں ممنون تیغ قاتل کا

پھر تو قفس ہی خوب ہے اے مرغ ناتواں
پرواز جب کہ ہو نہ سکے آشیاں تلک

پھیریں گے منھ نہ ہرگز اس شوخ کی جفا سے
ہوگا یہی نہ آخر مر جائیں گے بلا سے

کس کس سے جاں بچاؤں حیران ہوں الٰہی
چشمک سے، شوخیوں سے، انداز سے، ادا سے

وصل

وصل تخلص، نوجوان خوش اخلاق، سلیم طبع، محمد علی خاں، خلف جناب کمالات انتساب حکیم نصراللہ خاں وصال تخلص۔ اس سن و سال میں علوم رسمی سے فارغ التحصیل اور فن طب سے کما ینبغی بہرہ مند۔ سچ ہے فرزند رشید ایسے ہی سعادت کیشان اہلیت شعار کو کہتے ہیں۔ فن شعر میں اپنے والد ماجد سے مشورہ کیا ہے۔ یہ اشعار اس کی طبع رنگین سے انتخاب ہوئے:

کیا مزہ اس دل مجروح کو حاصل ہوتا
اس کی شمشیر کے گر ساتھ نمک داں ہوتا

دشت پرخار میں جب ہم رہے بے دامن و جیب
چاک چاک اپنا نہ کیوں کر تن عریاں ہوگا

گر لکھوں حال دیدۂ تر کا
مثل دریا ہو حال دفتر کا

حیف جس میں کہ نامہ باندھا تھا
گر پڑا پر وہی کبوتر کا

ظلم اس سنگ دل کے بس کہ سہے
بن گیا اپنا دل بھی پتھر کا

ناتوانی سے میں حیران ہوں بیٹھا اس طرح
جیسے دیوار سے جاوے کوئی تصویر لگا

بوسے تو اپنے لب کے ہمیں پانچ چار دے
ساتھ اس کے گالیاں بھی اگرچہ ہزار دے

محفل اغیار میں مجھ کو بلایا آپ نے
فتنہ کیا بیٹھے بٹھائے یہ اٹھایا آپ نے

وفا

وفا تخلص ، مرزا دارا بخت مرحوم ابن مرزا جمشید بخت مغفور ، ابن حضرت شاہ عالم بادشاہ مبرور ۔ صاحب طرز عاشقانہ اور خلق اور مروت میں یگانہ ۔ صافیٔ کلام رشک مرأت ، جان بخشیٔ سخن غیرت آب حیات ۔ سخن اس کا زیور صنائع اور بدائع سے آراستہ ۔ مرزا جمعیت شاہ ماہر سلمہ‌اللہ تعالیٰ اس شاہ زادۂ عالی مرتبت کے فرزند رشید ہیں ۔ اس مسافر راہ عدم نے اس مہین خلف کو خورد سالی میں چھوڑا ۔ حضرت احسان علیہ‌الرحمۃ و الغفران کی شاگردی سے ممتاز اور اس جناب کو اپنے تلامذۂ سخن سنج میں اس صاحب فہم کے ذہن پر ناز تھا ۔ یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر درج کتاب ہوئے :

بادہ نوشی سے آسے کام ، یہاں تشنہ لبی
عید رہتی ہے وہاں ، یاں رمضاں رہتا ہے

منھ سے تو کچھ کہو تم کس واسطے خفا ہو
اس اپنے خستہ دل سے اس اپنے نیم جاں سے

میں نے کہا جو رو کر مرتا ہوں تم نہ جاؤ
اک ناز اور ادا سے کہنے لگے وہ ''کب سے؟''

کوچے میں بعد مرگ مجھے اس کے جا ملے
ایسے کہاں نصیب جو یہ مرتبا ملے

وفا

وفا تخلص ، میر حیدر علی مرثیہ خوان ۔ اپنی خوش آوازی سے الحان داؤدی کو دل سے بھلا دیا اور تاثیر انفاس سے پتھر کو موم بنا دیا ۔ مصیبت زدگان کربلا کا ذکر اگر اس ذاکر با اخلاص کی زبان سے سنتا ، یزید اپنے افعال سے خجل اور شمر اپنے کردار سے منفعل ہوتا ۔ گاہ گاہ موزونیٔ سخن کی طرف بھی عنان توجہ معطوف ہوتی ہے ۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں :

خاک پہنچائی نہ میری کبھی اس دامن تک
اے صبا تو نے اڑا کر آسے برباد کیا

ہم تھے مشتاق شہادت اور وہ خنجر بہ کف
قتل کرنے میں ہمارے پھر تامل کیوں ہوا

دشمنوں سے مل مل کر خاک میں ملاتے ہو
خاک دوستی کا ہو آپ پر گماں اپنا

ولی

ولی تخلص، شیخ ولی محمد، خلف شیخ منگلو۔ وطن اصلی اس کا سیالکوٹ اور مولد اس کا شاہجہاں آباد۔ والد ماجد اس کا نواب نجابت علی خاں مرحوم والیٔ جھجھر کی سرکار میں عہدۂ کرنیلی سے سرفراز اور اقران و امثال سے ممتاز تھا اور یہ بزرگ منش عہد طفولیت سے اب تک نواب بہادر جنگ خاں بہادر والیٔ بہادر گڑھ کی سرکار میں اعتبار و جاہ سے بسر کرتا ہے۔ کبھی عہدۂ کوتوالی اور کبھی ندیمی اور مصاحبت سے سر بلند ہو کر اخوان روزگار کیا بلکہ آقاے قدر شناس کی نظر میں عزت و وقار رکھتا ہے۔ عمر پینتالیس چالیس برس کی ہے اور فکر سخن ہنوز جوان ہے۔ سخن کی مشق شاہ نصیر مرحوم سے کی اور بہ سبب کم فرصتی کے ترتیب دیوان ہنوز صورت پزیر نہیں ہوئی۔ راقم کو یہ تین شعر اس کے یاد تھے:

کیوں کہ بتلاؤں نشاں تجھ کو ستم گر اپنا
عالم خانہ بدوشی میں کہاں گھر اپنا

رتبہ تھا کیا قمر کا جو کرتا وہ ہمسری
جب آفتاب رخ کے برابر نہ ہو سکا

کشتہ جو تری نرگس فتاں کا ہے اے شوخ
زندہ وہ کبھی عیسیٔ مریم سے نہ ہوگا

باب الہا

ہادی

ہادی تخلص ، مرزا غلام فخرالدین بہادر خلف الصدق مرزا خجستہ بخت بہادر مرحوم ، ابن حضرت فردوس منزل شاہ عالم بہادر مغفور ۔ حکیم آغا جان عیش سے تلمذ اور طبع سلیم اور ذہن مستقیم رکھتا ہے ۔ یہ شعر اس کا یاد تھا :

آیا نظر وہ مہر لقا تین دن کے بعد
روشن یہ قصر چشم ہوا تین دن کے بعد

ہاشمی

ہاشمی تخلص ، محمد نادر حسین خاں ۔ صاحب شوکت و جاہ ، دولت و اقبال پناہ ، بلند مرتبت ، فلک منزلت ، حلم اس کی طبیعت میں جاگزیں ، وقار اس کے اوضاع سے ہم نشیں ۔ گل زمین کالپی میں رئیس کامگار اعظم الدولہ نصیر الملک نواب محمد حسین خاں بہادر دام اقبالہ کی سرکار

فلک مدار میں عہدۂ نیابت سے سرافراز اور اخوان روزگار سے بیشیٔ مراتب اور افزونیٔ مدارج میں ممتاز ہے ۔ اقبال و جاہ اس کا رفیق جانی اور علم و فضل اس کا خاندانی ہے ۔ پدر عالی وقار اس کا شیخ فرخ حسین حرماں تخلص میدان شاعری اور عرصۂ انشا طرازی میں شہ سواران کمال سے قصب السبق لے گیا تھا اور رئیس ممدوح اور اس کے والد ماجد مغفور ناظم الدولہ نواب امیرالملک بہادر ظفر جنگ جنت آرام گاہ کی استادی کے شرف سے مشرف تھا ۔ یہ چند شعر اس صاحب مرتبۂ عالی کے اشعار سے انتخاب ہوئے :

اس سنگ دل سے آج ملاتا ہوں اپنا دل
شیشہ مرا مقابلہ کرتا ہے سنگ کا

فاتحہ خواں ہوں روح مجنوں پر
ہے برادر پہ حق برادر کا

مجھ کو کرتا ہے کب شکار وہ شوخ
کون خواہاں ہے صید لاغر کا

ہاشمی دیکھیے کیا پائے قرار آخر کار
عشق اور عقل میں دن رات ہے جھگڑا ہوتا

یہ راز عشق چھپے کس طرح کہ ان روزوں
ہمارے بس میں دل خانماں خراب نہیں

لوٹی جو میں نے زلف و رخ یار کی بہار
بگڑے ہے شانہ آپ کو، آئینہ آپ کو

جب ہاشمی دیکھا تجھے حیران ہی دیکھا
سچ کہہ ہے تعلق تجھے کس آئنہ رو سے

دو مجھ کو سیر گل کی نہ تکلیف دوستو
وہ دل نہیں رہا، وہ طبیعت نہیں رہی

واشد مرے دل کی کوئی ممکن ہے صبا سے
کھلتا ہے کہیں غنچۂ تصویر ہوا سے

سرو اس قامت موزوں پہ فدا ہوتا ہے
رنگ گل دیکھتے ہی رخ کے ہوا ہوتا ہے

اس قدر کنج قفس مجھ کو خوش آیا ہے کہ اب
دل مرا نام رہائی سے خفا ہوتا ہے

عشق کے آغاز ہی میں تم کو ہے جوش جنوں
ہاشمی ہوتا ہے کیا انجام اس کا دیکھیے

ہجر

ہجر تخلص، مولوی محمد حسین، ساکن قصبہ جے پور۔ بایام خورد سالی میں گل زمین شاہجہاں آباد میں وارد اور شدائد غربت اور مہاجرت اقارب کو اپنے نفس پر گوارا کر کے تحصیل علم و ہنر میں سعی مشکور کو نصاب کمال تک پہنچایا اور روز و شب خدمت سراسر افادت جناب مولانا و بالفضل اولنا مولوی امام بخش صہبائی سے مشرف ہو کر زانوے تلمذ تہہ کیا، پردۂ چشم کو اوراق کتاب سے کوک کیا اور انفاس کو نتائج افکار بلغا کے واسطے گہوارہ بنایا۔ پیک فکر کو ایسا تیز رو کیا کہ راہ تنگ و تاریک عبارت کو بے سپر کر کے معنیٔ دشوار یاب کا سراغ جہاں سے مل سکا بہم پہنچایا۔ نہ رات کو رات سمجھا، نہ

دن کو دن ـ رات کو خواب کا دشمن اور کتاب کا رفیق جانا اور دن کو تعطیل کا عدو اور تحصیل کا صدیق ـ خلوت شب میں دود چراغ غذائے دماغ ہوتا تھا اور عرصۂ روز میں عرق سعی گوشۂ دامن کو گرداب کرتا تھا ـ جناب مولانا نے جب سعی اور شوق کو ہم آغوش پایا اور اخلاص تہ دلی اور اعتقاد خالص کو ہم دوش ، شفقت پدرانہ مبذول کی اور تربیت فرزندانہ صرف ـ سچ ہے جب تک اپنی سعی اور استاد کی شفقت فراہم نہ ہوں ، تحصیل کمال دائرۂ امکان سے خارج ہے ـ چند روز میں فنون متداولہ میں دست گاہ کامل حاصل ہو گئی اور ہر کتاب سے ہر مقام کے غوامض نے اس کی فکر کے ساتھ ہم آغوشی کی ـ کتاب دانی میں کہ بے تائید الٰہی حاصل نہیں ہوتی، امثال و اقران میں علم یکتائی بلند کیا ، تحقیق لغت اور تفتیش مصطلحات میں اس قدر صرف اوقات ظہور میں آئی کہ چند مدت کے بعد تن خود ایک جلد کتاب ہو گیا اور دل ایک فرہنگ ـ جو کہ اصل طینت میں موزونی مخمر تھی ، ایام طالب‌علمی میں باوجود توجہ تحصیل کے گاہ گاہ نقش باغچۂ دل سے مثل سرو خود بخود موزوں ہو کر جلوہ گر ہو جاتا ، لیکن اس امر کے توغل کو مشغلۂ علوم کا مانع تصور کر کے کتاب سے صحبت اختیاری اور شاہدان معانی سے مہاجرت اضطراری کو واجب جانا ـ اگرچہ یہ شغل خطیر حسن طبیعت اور جلوۂ افکار کا پردہ پوش تھا ، لیکن لمعہ ان پری وشوں کا رنگ شراب کی طرح شیشۂ ضمیر سے بے اختیار چھلک جاتا اور جو کہ وہ ثمراۃلفواد استعداد علمی کا دست پخت ہوتا ، اہل سخن کے مذاق میں گوارا آتا تھا ـ جب تحصیل سے فراغت کلی حاصل ہو گئی ، فکر و خیال

کو شاهدان معانی کی مشاطگی پر مامور کیا اور اس فراغ بال میں سخن سنجی کو شغل ضروری سمجھ لیا ۔ مراعات لفظی اور صحت محاوره کے باب میں تو کچھ هدایت کی احتیاج هی نه تھی ، چستیٔ تراکیب اور گرمیٔ الفاظ اور کرسی نشینیٔ معنی که بسبب کم مشقی کے اهل استعداد سے ان امور میں فرو گزاشت هو جاتی هے ، استاد معلیٰ القاب کے التفات سے کم تر روزگار میں پایۂ والا کو پهنچ گیا اور اهل روزگار نے طبائع عوام پر نظر کر کے استعجاب کا فرق چرخ بلند تک پهنچایا ۔ طرفه یه هے که جس قدر سرمایۂ استعداد بڑھتا تھا اسی قدر اخلاص و اعتقاد فرزندانه اس استاد شفیق تر از پدر کی خدمت میں ترقی پاتا جاتا تھا ۔ جس زمانے میں شاهد اقبال سکھان بے دولت کا پایه شباب سے فرود آ کر قدرے کهولت کی طرف میل کرنے لگا تھا ، یعنی رنجیت سنگھ کی ممات کے بعد راجه شیر سنگھ نے مسند حکومت پنجاب کو زینت دی ، ایک تقریب حسن سفر لاهور کا سبب هوئی اور چند سال تک وه گل زمین اس کے قدوم بهار لزوم سے خرم اور سر سبز رهی ۔ شهرۂ استعداد اور آوازۂ فارسی دانی نے اصاغر و اکابر کے گوش کو ایسا پر کیا که نغمۂ بلبل نوایان ایران کو خلوت قبول میں بار نه رها ۔ پھر جذبۂ آب خور کے تقاضے سے نشاط آباد دهلی چندے محل آسایش هوئی ؛ هر چند روسائے شاهجهان آباد گوارا نه کرتے تھے که اس کی صحبت فیض اثر سے مهجور اور اس کے افاضے سے محروم رهیں لیکن کچھ آبش خور کے جذبے اور کچھ تخلص کے اثر نے خویش و آشنا اور اعزه و اقربا خصوصاً خدمت استاد شفقت نهاد سے مهجور کیا اور چرخ ناتواں بیں نے اس صحبت فیض بخش کو گوارا نه کیا

اور اس کی برات روزی دیوان والیٔ اندور پر لکھ دی ۔ ناگزیر یہ سفر دور و دراز کہ ایک ماہ تمام میں اتمام کو پہنچتا ہے ، در پیش آیا ۔ اول قدر دانی جو اس رئیس ہنر شناس سے جلوہ گر ہوئی ، یہ تھی کہ اپنی سرکار کے مدرسے میں سرکردہ مدرسین مقرر اور ستر اسی روپے کا ماہیانہ اخراجات ضروری کے انصرام کے واسطے معین کیا ۔ جو کہ حسن لیاقت ایسا جوہر ہے کہ کسی پردے میں چھپ نہیں سکتا ، قریب زمانہ میں ترقیٔ مراتب نے جلوہ گری کی کہ مصاحبت و حضوری دربار اور استادیٔ راجۂ عالی تبار ظہور میں آئی اور اس پر زمانہ نہ گزرا تھا کہ نظامت دیوانی کا عہدہ تفویض اور اڑھائی سو تین سو روپیہ مشاہرہ مقرر ہوا ۔ اب تک وہی مسند اس کے وجود سے مشرف اور خوش سلیقگی اور نیک طینتی کے ذریعے سے داد دہی کا آوازہ گنبد فلک میں بلند ہے ۔ اس کثرت اشغال پر تدریس طالبان کمال اور فکر انشاے نظم بھی دامن گیر ہے ۔ بیش تر خطوط و رسائل کے وسیلے سے وہ افکار گوہر نثار جناب استاد کی خدمت میں پہنچتے ہیں اور کثرت حاضر باشی کے سبب سے راقم ہیچ مدان بھی ان جواہر نفیسہ کی خوبی پر نظارگی ہوتا ہے ۔ زبان کو یارا کہاں کہ ان افکار لطافت آثار کی خوبیاں بیان کرے اور قلم کو مجال نہیں کہ اس سخن کے محاسن کو حیز تحریر میں لائے ۔ چند شعر ارباب مذاق کے گوش گزار کر کے بس کرتا ہے :

من قصیدتہٗ

سال و مہ باشی بہ اقبال ہمایون سرفراز
اے کہ ذاتت مسند اندور را آمد طراز

کے قباد و خسرو و اسکندر و دارا و جم
بر درت استاده دائم بهر کسب امتیاز

شحنهٔ جودت چنین گر در نظام عالم است
آز را یابی ز طبع بی‌نوایان احتراز

بر سر باد بروت خصم در روز وغا
جز زبان خنجرت دیگر نمی بینم دراز

گر گل شمع است فرق خصم در بزم وجود
هست شمشیرت برای قطع او در حکم گاز

ژاله آسا هر نفس از تاب شمشیرت بود
دل درون سینهٔ خصم تو سر گرم گداز

داور او ورت بهار طرفه دارد کاندرو
دشمنان پیوسته پژمان دوستان در اهتزاز

تشنگان شوق را شد موج آب زندگی
بر جبین شاهدان مجلست آن چین ناز

بس که فیض عام او محتاج نگذارد به دهر
بعد ازین مفهوم گردد باز از لفظ نیاز

می برد دل از ظفر موج غبار رزم او
چون دل محمود برد از کف خم زلف ایاز

چون حباب ار دشمنش برخویشتن بالدچه سود
کش درون کاهیده می‌یابم ز تاثیر گداز

خصم جاهش هم چون چوگان سرکشی اندیشه کرد
چرخ کفتش سر برنگ گوی در میدان بباز

من غزلیاته

ز دود آه سوزانم شرارے گر شود پیدا
تو گوئی از سپهر نیلگون اختر شود پیدا

نشست از خط بیاقوت لبش گرد کساد آرے
که آتش چون شود افسرده خاکستر شود پیدا

گداز دل بکف آور چو تاثیر نفس خواهی
سر گم گشتهٔ این رشته از گوهر شود پیدا

دم کشتن اگر لعلش در بیداد بکشاید
ز موج خون بسمل چشمهٔ کوثر شود پیدا

نمی‌دانم چه سوزے درجگر دارم که از چشمم
بهر مژگان بجاے قطره یک اخگر شود پیدا

بمن تعلیم وحشت هست هر دم جوش سودا را
دهید از گرد بادم مژدهٔ دامان صحرا را

زند ساغر بخون بے گناهان لعل جان بخشی
که جاے دم زدن نبود به پیش او مسیحا را

ز تاب آه هجر ناتوان غافل مشو ظالم
که جا درآتش است از رشک او زلف چلیپا را

به چنان ضعیف شد از غم تن نزار مرا
که بار خاطر من‌می کند غبار مرا

به یاد روے تو خلوت در انجمن دارم
من و خیال تو با دیگرے چه کار مرا

تو نیز چارهٔ حرمان نمی توانی کرد
به جلوه آئی و حیرت برد ز کار مرا

ز بار دود تو هم رنگ توتیا گشتم
نشد بناین همه در چشمت اعتبار مرا

نکرد در دل سنگین او رهے پیدا
فغان ز بے اثری کرد شرمسار مرا

بپای آبله طے می کنم ره صحرا
بود که باز شود این گره ز خار مرا

ز داغ باده شود هجر لاله زار تنم
شکست توبه بود عهد نوبهار مرا

شب که بے رویت رخ زردم چراغ خانه بود
لخت لخت دل ز جوش گریه ام پروانه بود

یاد ایامے که از حسن سلوک روزگار
طرهٔ آشفتهٔ را پنجهٔ من شانه بود

تا کجا بودی که امشب تا سحر در راه شوق
آنچه بر می خاست از دل نالهٔ مستانه بود

ره بخلوت کدهٔ قطره برد وحشت موج
راه آید چو بسر روے بمنزل باشد

تاب آن جلوه که تفسیر جواب ارنی ست
هجر بر دیدهٔ حیرت زده حائل باشد

هجر

هجر تخلص ، میر جمیل الدین خلف میر ابرار علی که اکابر سادات کرام اور اعاظم شرفاے ذوی الاحترام سے ہے ۔ نوجوان خوش سیرت و نیک سیرت اور برناے پاک نہاد ، لطف سریرت ہے ۔ علوم ضروری سے بہرہ بردار اور نستعلیق نگاری اور نستعلیق گوئی میں سر کردۂ اخوان روزگار ۔ طبیعت معدن حلم ، دل مخزن علم ۔ اوصاف حمیدہ کو اس سے اعتبار اور اطوار پسندیدہ کو اس سے افتخار ۔ بزرگان والا نژاد اس نیک نہاد کے شہاب الدین غوری کے ایام سلطنت میں بغداد سے وارد ہندوستان جنت نشان ہو کر اکثر مراحم خسروانی سے پایۂ بلند اور مراتب ارجمند کے ساتھ سرفراز رہے ۔ پدر بلند مرتبت اس کا مقام ڈاسنہ سے کہ ایک مدت سے آباے عالی تبار کا محل بود باش مقرر تھا ، دھلی میں وارد اور نواب بہادر جنگ خاں والئ بہادرگڑھ کی سرکار میں عہدۂ وکالت سے ممتاز ہوا اور اس عہدے کو ایک زمانۂ دراز تک حسن لیاقت سے سرانجام دیا ۔ اب استغناے مزاج اور بے نیازئ طبیعت کے اقتضا سے خانہ نشینی اختیار کی ۔ یہ خلف الصدق تحصیل علوم میں سرگرم اور تہذیب اخلاق میں مصروف ہے ۔ گہ گہ فکر شعر کرتا ہے ۔ زبان پاک ہے اور خیال بلند ۔ یہ اشعار اس کے کلام سے یاد تھے :

ہے جو سوداے سر کاکل پیچاں ہم کو
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں پریشاں ہم کو

آتی ہے سر پہ دیکھیے اب اور کیا بلا
وہ ہم کو دیکھ زلف لگے ہیں سنوارنے

ہدہد

ہدہد تخلص ، عبدالرحمان نامی ساکن نواح پورب ۔ مدت سے خاک شاہ جہاں آباد میں وارد ہے ۔ جو کہ خلط چہارم کی رنگ آمیزی نے اس کے مرقع دماغ کو قوت متخیلہ کے واسطے لوح تعلیم بنایا تھا ، احباب ظریف طبع کو ایک مشغلۂ طبیعت اور بازیچۂ مزاج ہاتھ آیا اور کثرت تحسین سے الفاظ پوچ و پا درہوا اور سخن ناموزوں اور بے معنی کو ہم جنب وحی و الہام سمجھنے لگا ۔ اب تک اس سودا کا جوش اور اس جنوں کا خروش ترقی پر ہے ۔ احباب کے خندۂ رسا اور قہقہۂ بلند صدا کو غلغلۂ تحسین اور صدائے آفرین جانتا ہے ۔ اوقات میں اس قدر وسعت نہیں کہ اس اعجوبۂ روزگار کا حال مفصل لکھوں ۔ چند شعر لکھ کر ختم کلام کرتا ہوں اور ہر چند مناسب مقام یہ تھا کہ اس کی وضع خاص کے اشعار لکھتا اور اس کی موزونیٔ ذاتی سے ظریفان خوش مزاج کو مسرور کرتا لیکن حیف تھا کہ زبان ایسی مزخرفات سے آشنا ہو ۔ ناچار اسی دو چار شعر سے اوراق تذکرہ کو مایہ دار کرتا ہے کہ خواہ حسن اتفاق سے خواہ کسی کی اصلاح سے فی الجملہ لطف سے خالی نہیں ہیں :

راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے
تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا
غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

آ جائیں اس کے سائے میں دونوں جہاں فقط
ہدہد جو ایک پنکھ تو اپنا پسار دے

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے
انداز ہے اک نیا نکالا سب سے

سر دفتر لشکر سلیمان ہے یہ
اڑتا بھی ہے یہ تو دیکھو بالا سب سے

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجا ہے
خدا کا فضل ہے جو قلعے میں تو آ براجا ہے

کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اس میں
مگر ہدہد کو دے دے، کیوں یہی ہدہد کا کھاجا ہے

ہوش

ہوش تخلص، منور علی، شاگرد خدا بخش خاں تنویر۔ طبیعت رسا اور فہم تیز رکھتا ہے۔ یہ شعر اس کے نتائج طبع سے ہے:

ذبح ہوتے ہیں جان کر عاشق
اپنے قاتل کا دل بڑھانے کو

ہوشیار

ہوشیار تخلص، منشی کیول رام قوم کایستھ۔ مرد سنجیدہ صاحب استعداد۔ قصائد و غزلیات فارسی سے دیوان فراہم رکھتا ہے۔ گہ گہ ریختے کا فکر بھی کرتا ہے، اس کے کلام سے یہی دو تین شعر ہم پہنچے:

ملایا خاک میں دکھلا کے تو نے قد بالا کو
سہی کو سرو کو شمشاد کو عرعر کو طوبیٰ کو

خراب چشم میگوں ہو گیا اب ہے سلام اپنا
صراحی کو، پیالے کو، سبو کو، خم کو، مینا کو

خط و زلف و قد و عارض نے تیرے کر لیا عاشق
سمن کو، سرو کو، سنبل کو، ریحان مطرا کو

ہنر

ہنر تخلص ، مرزا بختاور بخت ، شاگرد مرزا حاجی شہرت ۔ شعر خوانی کے وقت زبان کو لکنت اس قدر ہے کہ لب گویا درج دہان کا قفل ہے ۔ غالباً اس کے کلام کی شیرینی بند زبان ہے ۔ یہ اشعار اس کے مرقوم ہوئے :

کس چمن میں ہمیں تقدیر ہے لائی یا رب
کہ ہے آزاد جہاں نام گرفتاروں کا

آپ اور آرزوے وصل بتان بے رحم
اے ہنر دل تو بنا لیجیے پتھر اپنا

اے ہنر دیکھا کچھ اپنے درد پنہاں کا اثر
پردے ہی پردے میں آن کو شوق پیدا ہو گیا

بے چینیاں یہی ہیں دل کی تو اے ہنر تم
لاتے ہو آج کل میں آفت کوئی اٹھا کر

جلد گردن پر مری رکھ دے خدا کے واسطے
دست نازک میں سنبھل سکتا اگر خنجر نہیں

ھنر کچھ اب کے نگاھیں وہ کر گئیں جادو
وگرنہ یوں تو ملی آنکھ بارھا ھم سے

گریباں چاک ھیں اور مو پریشاں
ھنر شاید کہ آئے ھیں وھاں سے

باب الیاء

یاسؔ

یاس تخلص ، خیر الدین نام ، ساکن شاہ جہان آباد ۔ صناعت طب میں جالینوس زمان ، بقراط دوران ، حکیم احسن اللہ خان کی توجہ سے مہارت تام اور معالجۂ امراض میں دست‌گاہ تمام بہم پہنچائی تھی اور فن شعر میں بھی کبھی شیخ ابراہیم ذوق اور کبھی مومن خان مرحوم سے اصلاح لیتا تھا ۔ چند سال ہوئے کہ عرصۂ عالم سے عنان تاب ہو کر راہیٔ فردوس ہوا ۔ یہ شعر اس کا ناخن بدل زن معلوم ہوا :

زانوے یاس کہاں اور سر دل دار کہاں
ہم نشیں بات وہ کر جس کا ہو کچھ بھی سر پاؤں

یاسؔ

یاس تخلص ، جوان اہلیت شعار و برنائے سعادت آثار ، نخل بند گلشن کمال ، میراب چمنستان فضل و افضال ، صاحب طبع متین ، حافظ حفیظ الدین کہ حلم اور بردباری کا جامہ

اس کے قد پر درست اور مہر اور محبت کا لباس اس کے بر میں چست ہے۔ استقامت فکر دست خرد کے واسطے عصا اور رسائیٔ طبیعت شاھدان معنی کے چہرے سے نقاب کشا۔ مروت میں یگانہ اور مردی میں یکتاے زمانہ۔ ہرچند اقتضاے جوانی کی کشمکش سد راہ ہے لیکن کسب کمال کو مائدۂ اوقات کا ماحضر اور تحصیل علوم کو جادۂ سلوک کا راہبر کیا ہے۔ سینہ دانش کا گنجینہ، لب و زبان حرف کمال سے ہم داستان، حفظ کلام الٰہی سے ''سنقرأک فلا تنسیٰ'' کا مصداق اور صحیح خوانی اور تجوید حروف میں یگانۂ آفاق۔ از بس کہ طبیعت کی جودت اور ذہن کی رسائی اور فکر کی تیزی اور خیال کی بلندی اپنے اقتضا سے باز نہیں آتی۔ باوجودے کہ اوقات عمر سے بیش تر تکمیل ہنر و تحصیل کمال میں مصروف ہے، سخن کو اس کے لب و دہان میں موزونی سے گزیر اور کلام کو اس کی زبان پر اکتساب فصاحت سے چارہ نہیں۔ سبحان اللہ! طبع ہے یا گنجینۂ تحت العرش کا ایک گوشہ اور دل ہے یا صحراے عالم قدس کا ایک قطعہ۔ ہرچند بناے سخن سنجی اور اساس موزونی کو صرف اپنی ہی امداد طبیعت پر رکھا ہے لیکن لطف معنی اور نیکیٔ اسلوب اور دل نشینیٔ طرز حیطۂ بیان سے خارج ہے۔ اس نیک نہاد کے اوصاف میں حیران ہوں اور ذکر محامد میں سرگرداں؛ اصالت نسب اور شرافت حسب اور اعتبار کی بلندی اور پاے کی ارجمندی، ارباب روزگار کی نظر میں وقار کے ساتھ زیست کرنی اور آشنا اور بےگانے کی نگاہ میں عزت اور آبرو کے ساتھ بسر کرنی ایک طرف اور طبع کی موزونی اور سخن کی رنگینی اور فکر کی متانت اور اندیشے کی رسائی اور زمانۂ نشو و نما کی غرور انگیزی اور

پندار جوانی کی جلو ریزی ایک جانب۔ اور پھر اگر ان سب اسباب رعونت کو ایک پلے میں رکھیں اور تواضع اور فروتنی کو کہ رؤف حقیقی کے خزانۂ انعام سے گنجینۂ طبیعت میں فراہم ہے، دوسرے پلے میں، تو پلہ تواضع ہی کا جھک جائے گا۔ اب اس عرصے سے عنان قلم کو معطوف کر کے چند شعر اس کے کلام فصاحت انتظام سے نذر احباب کرتا ہے:

ہوویں گے نہ ہم تو تیرے ظالم
پھر کون یہ جستجو کرے گا

مر جائیں گے ہم تو پھر کسی پر
یوں ہی جو یہ ظلم تو کرے گا

جب تو نہ ملا تو یاس خستہ
پھر کون سی آرزو کرے گا

بادہ خواری نہ چھوڑ تو اے یاس
یہ بھی اک مشغلہ ہے یاروں کا

کیا کہوں کس طرح سے پھرتے ہیں
ہو کے مضطر ترے گریباں چاک

ناتواں ہیں پہ اڑتے ہیں کیا کیا
مثل صرصر ترے گریباں چاک

یہی وحشت رہی تو بیٹھ چکے
گھر کے اندر ترے گریباں چاک

کو بہ کو کیا خراب پھرتے ہیں
خاک ہو کر ترے گریباں چاک

رکھتے برپا ہیں بن ترے ہر دم
شور محشر ترے گریباں چاک

اور کو کیا بتائیں حال اپنا
خود نہیں جانتے کہ کیا ہیں ہم

مغبچوں سے یہ راہ و رسم اور پھر
یاس کہتے ہو پارسا ہیں ہم

یاد آتا ہے ہمیں اپنا دل خوں گشتہ
جب کہیں بزم میں ہم جام و سبو دیکھتے ہیں

کچھ تو بتلا ہمیں احوال دل اپنا اے یاس
کہ ٹپکتا تری آنکھوں سے لہو دیکھتے ہیں

جہاں میں پھرتے ہیں ہم ہر طرف سراسیمہ
مگر یہ کچھ نہیں کھلتا کہ آرزو کیا ہے

چونک پڑتے ہیں عدم سے خفتگان خاک بھی
ہمرہ شور قیامت کیا تری رفتار ہے

ہوا ہے کس سے دل آزردہ اس قدر اے یاس
کہ تیرے منہ سے شکایت سدا نکلتی ہے

اڑ کے دامن تلک بھی پہنچے نہ ہم
عبث اس کی گلی میں خاک ہوئے

جب جنوں تھا تو تھے گریباں چاک
عشق ہے اب تو سینہ چاک ہوئے

دیکھ کر کھینچیو جنوں اس کو
یہ ستم گر مرا گریباں ہے

اس کے ہر تار میں ہے سو شورش
رشک محشر مرا گریباں ہے

صبح کا چاک ہے گریباں لیک
اس سے بڑھ کر مرا گریباں ہے

چاک کیوں کر نہ ہوئے سو سو بار
پھر یہ آخر مرا گریباں ہے

یاور

یاور تخلص، میر امام الدین، باشندۂ دہلی، شاگرد میر نظام الدین ممنون۔ مرد نیک نہاد اور فن تصویر کشی میں یگانہ تھا۔ چند سال ہوئے کہ راہیٔ ملک بقا ہوا۔ یہ شعر اس کا سنا گیا:

دعا کہیے تو کیا کہیے کہ ہم کو ہم نفس(؟)
بات بھی کرنے کا اس کے سامنے یارا نہیں

یکتا

یکتا تخلص، خواجہ معین الدین۔ مرد با اخلاق و مودب اور سرکار شاہی سے خانی کے القاب سے ملقب ہے۔ جناب غفران مآب حافظ عبدالرحمان خان مرحوم سے تلمذ رکھتا ہے۔ یہ اشعار اس کے افکار سے ہیں:

جو دم میں ہو کچھ لمحے میں کچھ آن میں کچھ ہو
ایسے سے بھروسا ہے کسے مہر و وفا کا

منھ شرم سے ہر گل نے گریباں میں چھپایا
وا اس نے چمن میں جو کیا بند قبا کا

عالم کو کیا قتل تری تیغ نگہ نے
اور مفت میں بد نام ہوا نام قضا کا

زلفوں کو جو دی مشک سے نسبت تو خطا کی
مت ہو جیے برہم کہ مقر ہوں میں خطا کا

کیا جانے محو خال ہوا یا اسیر زلف
ہے مدت مدید کہ دل کی خبر نہیں

برسات میں کہے ہے کہ یکتا نہ پی شراب
واعظ تجھے کچھ ابر و ہوا پر نظر نہیں

یل

یل تخلص ، عبدالقادر ۔ مرد سپاہی طور ، پہلوان وضع تھا ۔ ایک دفعہ گاؤ زوری کے غرور سے اکھاڑے میں ایک کشتی گیر کے مقابل ہوا ۔ وہ پہلوان ہر چند اس سے زور میں زیادہ نہ تھا لیکن فنون کشتی سے اس پر غالب آیا اور ہنگامۂ عام میں اس کی پشت کو زمین سے آشنا کیا ۔ اس نادان نے تقاضاے غیرت سے ایسی جلاے وطن اختیار کی کہ پھر خاک شاہجہاں آباد میں قدم نہ رکھا ۔ گاہ گاہ شعر بھی کہتا تھا اور اشعار میں بیش تر تخلص کی رعایت سے مضامین رندانہ باندھتا تھا ۔ یہ اشعار اس کے مسموع ہوئے :

کہہ دو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے
ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اس دبنگ سے

پھرتے ہو یل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے
مطلب نہ نام سے ہے غرض ہے نہ ننگ سے

لب کا بڑھا دیا ہے مزا خطّ سبز نے
ساقی نے پشت دی مے صافی کو بنگ سے

دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر
واں ہم بھی جا دھمکتے ہیں دل کی امنگ سے

دل اب کی بے طرح سے پھنسا زلف یار میں
نکلے یہ کیوں کہ دیکھیے قید فرنگ سے

آ جائیو نہ پیچ میں ظالم کے دیکھنا
یاری تو تم نے کی ہے یل اس شوخ و شنگ سے

یمین

یمین تخلص ، احمد علی خاں باشندۂ دھلی ، شاگرد حکیم قدرت اللہ خاں قاسم ۔ فن طب سے فی الجملہ بہرہ رکھتا تھا ۔ تمام عمر سپاہ گری میں صرف کی ، دس بارہ برس ہوئے کہ نقد زندگانی کو تاراج گاہ فنا میں ھاتھ سے دیا ۔ یہ شعر اس کا سنا گیا :

شب کہاں بیتی پتا اپنے مجھے گھر کا بتا
کان کا بالا بتا کر بس دیا بالا بتا

خاتمہ

الحمدللہ والمنۃ اس کتاب لطیف اور نسخۂ شریف نے کہ روشن دلان پاک نظر کا تذکرہ اور کم نگاھان بصارت طلب کے واسطے تبصرہ ہے، اخیر ماہ شوال بارہ سو اکھتر ۱۲۷۱ھ سال ھجرت مقدسۂ افضل نوع بشر صلواۃ اللہ علیہ و سلامہ میں اتمام پایا اور کسوت اختتام کو اپنے قامت پر راست کیا۔ شبدیز قلم کی تیز عنانی اور سمندر خامہ کی سبک جولانی پر آفرین ہے کہ اتنی اوقات قلیل میں ایسے دشت نا پیدا کنار کو طے کیا کہ پیک وھم اس کے تصور سے نقش پا کے آغوش میں گوشہ گزیں اور برید خیال اس کے نام سے واماندگی کے کنار میں خلوت نشیں ہے۔ سخن شناس جانتے ھیں کہ اردو کا پایہ کس بلندی پر پہنچا اور ھندی کا فرق کس اوج پر مرتفع ھوا کہ لہجۂ دری اس کے اوصاف میں الکن ہے اور زبـان پہلوی اس کی مدح میں۔ سخن۔ اردو کـو کسوت دری اور ھندی کو لباس فارسی میں جلوہ دینا اگر اعجاز نہیں تو سحر سے کم نہ ھوگا۔ احباب معنی رس کہ نکتہ فہمی کو انصاف سے ھم آغوش اور ھنر شناسی کو قدر دانی سے ھم دوش رکھتے ھیں اور طرز سخن سے آگاہ اور کشور کمال میں صاحب دست گاہ ھیں، اگر اس شاھد دل پسند کے وصف جمال میں زبان سخن[1] سرا کو حرف مبالغہ سے بھی آشنا نہ کریں گے اور غلو اور اغراق کو کام نہ فرمائیں گے اور بیان واقعی اور حرف راست ھی زبان پر لائیں گے تو اس سے کم نہ کہیں گے کہ سحر ہے معجز نظام اور سخن ہے

۱ - نول کشوری نسخے میں 'سخن پیرا' ہے

ہم پایۂ وحی و الہام ۔ اردوے معلّی کا پایہ اول کس قدر پست تھا اور اب صابر سخن سنج نے کس درجۂ عالی پر پہنچا دیا اور پہلے یہ زبان کیا تھی اور مؤلف معنی شناس نے کیا سے کیا بنا دیا ۔ اور اس لطف سخن پر علو مضامین اور بلندیٔ معنی کا کیا پایہ اور اس بلندیٔ پایہ پر گنجینۂ قدرت کتنا پر سرمایہ ہے ۔ جس وقت بحر سخن جوش میں آتا ہے اور دریاے معنی خروش میں ، حسرت انصاف دل شکن اور تمناے قدردانی ناخن بہ دل زن ہوتی ہے، اور خام طبعی یہ خیال پکاتی ہے کہ غالباً پاستانیوں پر قدردانی کمال اور مرتبہ شناسیٔ ہنر ختم تھی ۔ اس باب میں افسانہ ہائے دور و دراز اور حکایات طویل مسموع ہیں ۔ کہتے ہیں کہ اس روزگار میں ایک برگ کو گلدستے کی قیمت سے خریدتے تھے اور ایک شبہ کو لعل و یاقوت کی بہا سے مول لیتے تھے ۔ اب تو سد سکندر میں سو سو رخنے نکلے ہیں اور جام جہاں نما میں ہزاروں غلطیاں پیدا ہوتی ہیں۔ عدل نوشیروان کی داستان کو حمزہ کا قصہ سمجھتے ہیں ور رستم و سام کے کارناموں کو لڑکوں کا کھیل جانتے ہیں ۔ ایک تو متاع ہنر خود کا سد ہے اور اس پر اگر کوئی خریدار پیدا ہو تو وہ حاسد ہے ۔ ہر گاہ نواے بلبل و صداے زاغ میں امتیاز اور نقش بال تدرو اور خط پاے کلاغ میں تفرقہ نہ ہو تو نغمہ طرازی پر نوحہ درکار ہے اور ریحان نگاری پر فسوس بے شمار ۔ سبحان‌اللہ ! بے تمیزی کا ہنگامہ کیا گرم ہے ۔ نبات ان کے نزدیک لفظ ہے نفیٔ سخن کے واسطے موضوع اور ماہور ایک کلمہ ہے نفیٔ آفتاب کے واسطے معین۔ کہتے ہیں کہ اعمیٰ باوجود عین کے بے بصر کو کہنا منع ہے اور بصیر کو

عین کے نہ ہونے سے بینا پر اطلاق کرنا نا روا ؛ اگر نادانی یہ ہے تو ابن ہنبق کو دبستان کمال میں افلاطون پر ناز ہوگا اور باقل مکتب دانش میں معلم اول سے ممتاز ۔ استغفراللہ ! اسی زمانے پر منحصر نہیں ہے ، کوئی زمانہ اس درد کی شکایت سے خالی نہیں پایا جاتا اور کوئی عہد اس رنج کے شکوے سے آسودہ نظر نہیں آتا ۔ قدما کی کتابیں شکوۂ روزگار ہے لبریز ہیں اور پیشینوں کے دل حوادث زمانہ سے شکایت خیز ۔ اے صابر نا قباحت فہم ! شکوۂ نا قدردانی سے لب وا نہ کر اور شکایت روزگار زبان پر نہ لا ۔ تجھ کو زمانے سے کیا غرض اور زمانیوں سے کیا کام ۔ اگر صرف سخن کی قدردانی اور ہنر کی رتبہ شناسی مقصود ہے ۔ نگاہ فیض دست گاہ کام وا ے لفظ و کشور کشاے معنی ، حضرت استادی مخدومی ، مخدوم الانامی ، فارس مضمار یکتائی ، مولوی امام بخش صہبائی مدظلہ‌العالی کافی ہے کہ اس کی نگاہ کے اثر سے مس طلا اور کاہ کیمیا ہو جاتا ہے ۔ خار اس کی ایک نظر کے فیض سے گل احمر ہے اور خاک اس کی ادنیٰ توجہ سے زر۔ خوشۂ انگور فیض تربیت سے شیشۂ بادۂ طہور ، سنگ خارا نگاہ لطف سے قابل نشو و نما ۔ اور یہ بھی اسی کی نظر کیمیااثر کا فیض ہے کہ صابر ہندی نژاد اس جزو زمان میں نثر رنگین کی تحریر اور عبارت متین کی تسطیر اور ایجاد معانیٔ تازہ اور اختراع مضامین بے اندازہ میں ظہوریٔ ترشیزی کا ہم‌جنب اور طغراے مشہدی سے ہم پہلو ہے ۔ اور اگر رفعت پایۂ دولت اور بلندیٔ شان ثروت مطلوب ہے تو حضوریٔ آستانۂ بادشاہ عالم پناہ ، ملائک سپاہ ، عرفان دست گاہ ، فریدوں سریر ، جمشید کلاہ ، ابو ظفر محمد سراج‌الدین

بہادر شاہ خلداللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ کفایت کرتی ہے ، کہ اس آستانے کی خاک سلاطین روزگار کی سجدہ گاہ اور خواقین زمانہ کی پناہ ہے ۔ سکندر اس کے ممالک میں ایک آئینہ ساز ہے اور پرویز اس کی بزم میں ایک نغمہ نواز ۔ ابر اگر اس کے بحر کف سے سرمایہ نہ لیتا ، صدف گوہر سے گراں بار نہ ہوتی اور آفتاب اگر اس کے ضمیر سے فیض نہ اٹھاتا ، کان زر سے سرمایہ دار نہ ہوتی ۔ خاک چمن نے اس کے جرعے کے اثر سے جام نرگس کو مے سے لبریز کیا اور باد صبا نے اس کی شگفتہ روئی کے فیض سے زمین گلشن کو گل خیز کیا ۔ دامن سائل اس کی سخا سے گنج قارون اور علم فریدوں اس کی ہیبت سے سرنگوں ۔ رستم کو اس کے میدان رزم سے کنج لحد کے سوا پناہ نہ ملی اور سہراب کو اس کے عرصۂ جنگ سے صحرائے عدم کے سوا راہ نہ ملی ۔ سکندر اگر اس کے نقش قدم کو خضر راہ بناتا ، چشمۂ حیواں سے کام یاب ہو جاتا اور سلیمان اگر اس کی حراست میں ہوتا ، خاتم کو ہاتھ سے نہ کھوتا ۔ اگر زر گل میں کچھ نقصان آ جاوے ، صبا سے حساب طلب ہو اور اگر زبان سوسن کند بیان رہے ، باغبان سے جواب طلب ہو ۔ حکم ہے کہ صبا باغ میں پتا نہ کھڑکاوے تاکہ نرگس کی خواب راحت میں خلل نہ آوے اور کوئی جانور شب کو شاخ درخت سے نیچے قدم نہ آتارے تاکہ بھولے سے سبزۂ خوابیدہ پر پاؤں نہ پڑ جاوے ۔ اس کے گلشن اقبال میں اگر دشمن دیوانگی کرے ، چوب دربان چوب گل کا حکم پیدا کرے اور اس کے دارالشفائے شجاعت میں آ کر حریف زہر اگلے ، اس کی شمشیر تریاق فاروق

مہیا کرے ۔ اس کے عدل کی مہابت سے سوسن اپنا خنجر تیز نہیں رکھتی تاکہ ہم نشین کے پہلو میں خراش نہ آوے اور اس کے انصاف کے خوف سے خار اپنی سنان کو باہر نہیں نکالتا کہ سینۂ گل میں چبھ نہ جاوے ۔ حق کو باطل سے ایسا جدا کیا کہ سوسن باوجودیکہ دشنہ رکھتی ہے ، خون بلبل کی تہمت سے بری ہے اور کثرت عطا سے خلق کو ایسا مستغنی کیا ہے کہ ہوا ہر چند اڑا لینے کو آندھی ہے ، گل خیرے کی اشرفی جہاں دھری ہے وہیں دھری ہے ۔ کیا حسن انتظام ہے کہ اگر نہر ہزار چور بہم پہنچاوے ، ایک قطرہ باہر نہ جا سکے اور اگر باغ ہزار نافرمان رکھتا ہو ، اس کے عمال کا قبضہ نہ اٹھا سکے ۔ اس کی کف دست وہ ابر ہے کہ قطرے کی جگہ گوہر بار ہے اور اس کا صفحۂ تیغ وہ باغ ہے کہ خون اعدا سے لالہ زار ہے ۔ اس کے سیل عطا سے ایوان بخل منہدم اور اس کی تیغ عدالت سے آثار ظلم منعدم ۔ اس کی تیغ ایک سے دو کرتی ہے ، دشمن ترقی کا شکر گزار کیوں نہ ؛ ہو اور اس کا گرز نقش پا سے ہم آغوش کرتا ہے ، خصم رفع تردد کا سپاس دار کیوں نہ ہو ۔ خلق کو زبان درازیٔ خامہ سے یہ گمان ہے کہ صحیفۂ مدح میں کوئی مضمون باقی نہ رہا ہو اور مدیح نگار سے حق ثنا ادا ہو گیا ہو اور صابر شکستہ ارقام خجل ہے کہ اس کتاب[1] کے ایک حرف اور اس خط کے ایک نقطے سے عہدہ برآ نہیں ہوا اور ان مقاصد سے ایک نکتہ اور ان غوامض سے ایک دقیقے کو سر انجام نہ دے سکا ۔ جب راہ

---

۱ ۔ نسخہ نول کشور میں اس طرح ہے :۔
"کتاب سے ایک حرف اور اس خط کے ۔"

کی درازی اس قدر اور قدم کی نارسائی یہ ہو ، تو ناموس سعی کو برباد کرنا اور آبروے جرأت کو خاک پر گرانا حیف ہے ۔ ختم کلام دعا پر اولٰی ہے اور اتمام سخن اسی کلمے پر بجا ہے : یارب ! جب تلک ہلال عید روزہ داروں کی بستگیٔ دھن کے واسطے کلید ہے ، اس کے جام عشرت سے کام تمنا لذت گیر اور اس کے خوان سخا سے معدۂ آرزو فیض پذیر رہے :

تہمت

قطعۂ اختتام تذکرہ نتیجۂ طبع معدن دانش و تمیز مولوی عبدالعزیز خلف استادی مولوی امام بخش صہبائی

چو صابر بہ کلک گہر بارِ خویش
رقم کرد ایں نامۂ شاعری

عزیز جگر خستہ تاریخ گفت
شدہ گرم ہنگامۂ شاعری

۱۲۷۱ھ

ولہ

جو مرزا صابر جادو بیاں نے
لکھا یہ تذکرہ با زیب و تزئیں

برنگ غنچہ اس میں نقطہ نقطہ
بسان گل ہر اک حرف اس میں رنگیں

نہ اس کے لطف کو پہنچے گلستاں
نہ نقش چیں میں اس کے طرز و آئیں

عزیز خستہ جاں سے سال اتمام
کہی ہاتف نے کہ "گفتار شیریں"

۱۲۷۱ھ

قطعهٔ تاریخ ریختهٔ کلک فیض اندوز مولوی عبدالکریم سوز خلف اوستادی حضرت صہبائی

از کلک صابر این در شہوار برتری
در سلک انتظام بصد زیب سفتہ شد

سوز حزیں چو کرد تامل بجیب فکر
معیار فطرت و ہنرش سال گفتہ شد

۱۲۷۱ھ

ایضاً در سمّت

یہ وہ ہے تذکرہ جس کو پڑھے گر باغ عالم میں
تو ہردم نغمۂ مستانہ گائے بلبل معنی

نتیجہ میرزا صابر کی ہے طبع ہمایوں کا
کہ جن کی فکر روشن سے ہوا روشن دل معنی

جو پوچھا سوز نے اس سے کہ ہے تاریخ کیا اس کی
کہا ہاتف نے سن کر ہے فروغ مشعل معنی

۱۹۱۱

ایضاً در فصلی

صابر انداخت رنگ تذکرۂ
کہ ازو بہتری نیاری گفت

جوہری کو کہ قدر او داند
کہ بدست قلم چہ در ہا سفت

قیمتی گوهرے که در جنبش
در جہان را کسے نگیرد مفت

چمنے کو که در ضیا بانش
بچنیں رنگ و بو گلے بشگفت

منصفے کو که بیند و گوید
که چسان بحر را به کوزه نہفت

سوز دل خسته در سن فصلی
سال او ثمرة الفواد بگفت

۱۲۶۲

تاریخ مرزا غلام نصیر بہادر قناعت تخلص

ای قناعت چه خوب تذکرۂ
کرد تالیف صابر خوش خو

سال تاریخ اگر ز تو پرسند
نسخۂ دل پسند شوق بگو

۱۲۷۱ھ

وله

یافت زین تذکره قناعت دل
راز ہاے نہفتۂ دانش

عقل گفته بدل ز روے ہنر
گوگل نو شگفتۂ دانش

۱۲۷۱ھ

ولہ

جب کہ یہ تذکرہ چمن کا شہرہ
ہند سے لے کے ہے تا روم و دمشق

ہو چکا ختم قناعت نے کہی
سال اس کی سخن کامل عشق

۱۲۷۱ھ

قطعۂ تاریخ طبع زاد مرزا جمعیت شاہ بہادر
ماہر تخلص

قلم نے حضرت صابر کے جب کی
نہال تذکرہ کی آبیاری

ہوا ماہر کو فکر سال اتمام
خرد بولی گل باغ بہاری

۱۲۷۱ھ

قطعۂ تاریخ نتیجۂ افکار سید احمد خاں
بہادر صدر امین بجنور متخلص بہ آہی

کلک صابر نگاشت تذکرۂ
کہ ازو خوب تر بہ دہر مجو

سال تاریخ ختم او آہی
ذکر یاران ہمدم است بگو

۱۲۷۱ھ

قطعۂ تاریخ تصنیف شیخ رحیم بخش ، طرب تخلص

چو این تذکرہ گشت اے دل تمام
بفضل خداوند پاک و صمد

طرب از پئے سال تاریخ آن
بگفت آب گلزار عقل و خرد

۱۲۷۱ھ

یہ اور چند مادۂ تاریخ طبع زاد شیخ رحیم بخش لکھے جاتے ہیں کہ ان کے ابیات کو خوف اطناب سے ترک کر دیا

دفتر اشعار ہے[1] ۔ بزم سخن کی زینت ۔ زیب گلشن فہم و ذکا ۔ معیار سخن وریٔ جاوید ۔ ہے روشنیٔ خانۂ دل ۔

۱۲۷۱ھ

قطعۂ تاریخ شتاب خاں متخلص بہ سپہر

فلک بارگاہ و ملک احتشام
پناہ جہان و ذوی الاحترام

مبارک سیر زبدۂ روزگار
وقار جہان و جہان وقار

---

۱ ۔ ''دفتر اشعارے '' دونوں نسخوں میں یہی ہے جس کے اعداد '۱۲۶۶' برآمد ہوتے ہیں ، صحیح ''دفتر اشعار ہے'' ہے جس کے اعداد ۱۲۷۱ھ ہیں ، تصحیح کی گئی ۔

فلک مرتبت صابر نام ور
مبارک خصائل ہمایوں سیر

ہیں جد اُن کے تیمور صاحب قران
ہمایوں، جہاں گیر و شاہ جہاں

وہ ہیں میرے استاد فرخ نہاد
فریدوں حشم اور سکندر نژاد

اور اس مرتبے پر جو اخلاق ہیں
جہاں میں وہ مشہور آفاق ہیں

ہے اک بحر ذخار علم اُن کی ذات
کلام ان کے ہیں غیرت معجزات

لکھا ان دنوں میں ہے اک تذکرہ
کہ ہے راحت روح و فرحت فزا

عبارت ہے اس کی بہت دل پذیر
ہر اک فقرہ اُس کا ہے ماہ منیر

عجائب ہے وہ روضۂ دل کشا
سرور انتہا و مسرت فزا

جو اس نظم رنگیں کی دیکھے بہار
تو کہوے کہ ہے جوش پر لالہ زار

یہاں تک تجلی سے معمور ہے
کہ گویا یہ نورٌ علیٰ نور ہے

یہ تھا تذکرہ کان فضل و ہنر
اور اصلاح صہبائی نام ور

عجب کیمیا کا اثر کر گئی
کہ یہ سیم تھا اس کو زر کر گئی

یہ سب کچھ اُسی کی تو امداد ہے
کہ وہ سارے عالم کا استاد ہے

یہ ہے اس کے ہی فیض کا کچھ اثر
کہ صابر نے اُگلے ہیں لعل وگہر

نہیں منہ جو اُن کے بیاں ہوں صفات
کہ چھوٹا ہے منہ اور بڑی ہے یہ بات

نہیں تذکرہ ہے یہ اک شمع طور
کہ ہے نور معنی کا اس میں وفور

سپہر اس کی جس دم زیارت ہوئی
تو جاں غرق دریاے حیرت ہوئی

کیا عقل نے یہ نہیں حوصلہ
کہ تو ہو سکے اس کا مدحت سرا

رقم کر یہ تاریخ گر ہے ذہین
کتاب اس سے اب کوئی بہتر نہیں

۱۲۷۱ھ

قطعۂ تاریخ مرزا واصل بیگ مشہور بہ مرزا
چھنگا فاخر تخلص

چو دیدم کلام مطراے صابر
چو دریاے اعظم بود در طلاطم

خصوصا عبارات این نسخه کزوے
خرد گشت در حیرت و فکر ها گم

بمن گفت کائے فاخر از بہر سالش
بگو مردم چشم و یا چشم مردم

۱۲۷۱ھ

قطعهٔ تاریخ رشحهٔ کلک حافظ عبدالرحمان حیرت

میرزا صابر بہادر، شاه زاده ذی وقار
باعث فخر جہان و قدردان اهل فن

تذکره تالیف کرد و داد داد شاعری
طرز تحریرش رباید از جہان رنج و محن

حیرت خسته جگر چون فکر تاریخش نمود
داد هاتف این ندا ”آرایش بزم سخن“

۱۲۷۱ھ

وله

میرزا صابر بلند شکوه
صاحب عالم بلند وقار

دل او معدن جواهر قدس
سینهٔ اوست مخزن اسرار

رقم و ثبت کرد تذکرهٔ
که بود بوستان به نقش و نگار

بود حیرت به فکر تاریخش
گفت هاتف خزائن الاشعار

۱۲۷۱ھ

تاریخے که میر رحمت علی رحمت فرموده اند
و به انضمام لفظ رنگینی معانی به گل سخن
عدد سال اختتام کتاب درست نموده

چون نخل بند معنی یعنی که کلک صابر
باصد بهار تازه آراست این چمن را

رحمت ز بهر سالش گفتا که خامهٔ او
رنگینیٔ معانی داده گل سخن را

۷۶۰ ۱۲۷۱ھ ۵۱۱

تاریخ طبع زاد، جوان نیک نهاد، محمد بیگ
محوی تخلص

زین تذکرهٔ لطیف مرزا صابر
خوش حجله پئے عروس معنی آراست

نظاره او سرور دل هائے غمین
سطرش درجام صفحه موج صهبا است

کیفیت خوبیش چه گویم که چها است
هست انچه زروئے کار حالش پیدا است

کردم چو سوال سال او از محوی
گفت از سر درد یادگار شعر است

۱۲۷۱ھ

قطعهٔ تاریخ تصنیف عبداللہ بیگ عاجز:

تذکرہ چوں بہ اختتام رسید
غنچۂ آرزوے دل بشگفت

سال تاریخ ختم او عاجز
رشحۂ ابر فکر نادر گفت

۱۲۷۱ھ

تاریخے کہ منور علی ہوش تخلص گفتہ

صابر خوش فکر بنوک قلم
گوہر ایں تذکرہ را چوں بسفت

ہوش پئے سال وے از روے جہد
گلشن نایاب خرد باز گفت

۱۲۷۱ھ

تاریخ یگانۂ دودمان اہلیت ، یکتائے جہان قابلیت جامہ زیب خلعت سعادت ذات ، شائستۂ محاسن صفات ، نونہال چمنستان جوانی ، نوباوۂ حدیقۂ زندگانی ، طراز وسادۂ متانت ، نقاش نگار خانہ فطانت، صاحب طرز متین حافظ محمد فخرالدین فخر تخلص کہ حسن خط اس کے قلم کی مشاطگی سے سادہ رویان دل‌ربا کے جمال سے زیادہ تر دل کش ہے اور رخ سادہ اوراق اس کے خامۂ مانی نگار کی آرایش گری سے کمال نظر فریبی بہم پہنچا کر مخطط ہونے میں دل خوش ہے ۔ اس کا قلم ہے یا گلشن سخن طرازی کا سرو ، اس کا خامہ ہے یا چمن

نغمہ پردازی کا تدرو۔ حرف کو اس کی زبان قلم کے طفیل شیریں دھنوں کی گفتگو پر حرف ہے اور فرط دل نشینی سے عمر نظارہ اس کے طرز خط کے مشاہدے میں صرف ، بیشی تر اجزا اس کتاب بلاغت انتساب کے اسی یگانۂ کشور کمال کے زیور کتابت سے مزین ہیں اور اس کے وگ ابر قلم کی آبیاری سے گلشن :

در احوال رنگیں کلامان دھر
مرتب چو شد این کتاب عجب

بہ گفت از سر آرزو فخر زود
بود فخر ارباب فہم و طلب

۱۲۷۱ھ

تاریخ صاحب فکر رسا ، سبحان الدین متخلص

بہ فنا کہ طبع موزون اور معدن ضمیر جواہر نکات سے مشحون رکھتا ہے ؛ بالفعل خاک شاہ جہاں آباد اس کے بہار قدم سے رشک چمن اور زمین سخن اس کے فکر کی آبیاری سے گلشن ہے :

ہوا تذکرہ اے فنا جب مرتب
بطرز دل آویز و آئین رنگیں

مری بے تکلف یہ نکلا زباں سے
ہے تاریخ اس کی مضامین رنگیں

۱۲۷۱ھ

قطعهٔ تاریخ تصنیف مرزا علی بیگ نازنین تخلص ریختی گو

اے میں قربان اپنے صابر کے
مجھ کو سب کچھ انہوں نے سکھلایا

اُن سے دو بول سے ہوئی واقف
اُن سے آیا جو کچھ مجھے آیا

میں تو اک بے تمیز رنڈی تھی
نیک و بد سب انہوں نے بتلایا

اُن کے صدقے سے مجھ سی عورت نے
رتبہ مردوں سے بھی سوا پایا

ہیں وہ شہزادۂ بلند نژاد
رتبہ اللہ کے گھر سے ہے پایا

بس کہ علم و ہنر میں کامل ہیں
اُن کا سب سے بلند ہے پایا

ڈالا اصلاح کے جو دامن کا
سر پہ میرے کلام کا سایا

تھے بڑے جو کہ مرد کامل فن
ان کو میرے سخن نے شرمایا

دیکھ شوخی زبان عورت کی
رشک سے زہر مردوں نے کھایا

تذکرہ شاعروں کا لکھا ہے
اور مجھ کو بھی ہے وہ دکھلایا

کس طرح کہہ سکوں میں اس کی صفت
کیا میرا منھ ہے کیا مرا پایا

اللہ اللہ عبارتیں اس کی
بحر مضموں ہے جوش میں آیا

رنگ معنی پہ تازگیٔ حروف
جیسے گلشن پہ ابر ہے چھایا

وہ سخن ان کے لب پہ ہے گویا
لب عیسیٰ پہ معجزہ آیا

لے کے ان سے وہ تذکرہ اک دم
نازنیں کو بھی میں نے دکھلایا

اس نے تاریخ یہ کہی مجھ سے
جی میں صدقے یہ خوب فرمایا

۱۲۷۱ھ

تمہید سپاس احبائے شفیق و توطیہ شکر یاران صدیق

صابر رنگیں نگار مساعیٔ فکر رسا اور جادہ پیمائی خامۂ تیز پا سے اس قدر سپاس دار نہیں ہے جس قدر بزرگان کریم نہاد اور محبان صادق الوداد کا حرف شکر ذخیرۂ لب و دہان رکھتا ہے کہ اس کتاب کے اتمام اور اس نسخے کے انصرام میں اُن والا ہمتان بلند حوصلہ کی طرف سے کیا کیا حسن و مروت جلوہ گر ہوا۔ جناب مستطاب استادی مولوی امام بخش صہبائی سلمہ اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کے آفتاب کی فروغ بخشی کا تو کیا بیان ہے کہ اگر ہر موے بدن جوں برگ سوسن دس زبان بل جوں گل صدبرگ سوزبان پیدا کرے ، اُس دفتر سے ایک حرف ادا نہ ہو سکے ۔ شاہدان عبارت کو اس طرح زیور اصلاح سے آرایش دی کہ ان دلرباؤں کی گردن و گوش کا جلوہ اس پیرایہ و حلل کے پردے میں نظر تامل سے روپوش ہو گیا ۔ گویا ایک سایہ تھا کہ ہجوم انوار میں محو ہو گیا ۔ یہ شکر تو عمر خضر سے زیادہ تر طول مدت چاہتا ہے ۔ ان دوستوں کے بار احسان سے سر فرو ہے کہ مصالح کے بہم پہچانے میں اتنی عرق ریزی

اور اس شغل کے اہتمام کی راہ میں ایسی قطرہ زنی کی کہ جو راہ کہ عمر برہما کی درازی پر طعنہ زن تھی، اُس کو بسان بشن ایک چشم زدن میں طے کیا ۔ یگانۂ عالم محبت مرزا غلام نصیرالدین قناعت اور یکتائے کشور مودت مرزا پیارے متخلص بہ رفعت اور رشک همسران معاصر مرزا جمعیت شاہ ماہر اور طراز وسادۂ الفت و مہر شتاب خاں متخلص بہ سپہر اور سبک جولان عرصۂ قدرت کلام مرزا عبداللہ بیگ عاجز اور جگر شگاف حاسدان کینہ اندوز صاحبزادۂ بلند اقبال جناب استادی و مولائی حضرت صہبائی عم نوالہ مولوی عبدالکریم نام متخلص بہ سوز، رنگیں کلامان حضرت شاہجہاں آباد کے اشعار کی تحصیل میں اور یکہ تاز عرصۂ لطف و مروت، فارس مضمار یگانگی و مودت، واقف سرایر سخن مولوی ابوالحسن کہ متوطن فرید آباد اور بلدۂ طیبہ اکبر آباد میں حکام عہد کی قدر دانی سے عہدۂ تدریس کتب فارسی پر ماسور اور اطراف و اکناف میں اس فن کی دقیقہ سنجی و رموز فہمی کے وصف سے مشہور ہیں، شعرائے دارالخلافہ مذکور اور سخن گویان نواح نزدیک و دور کے سخن بہم پہنچانے میں اس قدر ساعی ہوئے کہ اس کا شکر دفاتر لیل و نہار میں گنجایش پذیر نہیں، اور سر انجام مسودہ اور ترتیب اجزا کے بعد شمع افروز بزم اتحاد، چمن پیرائے حدائق وداد، رنگ آمیز کارنامۂ فکر ارجمند، مرزا صفدر علی بیگ بلند اور گلدستہ بند بہارستان ہنروری تازہ نہال گلشن معنی پروری، مورد مآثر سعادت، مولوی محمد حسین شفقت نے تبییض کا شغل دشوار اپنے تعہد میں لیا اور نامہ نگار کو انواع لطف و مروت سے ممنون کیا ۔ جب یہ مراحل طے ہوچکے،

حسن عبارت اور لطف معنی اور رشاقت اسلوب اور خوبیٔ انتخاب اشعار کا شہرہ اطراف عالم میں پہنچا اور ہر طرف سے دامن آرزو وسیع اور دست تمنا دراز ہوا ، کاتبین کی سعی اس وادی میں شکستہ پا اور ناسخین کی ہمت اس میدان میں نا رسا تھی ۔ ناگاہ مظہر مکارم شیم ، مصدر آثار کرم ، محیٔ مراسم یگانگی ، ماحیٔ رسوم بیگانگی ، جامع محاسن خفی وجلی شیخ نثار علی صاحب مطبع مرتضوی کہ اس جزو زمان میں بلندیٔ ہمت و فراخیٔ حوصلہ اور عموم مروت و شمول مکرمت اس کی ذات میں اس طرح جمع ہیں جیسے محیط میں امواج ، اور حسن اخلاق اور یک رنگیٔ وفاق اور رعایت دوست نوازی اور ملاحظۂ راست بازی اس کے نہاد سے ایسے چسپاں اختلاط ہیں جیسے مرکب سے مزاج ، لطف و مروت کے اظہار اور مراسم یار فروشی کے اعلان کی طرف مائل اور اس کتاب کے چھاپنے کی طرف متوجہ ہوئے ۔ حق یہ ہے کہ اس امر کے سر انجام میں مساعی جمیلہ کو اس طرح صرف کیا کہ قلم اس کی کیفیت کی تحریر میں روز حساب تک سر زانو سے نہیں اٹھا سکتا ۔ اس مطبع کے حسن اہتمام کا ذکر کروں یا خوبیٔ اسباب کا حرف زبان پر لاؤں ۔ کاتب کی زبان قلم حرف نستعلیق سے اس طرح آشنا ہے جیسے طوطیٔ خوش لہجہ حرف دل ربا سے اور لطافت سینہ کاغذ سے یوں جلوہ گر ہے جیسے صفائی آئینۂ مجلا سے ۔ آخرالامر اس سعی مشکور پر یہ اثر مرتب ہوا کہ مدت قلیل میں یہ شغل خطیر اتمام کو پہنچا اور نسخہائے بے شمار فراہم ہوکر مشتاقان نا شکیب کی نظر شوق سے دو چار ہوئے ۔ یہ نسخہ ہر چند اہل سخن کی طبع کو پسند تھا لیکن جب اس مطبع

میں زیور طبع سے آراستہ ہوا اور ارجمند ہو گیا ، اللہ تعالیٰ ان دوست نوازان بلند ہمت کو انقطاع سر رشتۂ روزگار تک بادۂ مراد سے مزہ چش اور حصول مرام سے دل خوش رکھے فقط ۔

تمت بالخیر والعافیت

اشاریہ

مرتبہ : گوہر نوشاہی

شخصیات

(جن شعراء کے نام عنوانات میں شامل ہیں اشاریے میں ان کا حوالہ نہیں دیا گیا) ۔

ج

چ

ح

خ

د

ذ

مقامات

کتابیات

غلط نامه گلستان سخن (حصه دوم)

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۹	اشعار مضامین	اشعار پردگیاں مضامین
۳	۲۱	چھڑکا نمک	چھڑکا نه نمک
۴	۱۳	دیکھیے	دیکھتے
٦	شعر ۳		دوسرا مصرع پہلے پڑھا جائے
۷	۱	کہیں که هم	کہیں کیا هم
۱۰	۳	علمیں	علمی
۱۱	۱٦	هوا کیوں کر	هو کیوں کر
۱۳	۱۰	لچھمی رام	لچھی رام
۱۵	۱۷	آئے ادھر نہیں	آئی ادھر نہیں
۱۸	۳	کے هزار	کئی هزار
۱۹	۵	پایه گاهی	پائگاهی
۲۱	۹	کیا	کبک
۲۱	۱۲	شام کا عام	شام کا عالم
۲۲	۱۰	حصل،	فصل
۲۳	۱۹	عروض قافیه	عروض و قافیه
۲۴	۸	سر کردۂ	سر گروه
۲۵	۱۳	هے	هیں
۲۸	۳	گله	گلا
۷۱	۱۴	عهده نظرت	عهدۂ نظارت
۱۰۹	۱۰	شده	شد
۱۰۹	۲۱	ده	وه

صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱۲۳	۱۴	کاسیتھ	کایستھ
۱۳۱	۱۴	مبوس	محبوس
۱۶۷	۵	ل تعجب	محل تعجب
۱۸۲	۵	کالیتھ	کایستھ
۱۸۸	۹	سخن (؟)	سخن راز (؟)
۲۰۲	۱۳	کالیتھ	کایستھ
۲۷۶		۲۷۹	۲۷۶
۲۷۹		۲۷	۲۷۹
۳۷۸	۱۹	طبیعت لآئی	طبیعت لآلی
۳۸۵	۴	کالیتھ	کایستھ
۴۲۵	۱۸	کہ نہ دارد	کاہ نہ دارد
۴۳۶	۵	نگہت	نکہت
۴۳۸	۱۲	آت	آتے
۴۳۸	۱۴	نگہت	نکہت
۴۸۸	۱۳	گزیر	گریز
۴۹۵	۱۶	ور	اور

مجلس ترقی ادب لاہور